Marfat.com

پنڈارے

قمر اجنالوی

مکتبہ القریش چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

طابع ————— منظور پریس لاہور

بار اوّل ————— ۱۹۸۲ء

قیمت ————— ۰۰/۲۵ روپے

مکتبہ القریش، چوک اردو بازار، لاہور

Marfat.com

ادب اور تاریخ
کا
منفرد انداز

پنڈارے

Marfat.com

خوش ذوق قارئین کیلئے مکتبہ الطرلش کی ایک حسین ادبی پیشکش

Marfat.com

محترم دوست اور ساتھی

احمد ندیم قاسمی

کے نام

○

(قمر اجنالوی)

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

Marfat.com

مکتبہ القریش چوک اردو بازار لاہور

دریچہ

تاریخی ناول نگاری تو میرا پیشہ ٹھہرا اور یہ سلسلہ طالب علمی کے زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا مگر تاریخی افسانہ مجھ سے پہلی بار شکیل عادل زادہ نے لکھوایا۔ جو "ہیا ہی بدیس" کے نام سے "سب رنگ" میں شائع ہوا۔ اُن کی خواہش تھی۔ میں "سب رنگ" کے لیے مسلسل لکھوں مگر ایک روزنامہ کے ایڈیٹر کے لیے ہر ماہ تاریخ کھنگالنا اور تاریخی کہانی لکھنا کچھ مشکل سا کام ہے۔ یوں بھی افسانہ، نظم، غزل سب موڈ یا کیفیت کی باتیں ہیں اور یہ باتیں پابندی سے نہیں کی جاتیں۔

نذیر ناجی نے "انارکلی" کا آغاز کیا تو تاریخی کہانی کا قرعہ میرے نام ڈالا بلکہ دوستی میں حکم لگایا کہ ہر ماہ لکھوں۔ میں اپنے دوستوں کی خاطر کبھی کبھی "سولی" پر بھی چڑھ جاتا ہوں۔ "پنڈارے" اُن کے لیے لکھا اور ہر ماہ کی "سولی" بھی قبول کی مگر نذیر ناجی کی "انارکلی" حالات کی دیوار میں چُن دی گئی۔ شاید انارکلی کی قسمت میں دیواریں ہی لکھی ہیں۔ معلوم نہیں لاہور کا انارکلی بازار ابھی تک یہ درجۂ شہادت کیوں حاصل نہیں کر سکا۔

"پنڈارے" ادبی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ بعض دوستوں نے خواہش کی۔ اسے جلد کتابی شکل دی جائے۔ یہ فرض میرے پبلشر عبدالحفیظ قریشی ادا کر رہے ہیں مگر "پنڈارے" کے ساتھ تین اور طویل مختصر افسانے بھی شامل کر دیے ہیں۔

"طویل مختصر افسانے" کی اصطلاح اردو میں کرشن چندر نے رائج کی تھی۔ قیام پاکستان سے قبل لاہور میں اُن سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا۔ طویل افسانہ اتنا تو ہونا چاہیے کہ اسے "ناولٹ" سمجھا جا سکے مگر کرشن چندر نے مجھ سے اختلاف کیا۔ اُن کا خیال تھا ناول اور افسانے کی تکنیک میں جو فرق ہے اسے "طویل مختصر افسانہ" ہی کے نام سے قائم رکھا جا سکتا ہے۔

ناولٹ کی تکنیک الگ ہے۔ اُسی زمانے میں مَیں نے ایک طویل مختصر افسانہ " اِک نفی اِک مساوی صفر" کے عنوان سے لکھا تھا۔ جو میرے افسانوں کے مجموعہ "غنڈا" میں شامل ہے۔

اب یہ تاریخی کہانیاں ترتیب دے رہا تھا تو مَیں نے اُن کے لیے "طویل مختصر تاریخی افسانے" کی اصطلاح پسند کی مگر ایک صاحب نے مشورہ دیا۔ یہ "طویل مختصر تاریخچے" کیوں نہ کہلائیں ؛ مَیں "تاریخچے" کے لفظ پر چونکا سمعی اعتبار سے تو یہ لفظ میوزیکل سا لگا مگر اس کی املا پر غور کیا تو ذوقِ نظر پر بار سی گزری۔ ہم کسی کے "پرخچے" اُڑتے تو دیکھ سکتے ہیں۔ بعض لوگوں سے "غچے" بھی کھاتے رہتے ہیں مگر بصری طور پر شاید "تاریخچے" کے لفظ پر ناک بھوں چڑھانے بیٹھ جائیں۔ مَیں نے کہا۔

" بھئی ! "تاریخچے" کی املا کچھ جچتی نہیں۔ اس لفظ میں خ اور چ آپس میں گڈمڈ ہو رہے ہیں"۔

اُنہوں نے میری بات پکڑ لی۔

" اور یہ "جچتی" کے بارے میں کیا خیال ہے اس لفظ میں تو ج اور چ ایک دوسرے کا گلا دبوچ رہے ہیں پھر ذرا "صحیح" کے لفظ کو دیکھیے۔ یہاں اکٹھے دو ح اوپر نیچے ہو رہے ہیں"۔

اُن کے نزدیک "جچتی" اور "صحیح" کے الفاظ عیبِ تنافر کی مثال ہیں جب کہ "تاریخچے" کی ادائیگی میں موسیقی سی پائی جاتی ہے۔ اس دلیل کے باوجود میری طرف سے "طویل مختصر تاریخی افسانے" ہی قبول فرمائیے۔ آئندہ کبھی "طویل مختصر تاریخچوں" کے بارے میں سوچوں گا۔

قمر اجنالوی

ایڈیٹر روزنامہ "مغربی پاکستان"

بیڈن روڈ۔ لاہور

★

Marfat.com

پیش لفظ

استفادہ

- تاریخ ہندوستان — شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ
- بھوپال سے متعلق ایک مقالہ — شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
- فال آف دی مغل ایمپائر — سر جادو ناتھ سرکار
- کمپنی کی حکومت — باری علیگ
- مہاراجہ سندھیا — سکھدیو شکلا
- پنڈارے کون تھے؟ — مولانا بدیع الزماں

Marfat.com

نواب کریم خاں روہیلہ کے پنڈاروں نے ریاست گوالیار کے سرحدی علاقے کو بڑی بے رحمی سے لوٹا۔ گاؤں کے گاؤں اُجاڑ دیئے۔ لوٹ مار کا یہ سلسلہ تین دن سے جاری تھا۔ ہر وہ گھر جہاں مزاحمت ہوئی ویران ہو گیا۔ ہر وہ شخص جس نے مہاراجہ سندھیا کے نام کی دُہائی دی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

گوالیار مرہٹہ مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کی ریاست تھی۔ کریم خاں کی سرحدی تاخت کا اصل مقصد مہاراجہ سے انتقام لینا اور اُسے ایک ایسا سبق دینا تھا جسے وہ ہمیشہ یاد رکھے دولت راؤ سندھیا کا جرم یہ تھا کہ اس نے کمپنی سرکار کے ساتھ مل کر پنڈاروں کو ختم کرنے ان کا زور توڑنے اور انہیں نیست و نابود کر دینے کی سازش کی تھی۔ اب ضروری تھا کہ اس کے علاقے میں تھوڑی سی کانٹ چھانٹ کر دی جائے۔

پنڈارے اصل میں مرہٹوں کے "بازوئے شمشیر زن" بھی تھے اور اُن کے لوٹنے والے ہاتھ بھی۔ وہ شروع ہی سے ان کے لیے فوجی خدمات انجام دیتے رہے۔ جنگوں میں ہمیشہ ہراول دستے کے طور پر نمودار ہوتے اور دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے۔ مغلوں اور انگریزوں کے خلاف انہوں نے ہر جنگ میں بہادری کے حیرت انگیز جوہر دکھائے اور انہی کے طفیل مرہٹے ہندوستان میں ایک بڑی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے مگر اب دولت راؤ سندھیا کی سیاسی مصلحت پنڈاروں کی

Marfat.com

بیخ کنی چاہتی تھی اور کریم خاں کے پنڈاروں نے اس کا یہ چیلنج قبول کر لیا تھا۔ وہ دو روز تک ریاست گوالیار کی سرحدی بستیاں لوٹتے رہے۔ مرہٹوں کا کوئی فوجی دستہ مزاحمت کے لیے سامنے نہیں آیا البتہ جن لوگوں نے فرداً فرداً مقابلے کی کوشش کی، ان کے گھروں کو آگ کے شعلے چاٹ گئے۔ دھوئیں کے مرغولوں میں اُن کے ارمانوں کی چتا جلتی رہی۔ مگر تیسرے دن اچانک بہت دُور گرد و غبار کے بادل نمودار ہوئے اور اُڑتی ہوئی دھول میں زری کے پٹکوں سے آراستہ پرچم حرکت کرتے نظر آئے۔ ان پرچموں کے پیچھے مرہٹہ سواروں کی کئی ٹکڑیاں اپنے مخصوص انداز میں حلقہ در حلقہ آگے بڑھ رہی تھیں۔

کریم خاں بڑی تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ایک بلند ٹیلے پر پہنچا اور مرہٹہ سواروں کو بستی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھنے لگا۔ زرتار جھنڈوں نے اُسے حیران کر دیا کیونکہ زری پٹی کے علم مہاراجہ سندھیا یا اس کے خاص سرداروں کی علامت سمجھے جاتے تھے اور جس طرف یہ جھنڈے حرکت کرتے موت اُن کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ پنڈاروں کی سرحدی تاخت کے مقابلے میں دربارِ گوالیار نے زری کے پرچموں کو حرکت دے کر اعلان کیا تھا کہ مقابلہ کسی معمولی حریف سے نہیں اور کریم خاں روہیلہ کوئی معمولی حریف تھا بھی نہیں۔ مہاراجہ سندھیا نے اس کی سرکوبی کے لیے اپنے کسی خاص سردار کو پورے شاہی دبدبہ کے ساتھ روانہ کیا تھا لیکن مرہٹوں سے باقاعدہ جنگ کریم خاں کے منصوبے میں شامل ہی نہ تھی۔ وہ تو سندھیا کو پنڈاروں سے بدعہدی کی سزا دینے آیا تھا اور اس کے سرحدی علاقے تاخت و تاراج کر کے نکل جانا چاہتا تھا۔ ٹیلے سے اُترتے ہی اس نے واپسی کا اشارہ کیا۔ فضا میں یکے بعد دیگرے تین بار بگل کی آواز گونجی۔ پنڈارے مال و اسباب کے پشتارے گھوڑوں پر لادے بستی سے نکلے اور جنوب کی طرف ہو لیے۔

مرہٹہ لشکر نے دُور ہی سے اُنہیں فرار ہوتے دیکھا تو گھوڑوں کو ایڑ ی لگائی۔ لشکر کا سردار جو کوئی بھی تھا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ لوٹ مار کرنے والے گروہ کو سزا دینے کا بہترین موقع وہی ہوتا ہے، جب وہ مالِ غنیمت سمیٹ کر فرار ہو رہا

Marfat.com

ہو۔ پنڈاروں کی افراتفری سے مرہٹہ سردار نے یہ بھی بھانپ لیا تھا کہ وہ مقابلہ کرنے کی بجائے لوٹ کا سامان لے کر نکل جانے ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اسی کمزوری کو بھانپ کر اس نے حملہ کا حکم دیا اور اپنا گھوڑا بھاگتے ہوئے پنڈاروں کے تعاقب میں ڈال دیا۔

مرہٹہ سردار کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ لوٹ مار کرنے والے پنڈارے کریم خاں روہیلہ کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ خود ان کی کمان کر رہا ہے۔

کریم خاں کی کمان میں لڑنے والے پنڈارے جنگل کے چیتوں سے بھی زیادہ خونخوار ثابت ہوئے تھے مگر وہی پنڈارے اب گیدڑوں کی طرح فرار ہو رہے تھے اور خود کریم خاں ایسا بہادر سردار اپنے سواروں کو لے کر اس طرح بھاگا تھا جیسے دشمن سے خوفزدہ ہو۔ اس کی اس "کمزوری" کو دیکھ کر مرہٹے "شیر" ہو گئے

بستی کے جنوب میں اونچے ٹیلوں کی ایک قطار دور تک چلی گئی تھی اور ٹیلوں کی یہی قطار پنڈاروں اور مرہٹوں کے درمیان فصیل بن کر حائل ہو گئی۔ کریم خاں چھاپے مارنے اور لوٹ مار کرنے کے علاوہ فنونِ جنگ کا بھی ماہر تھا مگر مرہٹہ لشکر کو دیکھ کر وہ جس بدحواسی میں فرار ہوا اس سے روہیلے نواب کی جنگی مہارت کا بھرم کھل گیا اور اب مرہٹہ سردار چاہتا تھا کہ اس کے پنڈاروں کو ٹیلوں کے آس پاس گھیر کر ہلاک کر دے۔ مگر جونہی مرہٹہ سوار ٹیلوں کے قریب پہنچے کریم خاں کا نائب نامدار خاں اپنے چھپے ہوئے سواروں کو لے کر نکلا اور بلائے ناگہانی بن کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا۔

مرہٹہ سردار اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ بھاگنے والوں نے اپنی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں کیا لیکن پنڈاروں کے جوابی حملے نے اس کی خوش فہمی کا خاتمہ کر دیا اور مرہٹہ سردار کو یک لخت تعاقب کی غلطی کا احساس ہوا لیکن اب بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ بپھرے ہوئے پنڈاروں نے مرہٹہ سواروں کا راستہ اس طرح کاٹا کہ ہراول دستہ خاک و خون میں لوٹ گیا۔ توڑے دار بندوقوں کی پہلی باڑھ نے تعاقب کا سارا منصوبہ غارت کر دیا۔ پنڈاروں کے گھوڑے بجلی جیسی تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ نیزوں کے

Marfat.com

چھل گر دوں میں آ ترتے چلے گئے اور آن کی آن میں میدان مرہٹوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ پنڈارے نہ تو کسی سے رحم کے طلبگار تھے نہ کسی پر رحم کرتے تھے۔ انہوں نے اس تندی سے حملہ کیا کہ مرہٹوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ناگہاں بگل کی دوسری آواز کے ساتھ پنڈاروں کا دوسرا دستہ ٹیلوں کی اوٹ سے نمودار ہوا تو مرہٹہ سردار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی سپاہ کو ان خونی ٹیلوں سے دُور ہٹالے۔ اس کے اشارے پر واپسی کا ترم بجا اور سوار پیچھے ہٹنے لگے۔

مرہٹے پنڈاروں کی جنگی چالوں کو سمجھتے اور جانتے تھے کہ گروہ در گروہ چھپے ہوئے سوار دشمن پر کس طرح بجلی بن کر گرتے ہیں۔ کیا خبر ٹیلوں کے پیچھے کوئی تیسرا دستہ بھی گھات میں بیٹھا ہو۔ واپسی کے اشارے پر لڑتے مرتے سوار پنڈاروں کے حملہ کی زد سے نکل آئے تو مرہٹہ سردار نے اپنے عقبی رسالہ کو ایک خاص ترتیب سے کھڑا کیا کہ جب پنڈارے مرہٹہ سواروں کا تعاقب کرتے ہوئے آگے بڑھیں تو انہیں گھیر لیا جائے۔ نامدار خاں نے پلٹتے ہوئے مرہٹہ سواروں پر ضرب مزید لگائی لیکن ان کے تعاقب کی غلطی نہیں کی بلکہ اپنے سواروں کو لے کر ایک بار پھر ٹیلوں کی اوٹ میں غائب ہو گیا۔

مرہٹہ سردار اسے بھی ایک جنگی چال سمجھا اور اپنی فوج کی صف بندی کرنے لگا تاکہ پنڈاروں کو کسی دوسرے چھاپے کا موقع نہ مل سکے۔ اس کا خیال تھا پنڈارے ایک بار پھر چھپ کر حملہ کریں گے لیکن کافی انتظار کے بعد بھی جب وہ ٹیلوں کی اوٹ سے باہر نہ نکلے تو مرہٹہ سردار نے خود ان پر چھاپہ مارنے کا منصوبہ بنایا اور جب ایک گشتی دستہ ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تو ٹیلوں کے اس پار میدان خالی پڑا تھا اور پنڈارے انتہائی خاموشی کے ساتھ گوالیار کی سرحد بھی پار کر گئے تھے۔

اس اطلاع پر مرہٹہ سردار سر پیٹ کر رہ گیا۔ وہ گوالیار سے کریم خان کی سرکوبی کے لیے آیا تھا لیکن کریم خاں کے پنڈارے سرحدی دیہات کو تاخت و تاراج بھی

Marfat.com

کر گئے اور حملہ آور مرہٹہ فوج پر تباہ کن ضرب بھی لگا گئے تھے۔ مرنے والے سواروں کی لاشیں اکٹھی کی گئیں تو ان کی تعداد تین سو سے تجاوز کر رہی تھی۔ زخمی ہونے والے پانچ چھ سو کے درمیان تھے۔ زری پٹی کے کئی علم خاک میں اَٹے پڑے تھے۔ مرہٹہ سردار زخمی سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔ عجیب بات یہ تھی۔ پنڈاروں نے اپنے کسی سوار کی لاش میدان میں نہیں چھوڑی۔ وہ لاشوں اور زخمیوں کو اپنے ساتھ ہی لے گئے اور مرہٹہ سردار کے دل ودماغ پر اپنی فوجی دہشت کی نہ مٹنے والی تحریریں رقم کر گئے تھے۔

کریم خاں کی سرحدی تاخت اور مرہٹہ لشکر کی ناکامی کا افسانہ گوالیار کے راج محل میں پہنچا تو مہارانی بیجا بائی کو سندھیا پر برسنے اور سرزنش کرنے کا ایک عمدہ موقع ہاتھ آ گیا جو پہلے ہی اپنے شوہر سے ناراض اور اس کے نئے مشیروں کے خلاف اپنے خیالات کے اظہار کا بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

بیجا بائی سرجی راؤ کھٹگی ایسے راجپوت سردار کی بیٹی اور مہاراجہ سندھیا کے کے مزاج میں بہت دخل رکھتی تھی۔ دولت راؤ سندھیا راج نیتی کے کاموں میں کمزور اور ایک ضعیف الرائے حکمران تھا مگر حسن پرستی اس کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ سلطنت کے ہوشیار مشیر اور چالاک مصاحب اس کی اس کمزوری سے خوب فائدہ اٹھاتے اور "جبین نذرانے" پیش کر کے اپنا مطلب نکالنے کے ساتھ ساتھ مہاراج کی رائے بھی تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ خود سرجی راؤ کھٹگی بھی اسی طرح وزارتِ عظمیٰ کی مسند تک پہنچا تھا۔ بیجا بائی حسن وخوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس سے شادی کے بعد دولت راؤ سندھیا نے سرجی راؤ کو ۱۸۰۴ء میں گوالیار کا مدار المہام

Marfat.com

دراج منتری) مقرر کر دیا کیونکہ اسی سال پہلے مدارالمہام وٹل پنتھ نے وفات پائی تھی۔ وٹل پنتھ وہ شخص تھا جس نے منشی کنول نین کے ذریعے کمپنی سرکار کے ہندوستانی گورنر جنرل لارڈ ولزلی کے ساتھ دوستی کے عہد و پیمان کر کے مہاراجہ سندھیا کو انگریزی خطروں سے نجات دلائی تھی۔ سرجی راؤ نے برسرِ اقتدار آتے ہی سلطنت کے داخلی امور میں بہت سی تبدیلیاں کر دیں مگر مہاراجہ کو ان تبدیلیوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ تو سلطنت کا تمام کاروبار سرجی راؤ گھٹگے کے سپرد کر کے بیجا بائی کے حسن و جمال کی فسوں کاریوں میں کھو گیا تھا۔

راج محل میں شب و روز عیش و نشاط کی محفلیں آراستہ ہونے لگیں اور بیجا بائی نے مرہٹہ مہاراج کو پوری طرح اپنے حسن کے جلوؤں کا اسیر کر لیا تھا۔

محل کے اندر بیجا بائی کی اور محل کے باہر سرجی راؤ کی حکومت تھی سرجی راؤ طبیعت کا سخت اور ظلم و تشدد کو اپنے شخصی دبدبہ کی کلید سمجھتا تھا۔ ایک تو خود سر راجپوت دوسرے مہاراجہ کا سسر۔ محل کے اندر باہر اسی کا حکم چلتا تھا کسی کو اس کے خلاف دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ اس نے منشی کنول نین کو بھی تختۂ مشق بنایا جو مہاراج کے سامنے اکثر و بیشتر کمپنی سرکار کے گن گاتا رہتا تھا۔ کنول نین نے جب دیکھا کہ اب اس کی دال نہیں گلتی تو سرجی راؤ کے مظالم سے تنگ آ کر دہلی چلا گیا۔

منشی کنول نین کے دربارِ گوالیار سے الگ ہوتے ہی راجپوت اور مرہٹہ سرداروں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی ہونے لگی۔ بیجا بائی راجپوتنی تھی۔ دربار میں اسے راجپوتوں کے علاوہ مرہٹہ سرداروں کے مرتبہ و مقام کا خیال بھی رکھنا پڑتا تھا لیکن سرجی راؤ کے اقتدار کے خلاف جو اندر ہی اندر حرکت کر رہی تھی وہ اسے نہ روک سکی۔ سازشیں دربارِ گوالیار کی روایت بن چکی تھیں اور بیجا بائی کا حسن بھی اپنے باپ کے اقتدار کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ صرف دو سال کے اندر دولت راؤ سندھیا نے سرجی راؤ گھٹگے کو اقتدار سے الگ کر دیا اور ۱۸۰۶ء میں مرہٹہ سردار امباجی مدارالمہام کے عہدے پر فائز تھا۔

Marfat.com

اس عزل و نصب کے درمیان بھی بیجا بائی اگرچہ راج محلوں پر حکومت کرتی تھی اور مہاراجہ سندھیا کی دلچسپی کم نہ ہوئی تھی مگر وہ اس امر سے غافل نہ تھی کہ مہاراج کے ارد گرد مرہٹہ دوشیزاؤں کا جمگھٹا سا رہنے لگا تھا جن کی خوبصورتی اور سڈول جسموں کی کشش نے اس کے شوہر کے مزاج کو بڑی حد تک بدل دیا تھا۔ اب وہ بیجا بائی کی بجائے ان مرہٹہ لڑکیوں میں زیادہ دلچسپی لینے لگا تھا جو "حسن کا نذرانہ" بن کر مہاراج کی خدمت میں پہنچی تھیں۔ ان ایام میں دولت راؤ سندھیا راج محل کی راجپوت باندیوں پر بھی بہت کم توجہ دیتا کیونکہ اُن کی جگہ مرہٹہ باندیاں جن کے حسین بدن ڈھولکیوں اور سارنگیوں کی طرح ہر وقت کسے رہتے تھے، اس کی توجہ کا مرکز بن گئی تھیں۔ سرجی راؤ کو اقتدار سے محروم کرنے میں ان "حسین سازشوں" کا بڑا دخل تھا۔ بیجا بائی کئی شیرلیں کو ذلیل بھی کر چکی تھی جو مرہٹہ حکمران کی رنگین مزاجی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے تھے لیکن دولت راؤ سندھیا کے مزاج کو تبدیل کر دینا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ بیجا بائی کی نگرانی کے باعث وہ کسی قدر محتاط ضرور ہو گیا اور اس سے دبنے بھی لگا تھا لیکن اپنی عادت ترک نہ کر سکا۔ جہاں کوئی اچھی صورت دیکھی وہیں طبیعت مچل جاتی۔ اس کی یہی "حسین کمزوری" بیجا بائی پر قیامت بن کر ٹوٹتی تھی۔

سرجی راؤ گھٹکی کی علیحدگی اور امباجی کے برسرِ اقتدار آتے ہی جو سب سے بڑی تبدیلی عمل میں آئی وہ یہ تھی کہ مہاراجہ نے منشی کنول نین کو دوبارہ گوالیار میں طلب کر لیا۔ کیونکہ وہ کمپنی سرکار کے ساتھ کوئی نیا معاہدہ کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے منشی کنول نین سے بہتر معتمد اور کوئی نہیں تھا مگر انگریز کو اصرار تھا کہ مہاراجہ اپنی فوج سے پنڈاروں کو نکال باہر کرے اور اُن کی مختلف ٹکڑیوں کی بیخ کنی میں جو اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں سرکار انگلشیہ کا ہاتھ بٹائے۔

دولت راؤ سندھیا خود بھی پنڈاروں کی تاخت سے پریشان اور اُن کی عسکری قوت توڑ دینا چاہتا تھا جو اُسی کے مرہٹہ حریف مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر مالیے اندور کی شہہ پر گوالیار میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ منشی کنول نین کی سفارش پر اس نے ایک مرہٹہ سردار نارو کو

Marfat.com

زری پٹی کے پرچم دے کر پنڈاروں کی سرکوبی پر مامور کر دیا تھا اور کریم خاں روہیلا انہی پرچموں کو روندتا ہوا نکل گیا تھا۔

اس خبر نے دربارِ گوالیار میں ایک تھرتھری سی پیدا کر دی۔ امبا جی اور منشی کنول مین مہاراج کو مرہٹہ لشکر کی ناکامی کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اب مہارانی بیجا بائی کو موقع ملا تھا کہ وہ اپنے باپ کے دشمنوں کو ذلیل کر سکے اور سندھیا کو اس کی غلطیوں کا احساس دلائے گوالیار کے راج محل میں بھی کریم خاں کی سرحدی لوٹ مار اور مرہٹہ لشکر کی شکست و ناکامی پر چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ یہ بات سب کے لیے پریشان کن تھی کہ کریم خاں جو ایک چھوٹی سی پنڈارہ ریاست کا نواب ہے۔ مرہٹہ لشکر کو شکست دے کر نکل گیا۔ مہاراجہ دولت راؤ سندھیا جب دربار سے فارغ ہو کر راج محل میں داخل ہوا، تو یہاں بھی سب کے چہروں پر ایک ہی سوال تھا۔

"کیا مرہٹہ سلطنت اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ پنڈاروں پر قابو پانے کی طاقت بھی نہیں رکھتی؟"

راج محل کے نوکروں اور باندیوں سے لے کر سندھیا خاندان کی راجکماری تک ہر کوئی اسی فکر میں غلطاں تھا حتیٰ کہ راج محل کی دیواریں بھی یہی پوچھنا چاہتی تھیں کہ مرہٹوں کی طاقت کیا ہوئی مگر مہاراج کے سامنے کسی کو اپنا سوال دہرانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ یہ جرأت صرف مہارانی بیجا بائی نے کی۔ جونہی مہاراجہ سندھیا اپنے کمرۂ خاص میں داخل ہوا اس نے مہارانی کو دیکھا جو شاید اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی اور کسی قدر پریشان سا ہو گیا...... "تم ......! یہاں ...... ؟"

بیجا بائی اس کی حیرت کو نظر انداز کرتی ہوئی آگے بڑھی اور تضحیک آمیز لہجے میں بولی "سنا ہے کریم خاں نے سرحدی علاقے بُری طرح لوٹ لیے ہیں اور جاتے جاتے مہاراج کو تین سو لاشوں کا تحفہ بھی دے گیا"۔

دولت راؤ سندھیا نے مہارانی کے الفاظ کی چبھن محسوس کی لیکن کسی بحث کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ بیجا بائی کی جلی کٹی باتوں کا عادی سا ہو گیا تھا اور عام طور پر خاموش ہی رہتا

Marfat.com

لیکن کریم خاں کے معاملے نے کچھ ایسی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ جواب دینا ہی پڑا۔
"ہم لاشوں کا یہ تحفہ بہت جلد اسے واپس کر دیں گے۔"
اس قسم کے مواقع پر سندھیا اپنی شخصیت پر شاہی وقار کا غلاف چڑھا لیا کرتا تھا تاکہ اپنی بات میں وزن اور آواز میں رعب پیدا کر سکے۔ مہارانی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بھی اس نے چہرے پر خشونت کے آثار طاری کر لیے جس نے بیجا بائی کو چونکا دیا کیونکہ وہ جانتی تھی مہاراج کے لبوں تک آنے والے الفاظ اس کے اپنے نہیں ہوتے۔ اس کے جواب سے مہارانی یہ بھی سمجھ گئی کہ دربار میں کریم خاں کی ریاست کو تباہ و برباد کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن جو آگ اس کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ وہ شعلہ بن کر لبوں پر آ گئی اور بولی۔
"کیا مرہٹہ سردار نارو کو ندی پٹی کا جھنڈا منشی کنول نین کی سفارش پر دیا گیا تھا؟"
"ہاں۔" سندھیا کو اقرار کرنا پڑا۔
"اور سردار نارو کی بیٹی جوان بھی ہے اور سندر بھی ......"
بیجا بائی نے سندھیا کی کمزور ترین رگ پر انگلی رکھ دی، چاہتی تھی کہ اس کی "کسی حسین کمزوری" پر سرزنش کر سکے لیکن خلافِ توقع سندھیا یہ بات سنتے ہی مشتعل ہو گیا اور بڑے تلخ لہجے میں گرج کر بولا۔
"بیجا بائی! جو کچھ کہہ رہے ہیں غور سے سن لو تاکہ تمہیں دوبارہ کسی شکایت کا موقع نہ مل سکے اور ہم بھی کسی صفائی کی ضرورت محسوس نہ کریں۔ ہم مہاراج ہونے کے ناطے راج نیتی کے سب اچھے برے کاموں کے ذمہ دار ہیں اور انسان ہونے کے ناطے اگر سندر لڑکیوں سے ملتے ہیں۔ تو یہ ہمارا ادھیکار ہے اور تم یہ ادھیکار نہیں چھین سکتیں۔"

مہاراجہ سندھیا نے زندگی میں پہلی بار ایسی جرأت کا مظاہرہ کیا تھا۔ یقیناً یہ کسی دوسرے کی پڑھائی ہوئی پٹی تھی ورنہ وہ خود ایسے الفاظ استعمال کرنے کا عادی نہیں تھا۔ بیجا بائی چند لمحوں کے لیے "سن" سی ہو کر رہ گئی۔ مگر فوراً خیال آیا وہ ایک

Marfat.com

کمزور اور ضعیف الرائے شخص کے سامنے کھڑی ہے جس کی کئی "کمزوریاں" اس کی اپنی مٹھی میں ہیں۔ ایک دم پلٹ کر بولی "اور پتی ہونے کے ناطے مہاراج کا کیا ادھیکار ہے؟"

مہارانی کا لہجہ ہی کچھ ایسا تھا کہ دولت راؤ سندھیا کانپ گیا۔ بیجا بائی اس کے دل و دماغ پر راج کرتی رہی تھی اور وہ اپنی کمزوریوں کے باعث اس سے دبتا تھا۔ پھر راجپوتنی کے شباب میں ابھی بڑی کشش تھی۔ وہ کسی قدر محجوب سا ہو کر کہنے لگا۔

"بیجا بائی! تم آج بھی ہمیں اتنی ہی پیاری ہو جتنی بیاہ کی رات پیاری تھیں بس ...... ہم اور کیا کہیں ......؟"

بیجا بائی کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی۔ سندھیا نے جھگڑا کرنے کی بجائے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے ہی میں مصلحت سمجھی۔ مگر بیجا بائی جانتی تھی۔ باپ کے دشمنوں سے بدلہ لینے اور مہاراج کی رائے کو تبدیل کرنے کا یہی موقع ہے۔ بات کا رُخ بدلتی ہوئی بولی "سنا ہے راج دربار میں کریم خاں کے پنڈاروں کی گوشمالی کرنے کا فیصلہ ہوا ہے؟"

"اب پنڈاروں کی گوشمالی نہیں۔ خاتمہ ہوگا"۔

"اور یہ مشورہ آپ کو اماجی اور منشی کنول نین نے دیا ہوگا؟"

"مشورہ کسی نے بھی دیا ہو ہم پنڈاروں کی تباہی کا فیصلہ کر چکے ہیں"۔

"پنڈاروں کی تباہی کمپنی سرکار کے بھلے کی بات ہو سکتی ہے۔ اس میں ہمارا کوئی بھلا نہیں ......"

"کیا مطلب؟" سندھیا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اماجی اور منشی کنول نین صرف انگریز کے بھلے کی سوچتے ہیں۔ آپ کو اپنے بھلے کی سوچنی چاہیئے"۔

"اور ہمارا بھلا کس میں ہے؟"

"پنڈاروں سے دشمنی مول لینا بڑا مہنگا سودا ہے مہاراج! کریم خاں کو اپنا دشمن بنانے کی بجائے دوست بنانے کی کوشش کریں۔ انگریز کے خلاف آپ کے کام آئیگا۔

"مگر اس نے ہمارے علاقے کو تاخت وتاراج کیا ہے"۔

"صرف اس لیے وہ آپ سے ناراض ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ آپ کمپنی سرکار سے مل گئے ہیں۔ اسے اپنی دوستی کا یقین دلایئے اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑنے کی بجائے پریم کی زنجیروں میں باندھ لیجئے۔ اسی میں آپ کا بھلا ہے"۔

دولت راؤ سندھیا نے غور کیا تو مہارانی کی بات اماجی اور منشی کنول نین کے مشورے سے زیادہ وزنی محسوس ہوئی اور اسے یوں لگا جیسے بیجا بائی نے اس کی آدھی پریشانیاں بانٹ لی ہیں ۔

مغل سلطنت کے زوال پر ہندوستان میں جو طوائف الملوکی پھیلی، اس نے بہت سے طالع آزما گروہ، بہت سے مہم جو حکمران پیدا کیے تھے۔ ملکی بھی اور غیر ملکی بھی ۔ انگریز فرانسیسی، پرتگالی، مرہٹے، روہیلے، پنڈارے، سکھ، رجواڑے، بھیل، جاٹ سبھی حلقہ در حلقہ قسمت آزمائی میں مصروف تھے جو علاقہ جس کے قبضے میں آیا دبا کر بیٹھ گیا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل ہو رہا تھا۔ انسانوں کے اس جنگل میں طاقت ہی سب سے مؤثر قانون تھا اور حکمرانوں کی اس بھیڑ میں کمپنی سرکار اور مرہٹے دو ہی غالب طاقتیں تھیں جو اقتدارِ اعلیٰ کے لیے باہم دست و گریباں ہو رہی تھیں ۔ دونوں میں سے کسی کو گوارا نہ تھا کہ اُن کے سامنے کوئی تیسرا فریق، کوئی تیسری صورت اُبھر سکے۔ مغل سلطنت برائے نام رہ گئی تھی۔ ہندوستان کے بیشتر علاقوں پہ انگریز کا قبضہ تھا یا مرہٹوں کا لیکن بہت سی ریاستوں کے حکمران بھی اپنی آزادی اور خود مختاری کی جدوجہد کر رہے تھے۔ ہر چھوٹا بڑا گروہ لوٹ مار میں مصروف اور اپنی

لوٹ کا حلقہ وسیع کرنے میں لگا ہوا تھا۔

پنڈاروں کا سردار کریم خان انگریزوں اور مرہٹوں کے مقابلے میں ایک چھوٹا لیٹرا تھا جس نے بندیل کھنڈ کے علاقے میں گیارہ پرگنوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی ریاست قائم کرلی تھی۔ یہ ریاست کسی حکمران، کسی نواب، کسی مہاراجہ کی بخشش نہیں بلکہ کریم خاں نے اپنے زورِ بازو سے پیدا کی تھی۔ ہندوستان میں دولت، زمین اور اقتدار کی جو لوٹ مچ رہی تھی، کریم خاں بھی اس میں اپنا حصّہ بٹانے کے لیے شریک ہو گیا تھا۔ وہ ذات کا روہیلہ پٹھان، ہمت کا مرد اور قسمت کا دھنی تھا۔ ایک طرف اس نے جسونت راؤ ہلکر کی ریاست اندور پر تاخت کی۔ دوسری جانب مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کی سلطنت گوالیار کے بعض پرگنے اور تعلقے دبالیے۔ دس ہزار پنڈارے ہر وقت اس کی کمان میں رہتے تھے۔ پیادہ سپاہ الگ تھی۔ اپنے دارالریاست میں توپیں ڈھالنے کا ایک کارخانہ بھی قائم کرلیا تھا۔ سپاہیوں کو جدید فنونِ حرب کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ ریاست کی آمدنی تو صرف سولہ لاکھ روپے سالانہ تک محدود تھی لیکن دیگر طالع آزماؤں کی طرح بہت سے اخراجات مہم جوئی اور مار دھاڑ سے پورے ہوتے تھے۔

کریم خاں جوانی میں بڑا وجیہہ، شکیل اور پرکشش رہا تھا۔ شادی بھوپال کے نواب حیات محمد خاں کے گھر میں ہوئی تھی اور اس تعلق سے اس کے وقار میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ پہلے وہ آوارہ گرد پنڈاروں کا ایک سردار تھا، اب ایک شہزادی کا خاوند، ایک ریاست کا مالک، اور ایک خود مختار حکمران کی سی شان و شوکت رکھتا تھا۔ آج تک پنڈاروں کے کسی سردار کو یہ مرتبہ و مقام حاصل نہ ہوا تھا۔

پنڈارے شروع ہی سے مرہٹوں کے دست و بازو بنے رہے۔ انہی کی خاطر لڑتے مرتے اور لوٹ مار میں اپنا حصّہ وصول کرتے تھے لیکن اب وہ اپنے لیے مرنا، اپنے لیے جینا چاہتے تھے۔ کریم خاں کی سرکردگی میں انہوں نے باقاعدہ ایک ریاست کی داغ بیل ڈال دی۔ ریاست چھوٹی تھی لیکن کریم خاں کے حوصلے بڑے تھے۔ اب وہ انگریزوں کے علاوہ مرہٹوں کی آنکھوں میں بھی کانٹا سا بن کر کھٹکنے لگا تھا۔ انہیں

Marfat.com

کریم خاں کے روپ میں دراصل امیر خاں اُبھرتا ہوُا محسوس ہو رہا تھا۔

امیر خاں سنبھل (مراد آباد) کے روہیلہ سرداروں میں سے تھا۔ جب بریلی، مراد آباد اور نجیب آباد تباہ ہوئے اور انگریزوں نے ان پر قبضہ کر لیا تو امیر خاں اپنے پنڈاروں کی فوجیں لے کر مالوے چلا گیا اور جسونت راؤ ہلکر سے مل گیا۔ وہ ایک عرصہ تک کمپنی سرکار کے لیے پیغامِ ہلاکت بنا رہا۔ پنڈاروں میں اس سے بڑا سردار کوئی نہیں تھا جسکے نام سے بڑے بڑے حکمران بھی کانپ جاتے تھے۔ پنڈاروں کو بدنام کرنے کے لیے کمپنی سرکار اُنہیں "ٹھگ" اور "لٹیرے" مشہور کر رہی تھی مگر پنڈارے زیادہ تر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے تباہ شدہ پٹھان، روہیلے اور شریف لوگ تھے جنہیں انگریز نے لُوٹ کر برباد کر دیا۔ اب وہ خود لوٹ مار میں شریک ہو گئے۔ ان میں جاٹ بھیل مرہٹے بھی شامل تھے۔

پنڈاروں کے کچھ حلقے اور بھی تھے جو دریائے نربدا کے مغربی پہاڑوں اور جنگلوں میں پھیلے تھے۔ نربدا اور بندیل کھنڈ کے درمیان سارا علاقہ انہی "چیتوں" کا "جنگل" سمجھا جاتا تھا جہاں کسی "شکاری" کو گھُسنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ مرہٹوں نے ہر دور میں پنڈاروں سے فائدہ اُٹھایا اور اپنی مہموں میں اُنہیں ہمیشہ آگے رکھا تھا لیکن جس طرح مرہٹے خود سندھیا اور ہلکر خاندانوں میں بٹ گئے اسی طرح پنڈارے بھی "سندھیا شاہی" اور "ہلکر شاہی" گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

سندھیا شاہی پنڈاروں میں ہیرن اور بورن دو نامور سردار تھے جنہیں ناگپور کے مرہٹہ راجہ نے تباہ و برباد کیا۔ ہیرن کے دو بیٹوں دوست محمد خاں اور واصل محمد خاں نے اپنے باپ کے پراگندہ ساتھیوں کو پھر اکٹھا کیا اور مالوہ کے جنگلوں میں اپنا شکار ڈھونڈنے لگے۔ بورن کے پنڈاروں کی سرداری کا جھنڈا میاں چیتو نے سنبھالا جو میو قوم کا جاٹ تھا مگر اپنی لیاقت، بہادری اور سپہ گیری سے سردار بن گیا۔ اس کا جتھہ اتنا زبردست اور طاقتور تھا کہ ۱۸۰۵ء کی لڑائی میں مہاراجہ دولت راؤ سندھیا نے کمپنی سرکار کے خلاف چیتو کی مدد حاصل کی پھر اُسے خلعتِ فاخرہ دی، ایک جاگیر بخشی،

Marfat.com

نواب کا لقب دیا اور زری پٹی کے عَلم عطا کیے جو مرہٹوں میں اعلیٰ اختیار اور افتخار کا نشان سمجھے جاتے تھے۔

چیتو نے مہاراجہ سندھیا کا دیا ہوا لقب اپنی مُہر پر کندہ کرایا اور " نواب چیتو" بن کر نمار کی جاگیر پر حکومت کرنے لگا۔ جغرافیائی اعتبار سے نمار پنڈاروں کا ایک محفوظ ترین دارالفرار تھا جو بندھیاچل کے دو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا اور جس کے چاروں طرف وسیع اور گھنے جنگلات کا خطرناک حصار قائم تھا۔

کریم خاں کے بعد نواب چیتو پنڈارہ سرداروں میں سب سے زیادہ اہمیّت رکھتا اور انگریز کا دُشمن سمجھا جاتا تھا لیکن کریم خاں کا رُعب و دَبدبہ ہی کچھ اَور تھا۔ اس کے سُرخ و سفید جسم میں دوڑتے ہوئے پٹھان لہو کی سُرخی نئی خبروں، نئی مہموں، نئی فتوحات کا عنوان بن جانا چاہتی تھیں۔ اس نے بندیل کھنڈ کے جنگلوں میں مختلف ٹکڑیوں کے درمیان بٹے اور بکھرے ہوئے پنڈاروں کو متحد کر کے وسطی ہند میں ایک نئی سلطنت کے قیام کا منصوبہ بنایا مگر جب کمپنی سرکار اور مہاراجہ سندھیا کے کان میں اُس "خطرناک منصوبہ" کی بھنک پڑی، تو اُن کی جبینوں پر قہر و غضب کی شکنیں اُبھر آئیں۔ پنڈاروں کو سب سے زیادہ شکایت مرہٹوں سے تھی جن کے لیے ساری عمر لڑتے مرتے رہے۔ اب وہی اُن کی جان کے دُشمن ہو رہے تھے کریم خاں نے گوالیار کے سرحدی علاقے کو تاخت و تاراج کر کے دراصل اسی شکایت کا اظہار کیا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ دولت راؤ سندھیا اس تاخت کا بدلہ لینے کے لیے بندیل کھنڈ کی طرف کوُچ کرے گا مگر گوالیار کے راج دربار پر ایک پُراسرار خاموشی طاری تھی۔

دربارِ گوالیار کی پُراسرار خاموشی کا طلسم اچانک ایک دھماکے سے ٹوٹا اور مرہٹہ ایلچی پیغام لے کر آیا کہ مہاراجہ دولت راؤ سندھیا نواب کریم خاں سے دوستی کا پیوند کرنے کے لیے بہ نفسِ نفیس تشریف لا رہے ہیں۔ اس پیغام کے ساتھ وہ مرہٹہ مہاراج کی طرف سے کچھ تحفے بھی لے کر آیا جسے وصول کر کے کریم خاں کو محسوس ہونے لگا کہ اس نے مہاراجہ کو جس غلطی کی طرف متوجہ کیا تھا وہ ضرور اس کی سمجھ میں آگئی ہے اور پنڈاروں کو تباہ و برباد کرنے کی بجائے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر اس نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔

عام خیال تو یہ تھا۔ سرحدی تاخت کے جواب میں مدار المہام امباجی یا خود مہاراجہ سندھیا بندیل کھنڈ کی طرف کوچ کرے گا اور مرہٹے پنڈاریوں سے نپٹیں گے مگر صورت حال غیر متوقع طور پر تبدیل ہوگئی تھی اور جنگ کے بدلے دوستی کا پیغام آیا تھا۔ کریم خاں نے ایلچی کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا۔ "اگر مہاراج دوست بن کر آرہے ہیں تو ہم بھی اُن کا شایانِ شان استقبال کریں گے"۔

روہیلہ پٹھان دل کا کھرا اور بہادر آدمی تھا۔ بہادروں کی قدر کرنا بھی جانتا تھا۔ اس نے لومڑیوں کے سے داؤ پیچ سیکھے ہی نہیں تھے۔ مہاراجہ کے لیے بڑے قیمتی تحائف دے کر ایلچی کو رخصت کیا اور دربار سے نکل کر حرم میں داخل ہوا تو بیگم کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ مگر یہاں کچھ اور ہی سامان نظر آئے اور خود بیگم کو ناپا منتظر پایا۔ مسکراتے چہرے اور گونجتی آواز میں بولا۔

بیگم! آج ہم بہت خوش ہیں۔ ہندوستان کے سب سے بڑے حکمران نے ہمیں دوستی کا پیغام بھیجا ہے"۔

کریم خاں کا خیال تھا۔ بھوپال کی شہزادی یہ خبر سنتے ہی خوشی سے کھل اٹھے گی۔ مگر اس نے بڑی سرد مہری سے جواب دیا۔ "ہم جانتے ہیں کہ مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کا ایلچی آیا تھا۔ دربار میں ہونے والی گفتگو بھی سن چکے ہیں"۔

"پھر تو آپ کو خوش ہونا چاہیے تھا۔۔۔۔"

"اگر دولت راؤ سندھیا کی بجائے یہ پیغام جسونت راؤ ہلکر نے بھیجا ہوتا تو ہم یقیناً خوش ہوتے"۔

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے بیگم!"

"شاید ہم سمجھا بھی نہ سکیں"۔

"مگر وہ بات ضرور معلوم کرنا چاہتے ہیں جس نے آپ کو پریشان کر دیا ہے"۔

بھوپال کے شاہی محلات میں پل کر جوان ہونے والی شہزادی حکمرانوں کے سیاسی داؤ پیچ بھی جانتی تھی اور کمزور ریاستوں کی مجبوریاں بھی سمجھتی تھی کہنے لگی۔

Marfat.com

"ہم اس بات پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے کہ آپ ایک دلیر اور بہادر حکمران ہیں اور اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں کہ آپ ہمارے سرتاج ہیں لیکن سیاست اور بہادری میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ آپ بہادر ہیں سیاست دان نہیں۔ دولت راؤ سندھیا صرف سیاستدان ہے، بہادر نہیں۔ آپ کو اس کے پیغام پر اعتماد نہیں کر لینا چاہیئے"۔

نواب کریم خاں متحیر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ "تو آپ کے خیال میں سندھیا ہمیں دھوکا دے رہا ہے؟"

"یقین نہیں شبہ ضرور ہے......"

"شبہ کا کوئی سبب؟"

"دولت راؤ سندھیا کا نام ہی کافی ہے"۔

بے اختیار کریم خاں کا قہقہہ بلند ہوا۔ "وہ یہاں آ کر ہمارے ساتھ کوئی فریب نہیں کھیل سکتا۔ پنڈارے جب اپنی بندوقیں سیدھی کر لیتے ہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ بارود سے پھٹنے والا سینہ کسی سپاہی کا ہے یا مہاراجہ کا"۔

"ہم صرف آپ کو احتیاط کا مشورہ دیتے ہیں۔ کیونکہ بندوق سے نکلی گولی اور لٹی ہوئی عزت واپس نہیں آیا کرتی"۔

ان الفاظ نے کریم خاں جیسے بہادر کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ سینے میں ایک ہلچل برپا تھی خود کو سنبھالنے کے لیے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بڑے دھیمے لہجے میں بولا۔

"ہم مہاراج کا پیغام ملاقات اب بھی مسترد کر سکتے ہیں"

"نہیں ....." بیگم نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بہادر کسی کی ملاقات کا پیغام قبول کر کے مسترد نہیں کیا کرتے۔ یہ بات آداب کے خلاف ہے۔ بس آپ کو کچھ انتظامات کرنے ہوں گے"۔

"کیسے انتظامات؟"

"سب سے پہلے تو ہمیں یہاں سے رخصت کر دیجئے"۔

کریم خاں کے سینے پر جیسے کسی نے گھونسا مار دیا ہو۔ بیگم کی اس احتیاط کا مطلب سمجھ

Marfat.com

گیا تھا۔ اس سے قبل وہ "لٹی ہوئی عزت" کے الفاظ میں ایک خطرے کا اظہار کر چکی تھی تھی۔ اب اپنی "رخصت" کا ذکر چھیڑ کر اس نے واضح کر دیا تھا کہ دولت راؤ سندھیا جیسے بدقماش حکمران پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہ خود ہی وضاحت کرنے لگی۔

"مرہٹہ مہاراج کی آمد پر ہمارا یہاں موجود ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ ہم بھوپال چلے جائیں گے اور اس وقت تک وہیں رہیں گے جب تک سندھیا لوٹ نہیں جاتا۔"

کریم خاں نے خون کا گھونٹ نگل لیا اور بولا "ہمیں منظور ہے۔"

"دوسری بات یہ ہے کہ آپ سندھیا کا استقبال اپنی ریاست میں نہیں بلکہ سرحد پر کریں گے اور وہیں اس سے گفت و شنید ہوگی۔"

"یہ پابندی کیوں؟"

"وہ دوست بن کر آئے یا دشمن بن کر اُسے اپنی ریاست کے راستے اور گھر کے دروازے نہ دکھائیے۔"

کریم خاں بُری طرح چونکا "ہمیں آپ کی یہ بات بہت پسند آئی ہے۔"

"تو پھر اس پر عمل کیجیے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔ ہم سندھیا سے اپنی ریاست کی سرحد پر ملاقات کریں گے۔"

"اب ہمارا آخری مشورہ بھی سُن لیجیے۔ سرحد پر آپ اپنے پورے لشکر کے ساتھ جائیں گے اور اپنی حفاظت سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں رہیں گے۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ چاندبائی کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔"

روہیلہ نواب غصے میں کھڑا ہو گیا۔ "آپ سمجھتی ہیں ہم اتنے بزدل ہیں کہ اپنے لوگوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔"

"ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں۔" شہزادی بھی ساتھ ہی اُٹھی تھی۔ "ہم تو فقط آپ کو احتیاط کی تاکید کر رہے ہیں۔"

احتیاط بزدلی کا دوسرا نام ہے۔"

"آپ کو ہماری بات پر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔"

Marfat.com

"ہم ناراض نہیں"۔ نواب ایک بار پھر سنبھل گیا۔" آپ نے جس خطرے کی طرف توجہ دلائی ہے ہم اسے اچھی طرح سمجھ گئے ہیں"۔

" مگر ہمارا خیال ہے آپ چاند بائی کے سلسلے میں کوئی احتیاط ضروری نہیں سمجھتے اور ہم نے یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ جب چاند بائی آپ کو عزیز ہے تو ہمیں بھی عزیز ہے"۔

" آپ جانتے نہیں ہم اُسے چھوڑ کر جانا بھی چاہیں گے تو نہیں رُکے گی۔ وہ بھی ہماری طرح خطروں سے کھیلنا پسند کرتی ہے"۔

"بس ہمیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے، اب ہماری روانگی کا بندوبست کر دیجیے۔ ہم آج ہی بھوپال روانہ ہو جائیں گے"۔

" اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ بھوپال دُور تو نہیں"۔

" مصلحت یہی کہتی ہے۔ ہمیں آج ہی روانہ ہو جانا چاہیے اور اتفاق بھی ایسا ہُوا ہے کہ اب ہم رُک بھی نہیں سکتے"۔

"کیسا اتفاق؟"

" آج ہی بھوپال سے پیغام آیا ہے کہ ابا حضور کی طبیعت ٹھیک نہیں اُنہوں نے خود ہمیں طلب کیا ہے"۔

نواب کریم خاں یہ خبر سُن کر پریشان نظر آنے لگا۔" مگر ہمیں کسی نے اطلاع نہیں دی کہ نواب حضور بیمار ہیں۔ اب ہم آپ کو نہیں روک سکتے اور آج ہی روانگی کا انتظام کیے دیتے ہیں۔ دولت راؤ سندھیا کی ملاقات کے بعد خود بھی اُن کی عیادت کیلئے بھوپال پہنچ جائیں گے"۔

" ہم آپ کا بے چینی سے انتظار کریں گے"۔

نواب کریم خاں نے اسی وقت خاصہ کے سواروں کو طلب کیا اور اُن کی حفاظت میں بیگم کی پالکی بھوپال کی طرف روانہ کر دی۔

Marfat.com

ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ خبر آئی - مہاراجہ سندھیا اپنے لاؤ لشکر سمیت گوالیار سے روانہ ہو چکا اور نواب کریم خاں سے ملاقات کے لیے بندیل کھنڈ کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے -

نواب کریم خاں مہاراجہ کے لاؤ لشکر کی خبر سن کر چونک گیا لیکن جانتا تھا کہ راجے مہاراجے جب کسی ریاست کے مہمان بنتے ہیں تو لاؤ لشکر بھی ساتھ ہوتا ہے - سادہ دل نواب اسے بھی ایک اعزاز سمجھا کہ مہاراجہ سندھیا کے ساتھ مرہٹہ لشکروں کی دوستی اور میزبانی کا فخر بھی حاصل ہو رہا ہے -

دستۂ خاص کے برق اندازوں کے ہمراہ خود بھی عَلم لہراتا ریاست سے نکلا تاکہ بیگم کے مشورے کے مطابق سرحد پر مہاراجہ کا استقبال کر سکے - نامدار خاں کی قیادت میں سوار اور پیادہ دستے بھی پیچھے پیچھے آرہے تھے - تاکہ مہاراجہ بھی جان لے کہ اس نے کسی معمولی آدمی سے دوستی نہیں کی - دعوت اور مہمان نوازی کا تمام سامان ایک الگ دستہ کی نگرانی میں آگے آگے روانہ کر دیا اور اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ مرہٹہ اور راجپوت مہمانوں کو ان کی پسند کے کھانے مل سکیں -

دولت راؤ سندھیا کی آمد ایک پُرجلال حکمران کی آمد تھی - مغلوں اور انگریزوں کے بعد ہندوستان میں اسی کا سب سے زیادہ دبدبہ تھا مگر نواب کریم خاں روہیلہ کا اندازِ استقبال بھی کسی بلند اقبال حکمران سے کم نہ تھا - اگر مرہٹہ اپنی عظمت و شوکت کے اظہار کی خاطر سیاہ ہاتھی کے ہودے میں بادل کی طرح جھومتا، گرجتا ہوا آیا تو روہیلہ بھی اسپِ تازی پر سوار بجلی کی مانند کوندتا، کڑکتا ہوا آگے بڑھا - مہاراجہ کی آمد بھی عجیب تھی اور استقبال کا نظارہ بھی بڑا دلفریب تھا - نقاروں پر چوٹ پڑی - درجنوں بگل ایک ساتھ پھونکے گئے - بینڈ باجوں کا شور بندھیاچل کی چٹانوں سے ٹکرا کر صدائے بازگشت پیدا کرنے لگا -

Marfat.com

یہ دو حکمرانوں کی دوستانہ ملاقات بھی تھی اور بجلیوں سے بھرے ہوئے دو بادلوں کا ٹکراؤ بھی تھا۔ کریم خاں روہیلہ نے اپنے مسلح پنڈاروں کے علاوہ چتر، علم اور خدم وحشم کے ساتھ جس شان و شوکت سے مرہٹہ حکمران کا خیر مقدم کیا۔ اس سے سندھیا کے ان بدترین اندیشوں کی تصدیق ہو گئی کہ وسطی ہند میں ایک نئی سلطنت کے قیام کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور نواب کریم خاں کے تیور ایک نئے خطرے کا اعلان کر رہے ہیں۔

مہاراجہ سندھیا ہاتھی سے اور کریم خاں گھوڑے سے اترا۔ مرہٹے اور پنڈارے نیزوں تلواروں اور توڑے دار بندوقوں سے مسلح پرے جمائے کھڑے تھے۔ مہمان اور میزبان ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب پہنچے اور طوفان کی دو سرکش موجوں کی مانند بغل گیر ہو گئے۔

دولت راؤ سندھیا اور کریم خاں روہیلہ کے روپ میں یہ دراصل سیواجی مرہٹہ اور افضل خاں کی ملاقات تھی مگر سیواجی کی طرح سندھیا کی آستین میں کوئی خنجر نہیں تھا جسے وہ کریم خاں کی پیٹھ میں گھونپ کر اس ملاقات پر غدن کی مہر لگاتا۔ وہ اپنا منصوبہ آستین میں چھپا کر نہیں دل میں بٹھا کر لایا تھا۔ جس پر چہرے کی سلوٹوں نے ایک اور پردہ ڈال دیا تھا۔ اس نے کریم خاں سے جس دوستی کا اظہار کیا اس کا بھرم بھی قائم رکھنا چاہتا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں اور دوسرے والیانِ ریاست کے خلاف جنگیں لڑتے اور سیاسی داؤ پیچ کھیلتے ایک عرصہ گزر گیا تھا اور زمانہ کے گرم و سرد حالات نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ عقل و دانش کا کمزور سہی مگر زندگی کے تجربات نے اسے کئی سبق دیے تھے اور اپنے چہرے پر شاہی حشمت کا سایہ ڈال لینے کے بعد وہ دوسروں کو ایک پُرجلال حکمران دکھائی دیتا تھا۔ اس نے کریم خاں کو سینے سے لگانے کے بعد ہاتھ ملایا اور محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ میں قوت کی گرمی ہی موجود نہیں بلکہ وہ لوہے کی طرح سخت اور مضبوط بھی ہے۔ شاطر حکمرانوں کا یہی دستور رہا ہے۔ وہ جس ہاتھ کو کاٹ نہیں سکتے اسے چوم لیتے ہیں۔ مہاراجہ نے کریم خاں کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں بھی کوئی اور ہی مضمون نظر آیا اور مسکراتے لہجے میں گویا ہوا۔

"کریم خاں! ہمیں تمہاری فوجی طاقت دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ ہم عنقریب

Marfat.com

کمپنی سرکار کے خلاف جنگ کا اشتہار دینے والے ہیں اور تمہیں اس جنگ میں اپنی طاقت آزمانے کا موقع دیں گے۔"

کریم خاں کا سینہ کچھ اور چوڑا ہو گیا۔ "انگریز ہمارا سانجھا دشمن ہے مہاراج! جب تک وہ ہندوستان میں موجود ہے آپ کو چین سے بیٹھنے دے گا نہ ہمیں۔ اس کے خلاف آپ کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔"

روہیلے کی بڑھتی ہوئی طاقت اور چڑھتے ہوئے تیور کے ساتھ مرہٹے کو اس کا بدلا ہوا لہجہ بھی بڑا ناگوار گزرا۔ پنڈاروں کا معمولی سردار جو خوبیٔ قسمت سے ایک ریاست کا حکمران بن بیٹھا تھا مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کے سامنے بھی حاکمانہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا مگر اس نے اپنی ناگواری کو مسکراہٹ کے غلاف میں لپیٹ لیا اور کہا۔

"کریم خاں! تم بہادر ہو اور بہادری کے ساتھ تمہارے حوصلے بھی بہت بڑھ گئے ہیں۔ ہم تمہارے حوصلوں کی داد دیتے ہیں مگر ان حوصلوں کو چھوٹی چھوٹی جھڑپوں میں ضائع کرنے کی بجائے کسی بڑے معرکے کے لیے محفوظ رکھو۔"

ملاقات کا دیباچہ ختم ہوا تو مہاراجہ نے اپنا سفری دربار آراستہ کیا اور نواب کریم خاں کو حاضری کی اجازت دی۔ روہیلہ اپنے سرداروں اور افسروں کی معیت میں پورے شاہی وقار کے ساتھ حاضر ہوا۔ دربار سندھیا کا تھا لیکن رعب و جلال کریم خاں کا دیکھنے والا تھا۔ دستور کے مطابق بہت سے قیمتی نذرانوں کے علاوہ اس نے سوا لاکھ روپے کی مالیت کا ایک زریں تخت بھی مہاراجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ غالباً اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ اگر سندھیا ہندوستان کا تخت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے کریم خاں سے معاملہ طے کرنا چاہیے۔ مہاراجہ اس اشارے کو سمجھا یا نہیں مگر کریم خاں کے شاہانہ انداز دیکھ کر اتنا ضرور سمجھ گیا کہ منہ زور روہیلہ اپنی چادر سے بڑھ کر پاؤں پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ چاہتا تو یہی تھا کہ بدن سے چادر کھینچ کر اُسے ننگا کر دے یا پاؤں کاٹ دے جو چادر سے باہر نکلے پڑے تھے لیکن فی الحال سیاسی مصلحت کچھ اور تقاضا کر رہی تھی۔ اس نے سونے کے تخت کا نذرانہ انتہائی گرمجوشی سے قبول کیا اور خوش ہو کر بولا "کریم خاں! تم نے

Marfat.com

ہمیں تخت تو پیش کر دیا مگر اس کی حفاظت کے لیے ہمیں تمہارے مضبوط بازوؤں کی بھی ضرورت ہے"۔

"آپ ہمیں ہمیشہ اپنے قریب پائیں گے مہاراج"! کریم خاں بڑے خوبصورت پیرایہ میں دل کی بات زبان پر لایا۔

"مگر ہماری کچھ شرطیں، کچھ درخواستیں ہیں"۔

سندھیا اس کے آخری الفاظ سن کر تڑپ سا گیا اور اپنی حاکمانہ حیثیت کا اظہار کرتے ہوئے بولا "ہم تمہاری تمام درخواستیں سُنے بغیر ہی منظور کرتے ہیں مگر شرطیں تم خود بیان کرو گے۔ آخر معلوم تو ہو تم ہم سے کون سی چیز طلب کرتے ہو"؟

"ہمیں اپنی آزادی اور خود مختاری سے اور کوئی شے عزیز نہیں مہاراج! اور ہم اسی شے کی منظوری چاہتے ہیں"۔

سندھیا کے سال خوردہ ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تیر گئی ۔ اس مسکراہٹ میں مہربانی کی جھلک بھی تھی اور طنز کی کاٹ بھی۔ "کریم خاں! آزادی مانگی نہیں جاتی حاصل کی جاتی ہے۔ تم اسے دوستی کی شرط قرار دیتے ہو تو ہم غور کریں گے۔ اگر تمہاری خواہش ہے تو ہمیں یہ خواہش بے حد عزیز ہے"۔

سندھیا کے الفاظ سیاست کے گورکھ دھندے کی طرح بڑے پیچیدہ تھے جن کے کتنے ہی معنی نکلتے تھے۔ مرہٹے اور راجپوت سردار ان الفاظ کا مطلب خوب سمجھتے تھے مگر نیت کا صاف روہیلہ آزادی کا مطلب صرف آزادی قرار دیتا تھا۔ وہ مہاراجہ کے اس بیان پر بے حد خوش تھا کہ اسے "آزادی کی خواہش" عزیز ہے پھر بھی اس نے وضاحت ضروری سمجھی۔

"آزادی ہماری خواہش بھی ہے اور دوستی کی شرط بھی کیونکہ دوستی دو برابر کے آدمیوں میں ہوتی ہے۔ آقا اور غلام کے درمیان نہیں"۔

سندھیا نے بات بگڑتی دیکھی تو فوراً جواب دیا۔ "اس کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم گوالیار جاتے ہی تمہاری آزادی کی سند روانہ کر دیں گے"۔

مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کی طرف سے پنڈاروں کی آزادی کا اعتراف ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس اعزاز کے بوجھ سے روہیلے نواب کی گردن میں ذرا سا خم پیدا ہوا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا "آپ نے ہماری عزت افزائی کی اور ہماری دوستی کا ہاتھ تھام لیا ہے"۔

"ہم یقین دلاتے ہیں کریم خاں! تمہارے داخلی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی مگر اس کے عوض تمہیں بھی کچھ عہد و پیمان کرنے ہوں گے"۔

"کیسے عہد و پیمان؟"

"تم کمپنی سرکار کے خلاف ہر لڑائی میں ہمارا ساتھ دو گے"۔

دولت راؤ سندھیا جانتا تھا کریم خاں انگریز کا دشمن ہے اور کمپنی سرکار کے خلاف جنگل کے بھیڑیوں سے بھی سمجھوتہ کر سکتا ہے۔ اس کی توقع کے عین مطابق کمپنی سرکار کا نام سنتے ہی روہیلے نواب کی نبضوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی اور جذبات انگیز لہجے میں بولا۔

"مہاراج! ہماری ریاست کے کارخانے میں توپیں صرف اس لیے ڈھالی جاتی ہیں کہ ہم کمپنی سرکار کا شکار کھیلیں۔ آپ جب ہمیں شکار کی دعوت دیں گے ہمیں میدانِ جنگ میں موجود پائیں گے۔ اس کے لیے اگر کسی عہدنامے کی ضرورت ہے تو اس کی تحریر ہم اپنے خون سے لکھ دیتے ہیں"۔

"مردوں کی زبان خون کی تحریروں سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ ہمیں تمہارے قول پر اعتبار ہے"۔

غالباً سندھیا کسی تحریری معاہدہ سے اس لیے بچنا چاہتا تھا کہ اس صورت میں اُسے کریم خاں کے پنڈاروں کی آزادی کا معاہدہ بھی معرضِ تحریر میں لانا پڑتا۔ اس کے نزدیک انگریز کے خلاف زبانی عہد و پیمان ہی کافی تھے۔ اس طویل ملاقات کے بعد اُس نے روہیلے نواب کو دلفریب وعدوں کے ساتھ کچھ قیمتی تحائف دے کر رخصت کر دیا۔

کریم خاں مرہٹہ مہاراجہ سے نکلا تو بے حد خوش تھا۔ اپنی خیمہ گاہ میں واپس

Marfat.com

آتے ہی اس نے بیگم کے نام خط لکھا اور ایک تیز رفتار قاصد بھوپال کی طرف دوڑا دیا اس نے شہزادی کو اطلاع دی تھی کہ ریاست کی آزادی کو تسلیم کر کے مہاراجہ سندھیا نے ہمارے ساتھ دوستی کے عہد و پیمان کر لیے ہیں ۔ اب ہم مرہٹوں کے خدمت گزار نہیں، ان کے دوست ہیں ۔

کریم خاں کی ریاست بھوپال کے جنگلوں سے دور نہ تھی ۔ اس کے پنڈاروں میں اگرچہ بھیل، بندیل، جاٹ سبھی شامل تھے لیکن غالب تعداد روہیلے پٹھانوں کی تھی جو روہیل کھنڈ پر انگریزوں کے تسلط کے بعد وسطی ہند کی طرف نکل آئے اور کریم خاں کی سرکار میں ملازم ہوگئے تھے ۔ یہ چھوٹی سی پنڈار ریاست انہی کی معرکہ آرائیوں اور ترکتازیوں سے معرض وجود میں آئی تھی ۔ ان لوگوں کو مختلف معرکے مارتے عرصہ ہوگیا تھا اور ریاست کے باقاعدہ قیام کے ساتھ ہی حکمرانی کے انداز بھی سیکھ لیے تھے ۔

نواب کریم خاں نے میزبان حکمرانوں کے دستور کے مطابق مہاراجہ سندھیا کی خدمت میں کنیزوں اور باندیوں کا نذرانہ بھی پیش کیا تھا ۔ ان میں کچھ کنیزیں پڑھی لکھی تھیں جو شاہی آداب کی بجا آوری کے ساتھ راج محلوں میں خدمت گزاری کا سلیقہ بھی جانتی تھیں ۔ ان میں سب سے زیادہ ہوشیار بندیل کھنڈ کی گیتی تھی جو بھوپال کے شاہی محلات میں بھی خدمت سرانجام دے چکی تھی ۔ چند ایسی کنیزیں بھی پیش کی گئیں جو حسن و جمال کے ساتھ رقص و موسیقی میں بھی شہرت رکھتی تھیں ۔ کیونکہ کریم خاں سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ دولت راؤ سندھیا ایک رنگین مزاج اور خوشامد پسند حکمران ہے ۔ لہٰذا نواب نے اس کی دل بستگی کا پورا خیال رکھا تھا ۔

مہاراجہ سندھیا اور نواب کریم خاں میں دوستانہ ملاقات کے بعد دونوں لشکروں

Marfat.com

میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور خوشی کی محفلیں منعقد ہونے لگی تھیں۔

وہ تمام باندیاں اور کنیزیں جو مرہٹہ مہاراج کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ دربار میں قبول ہوئیں۔ خدمت گزار باندیاں تو مرہٹہ اور راجپوت سرداروں میں تقسیم کر دی گئیں مگر گیتی کے ساتھ پڑھی لکھی کنیزیں مہاراجہ کے لیے وقف کر دی گئیں۔ البتہ رقص و موسیقی کے جادو جگانے والی حسین و ماہ رُخ کنیزوں کے لیے حکم ہُوا تھا کہ شام کو ناچ گانے کی محفل آراستہ ہوگی تو مہاراج خود ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔

امبا جی نے بڑی ہوشیاری سے پچاس ناچنے گانے والیوں سے صرف پندرہ مہ جبینوں کا انتخاب کیا کہ بس مہاراج انہی کے رقص و نغمہ سے شاد کام ہوں گے۔

ابھی شام نے اپنی زلفیں نہیں کھولی تھیں کہ کنیزوں کی زلفیں کھل گئیں۔ پاؤں میں گھنگھرو بجنے لگے۔ ہونٹوں پر نغمے مچلنے لگے۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا کہ پندرہ حسین لڑکیاں ایک ہی سُرتال پر ناچ رہی تھیں۔ ایک ہی لے میں نغمہ سرا تھیں اور آواز کی ہم آہنگی کے ساتھ اُن کے بدن کی ہر جنبش بھی یکساں تھی۔ مہاراجہ سندھیا رقص و نغمہ کے اس انداز سے بے حد محظوظ ہُوا۔ اگر ملاقات کے دوران کریم خاں سے کوئی "غلطی" سرزد ہو گئی تھی تو مرہٹہ حکمران نے اس نذرانۂ حسن پر وہ بھی معاف کر دی اور مسکرا کر بولا۔

"ہم یہ ساری کنیزیں اپنے دربار کے لیے قبول کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہ تھا بندیل کھنڈ کے جنگلوں میں کلا کے ایسے سندر پھول بھی کھلتے ہیں"۔

مرہٹہ سردار شودیشپ راؤ نے کہا۔ "بے شک نواب کریم خاں نے جنگل کے پھول تو مہاراج کی خدمت میں بھیج دیئے مگر بندیل کھنڈ کے آکاش کا چاند اپنے خیموں میں چھپا رکھا ہے"۔

"بندیل کھنڈ کے آکاش کا چاند"۔ حسن پرست سندھیا نے چونک کر شودیشپ راؤ کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مہاراج! یہ کنیزیں جنگل کے پھول ہیں یا جھیل کے کنول مگر نواب کے پاس بندیل کھنڈ کا ایک چاند بھی ہے اور ہم لوگ یہی سمجھتے تھے کہ نواب اس موقعہ پر وہ چاند حضور کے چرنوں میں پیش کرے گا"۔

Marfat.com

شو دیشپ راؤ کی بات سُن کر بوالہوس سندھیا نے گردن موڑ کر اپنے مدارالمہام کی طرف دیکھا اور پوچھا "کیوں امباجی! کریم خان نے ہم سے کوئی دھوکا کیا ہے؟"

"شو دیشپ راؤ نے غلط نہیں کہا مہاراج!" لومڑی کی طرح چالاک امباجی نے فوراً پینترا بدلا۔ "نواب کے پاس ایک بہت ہی سُندر ترکی ہے۔ لوگ اسے بندیل کھنڈ کا چاند کہتے ہیں"۔

یہ بات سُنتے ہی مہاراجہ کا مزاج یک لخت بگڑ گیا۔ اُس نے رقص و نغمہ بند کرنے اور کنیزوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ فوراً عیش و نشاط کا رنگ بگڑ گیا اور سندھیا گرج کر بولا "بندیل کھنڈ کے چاند کو چھوڑ کر ہم جنگل کے پھول قبول نہیں کر سکتے۔ امباجی! تم اس ترکی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

مہاراج! سُنا ہے خوبصورتی میں اس کا جواب نہیں۔ ناچ گانے میں اندر کی اپسراؤں کو شرماتی ہے۔ دیکھنے میں آکاش کا چاند ہے۔ نام بھی چاند بائی ہے۔ نواب اُسے جان سے عزیز رکھتا ہے"۔

امبا نے تعریف کر کے مہاراجہ کے دِل میں بھڑکتی ہوئی آتشِ شوق پر الفاظ کا تیل ڈال دیا اور دولت راؤ سندھیا حیرت پاش نظروں سے راج منتری کو دیکھنے لگا۔ "اتنی سُندر ہے وہ؟"

"کیا عرض کروں۔ کریم خاں اس کی ایک ادا پر پورا ہندوستان قربان کر سکتا ہے"۔

"پورا ہندوستان؟" مہاراجہ سندھیا تڑپ اُٹھا۔ "کیا گوالیار بھی؟"

"گوالیار ہندوستان سے باہر تو نہیں مہاراج!"

"پھر تو کریم خاں نے واقعی ہمیں دھوکا دیا ہے"۔ سندھیا مسند چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی سب اُمرائے حاضر باش نے بھی اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ مہاراجہ غصّے میں بولا۔ "کریم خاں دوستی ہم سے اور گوالیار سمیت پورا ہندوستان چاند بائی پر قربان کر دینا چاہتا ہے۔ یہ تو ہمارے ساتھ انیائے ہے۔ امباجی! تم اسی وقت نواب کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو، وہ ہماری خاطر چاند بائی کو چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؛ ہم اس کی دوستی

کے ثبوت میں بندیل کھنڈ کا چاند طلب کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر دولت راؤ سندھیا شراب کے نشے میں لڑکھڑاتا اور جوش و غصہ میں تھر تھر خیمۂ دربار سے نکل گیا اور راماجی کھڑا سوچنے لگا اگر روہیلے نواب نے چاند بائی کو پیش کرنے سے انکار کر دیا تو کیا ہو گا؟"

چاند بائی علی گڑھ کی طوائف زادی تھی۔ ۱۸۰۲ء میں جب روہیل کھنڈ پر انگریزی قبضہ ہوا اور روہیلوں کی صدیوں پرانی بساط الٹ گیا تو سینکڑوں خاندان عزت و ناموس بچا کر بھاگ گئے۔ اس دور میں یہی ایک دولت ایسی رہ گئی تھی جس کی حفاظت کے لیے بیسیوں لوگ کٹ مرے۔ چاند کی ماں کو بھی اس قیامت میں علی گڑھ چھوڑنا پڑا۔

طوائف کی کیا عزت، کیا ناموس۔ اس کے لیے مغل، روہیلے، مرہٹے، انگریز سب برابر تھے۔ وہ تو ایک بکاؤ مال ہے جس نے دام لگائے خرید لیا۔ ایک جام شراب ہے، جس نے ہاتھ بڑھایا، اٹھا لیا۔ مگر علی گڑھ کی بعض طوائفیں بازار میں نیلام نہ ہوتی تھیں۔ ان کے نصیب تو کسی سردار کی حویلی، کسی نواب کے محل، کسی راجہ مہاراجہ کے رنواس میں جا گتے تھے۔ چاند کی ماں بھی ایک ایسی ہی طوائف تھی مگر اس دورِ پر آشوب میں اس پر ایک پنڈارے سردار کو پناہ دینے کا الزام تھا جس نے تنہا کئی انگریز قتل کیے تھے۔ پنڈارہ سردار تو صرف ایک رات گزار کر منہ اندھیرے ہی نکل گیا تھا لیکن کسی بدخواہ نے مخبری کر دی جس کی وجہ سے ماں بیٹی کو بڑی بے سروسامانی کی حالت میں علیگڑھ سے بھاگنا پڑا کیونکہ انگریز کسی ایسے گھر کو معاف نہ کرتے تھے جہاں ان کے دشمن نے پناہ لی ہو۔ ایک قافلہ بندھیاچل کی طرف جا رہا تھا۔ ماں بیٹی اس میں شریک ہو گئیں۔

چاند پر نکلتی جوانی کا موسم تھا۔ سولہ سترہ برس کا سن ہو گا شباب کی ہوا غنچوں کی

Marfat.com

بند کھڑکیوں پر دستک دے رہی تھی کہ پٹ کھول دو۔ عارضوں پر دُودھ ملی شراب کا رنگ تھا۔ گردن صراحی کی طرح سلیقے میں ڈھلی ہوئی، آنکھیں مستی بھرے کٹورے۔ گلے میں آواز کا جادو۔ پاؤں میں رقص کے بھاؤ۔ گاتی تو شعلے سے لپکتے۔ ناچتی تو دھنک کے رنگ بکھر جاتے اور زلفیں اُڑتیں تو دیکھنے والوں کے دِل اُڑتے تھے۔ زمانے کی گردش اس قیامت کو نواب کریم خاں کی سرکار میں لے آئی۔

مجرا ہوا۔ چاند بائی کے ساتھ اس کی قسمت کے ستارے بھی ناچے اور حکم ہوا کہ اب یہ چاند اسی آسمان پر چمکے گا۔

ماں نے زمانے کی ٹھوکریں کھائی تھیں۔ بیٹی کا ہاتھ پکڑا اور اسی سرکار سے وابستہ ہو گئی۔ ریاست چھوٹی تھی مگر روہیلے نواب کا دِل بڑا تھا۔ صرف تین چار سال کے عرصے میں چاند کی جوانی قیامت کے کئی ورق اُلٹ گئی۔

مرہٹوں سے دوستی کی خوشی میں پنڈاروں کے خیموں میں بھی راگ رنگ کی محفلیں جمی تھیں نواب کریم خاں پنڈارہ سرداروں کی بھیڑ سے فارغ ہوا تو بعض مصاحبوں نے ناچ گانے کی فرمائش کی لیکن نجانے کیوں آج اُس کا دِل رقص و نغمہ کے لیے آمادہ نہ تھا۔ اپنے خیمے میں داخل ہوا تو نامدار خاں کے ساتھ شطرنج کی بازی لے بیٹھا۔

ڈھلتی شام تک کئی چالیں ہو گئیں اور نقشہ کچھ ایسا بن گیا تھا کہ کریم خاں کے "شاہ" کو کشت پڑ رہی تھی اور ایک ہی چال میں بازی مات تھی۔ نواب بساط کے نقشے پر نظریں جمائے سوچ رہا تھا، کون سی چال نکالے کہ کشت بھی بچے اور نامدار خاں کی بازی بھی اُلٹ دے مگر کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آرہی تھی۔ نواب کا وفادار خادم صفدر بھی

Marfat.com

آتے جاتے کئی بار نقشے پر نظر ڈال گیا لیکن شاید کوئی چال اب ایسی رہ ہی نہیں گئی تھی جو بازی کو الٹ سکتی۔ اسی سوچ بچار میں وقت گزر رہا تھا کہ اچانک چوبدار نے مرہٹہ مدارالمہام امباجی کے آنے کی اطلاع دی۔

کریم خاں کو اس کی بے وقت آمد کا مقصد سمجھ میں نہ آیا۔ پھر بھی بازی چھوڑ کر نامدار خاں کے ساتھ باہر نکلا اور امباجی کا استقبال کر کے خیمے کے اندر لایا۔ مرہٹہ سلطنت کا وزیر اعظم جب نواب کے قریب مسند پر بیٹھا اور بساط کے نقشے پر نظر پڑی تو حیران سا ہو کر بولا۔

"نواب صاحب! میں نے سنا تھا آپ بہت اچھے شاطر ہیں مگر یہاں تو نقشہ ہی کچھ اور ہے۔ آپ کا 'شاہ' پٹ رہا ہے"۔

نواب نے شطرنج کی بازی کو نظر انداز کر کے امباجی کے چہرے پر بچھی ہوئی بساط کو دیکھا اور آمد کا مقصد پوچھا۔ امباجی نے ایک ہوشیار کھلاڑی کی طرح بات کا مہرہ اٹھا کر ایک ایسے خانے میں رکھ دیا کہ یہاں بھی 'شاہ مات' کا نقشہ بن گیا۔ "کریم خاں! آپ نے جو کنیزیں مہاراج کی خدمت میں بھیجی تھیں اُن کا مجرا تک قبول نہیں ہوا"۔

نواب حیران و ششدر رہ گیا۔ 'وہ کنیزیں تو علم و فن، رقص و موسیقی اور حسن و جمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں'۔

'مہاراج کا خیال ہے وہ صرف جنگلی پھول ہیں'۔

"جنگلی پھول تو خوشنما ہوتے ہیں امباجی!"

'مگر مہاراج آکاش کا کوئی چاند طلب کرتے ہیں'۔

نواب نے چونک کر دیکھا۔ "مگر ہم مہاراج کے لیے آکاش کا چاند کیسے توڑ لائیں"؛

مرہٹہ مدارالمہام نے بڑی ہوشیاری بڑی مکاری سے بات کا مہرہ آگے بڑھایا۔ "معلوم نہیں کس نے اُن کے کان میں چاند بائی کا نام پھونک دیا ہے، کسی پل چین نہیں۔ کہتے ہیں کریم خاں نے دل سے ہماری آؤ بھگت نہیں کی"۔

'مگر ہم نے تو مہاراج کے استقبال اور خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ....'

Marfat.com

"وہ تو سب درست ہے اور مَیں مہاراج کو آپ کے خلوص کا یقین بھی دلا چکا ہوں مگر فرماتے ہیں۔ اگر کریم خاص مخلص ہے تو چاند بائی کو ہم سے کیوں چھپا لیا۔"

یہ الفاظ نواب کے دِل پر بجلی بن کر گرے۔ آنکھوں کے سامنے دھوآں سا اُٹھنے لگا بشش و پنج میں پڑ گیا اور افسردہ سے لہجے میں بولا۔ "شاید مہاراج نہیں جانتے چاند بائی ہمارے دِل کی دھڑکن بن چکی ہے"۔

"مہاراج اِتنا ضرور جانتے ہیں کہ بادشاہوں اور مہاراجوں کی آمد پر میزبان وفاداری کے ثبوت میں اپنے دِل کی دھڑکنیں ہی پیش کیا کرتے ہیں"۔

روہیلہ نواب "وفاداری" کے لفظ پر تلملا کر رہ گیا مگر خون کی گرمی کو دبا کر کہنے لگا۔

"اماجی! یہ بات بڑھانے کی نہیں سمیٹنے کی ہے۔"

"آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"روہیلے دِل کی دھڑکنوں کو دِل سے جُدا نہیں کیا کرتے۔"

"مگر چاند بائی آپ کی بیگم نہیں صِرف داشتہ ہے۔ گھر کی عزت نہیں محض آرائش ہے۔ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد مَیں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"ہماری طرف سے مہاراج کی خدمت میں کوئی عذر پیش کر دو۔"

"وہ ناراض ہو جائیں گے۔"

"انہیں رام کرو۔"

"وہ مانیں گے نہیں۔"

"کوئی اور صورت نکالو۔"

"یہ شطرنج کی بازی نہیں کریم خاں! حُسن کا کھیل ہے۔ چال بہت ٹیڑھی ہے۔ بچنے کی صِرف ایک ہی صورت ہے کہ مہاراج کا کہا پُورا کر دیا جائے۔"

"اگر ہم چاند کو تمہارے ساتھ نہ بھیج سکیں تو۔۔۔؟"

"مہاراج بگڑ جائیں گے اور مہاراج بگڑ گئے تو بہت کچھ بگڑ جائے گا۔" اماجی کا

Marfat.com

لہجہ نرم تھا مگر بات بہت گرم کہہ دی تھی۔ اس نے نواب کو سمجھانے کی کوشش کی "اس وقت آپ چاند کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ شاید وہاں پہنچ کر واپسی کی کوئی صورت نکل آئے۔ اگر میں آپ کے خیموں سے خالی ہاتھ گیا تو اچھا نہ ہوگا"۔

یہ ایک طلب تھی جو حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ ایک درخواست تھی جسے ٹھکرا دینے کی صورت میں بہت کچھ بدل سکتا تھا۔ ایک دھمکی تھی جس کے پیچھے مرہٹہ لشکروں کی طاقت بول رہی تھی اور نواب کریم خاں مات کے نقشے پر کھڑا سوچ رہا تھا کیا جواب دے کیا عذر پیش کرے۔ کیا تدبیر کرے کہ معاملہ سمیٹ لیا جائے۔ چاند بائی صرف داشتہ نہیں اس کی محبوبہ تھی، اُسے دیکھ کر جیتی تھی۔ طوائف زادی تھی تو کیا ہوا، اپنے دامن میں وفا کا جوہر باندھ کر آئی تھی اور یہی "زہرِ عشق" کریم خان کے کلیجے کو اندر ہی اندر کاٹ رہا تھا، کہ اُسے مصلحت کی بھینٹ کیسے چڑھا دے۔ وقت کا تقاضا انکار کا حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ دِل اقرار پر راضی نہ تھا۔ اس کا ذہن "نہیں" اور "ہاں" کے درمیان ایک ویران سے خلا میں لٹک کر رہ گیا۔

امباجی کا مطالبہ کچھ اور تھا۔ کریم خاں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ بھلا یہ ناشنُنی خبر سُنکر چاند زندہ کس طرح رہ سکے گی کہ وہ مہاراجہ سندھیا کی خدمت میں بطورِ تحفہ پیش کی جا رہی ہے۔ خبر سُنتے ہی غش کھا کر گر پڑے گی۔ اب اُسے بیگم کی نصیحت یاد آئی جس نے چاند بائی کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا۔ سخت پریشان ہو گیا۔

اسی پریشانی کے عالم میں نواب نے ایک بار پھر سامنے بچھی ہوئی بساط کے نقشے کو دیکھا۔ اُدھر بھی بازی ایک ہی چال میں مات ہونے والی تھی اور ادھر بھی صرف "ہاں" یا "نہیں" پر محبت کے کھیل کا انحصار ہے۔ وہ کرے تو کیا، جواب دے تو کیا؛ گھبرا کر اُس نے فیصلہ قسمت پر چھوڑ دیا کہ دیکھیں وہ کیا چال نکالتی ہے اور ساتھ ہی اس کے ذہن میں عجیب سی ترکیب آئی۔ مرہٹہ دارالمہام سے مخاطب ہو کر بولا۔

"امباجی! ہمیں مہاراج کے حکم سے انکار نہیں لیکن چاند بائی نے جانے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟"

Marfat.com

مرہٹہ جیت کے نقشے پر بیٹھا تھا۔ طنز آلود ہنسی کے ساتھ جواب دیا ”ایک طوائف زادی ہندوستان کے سب سے بڑے مہاراج کے پاس جانے سے انکار کر دے گی۔ یہ بات میری سمجھ سے بہت اونچی ہے“۔

”چاند طوائف زادی ضرور ہے مگر خود طوائف نہیں۔ وہ ہم سے محبت کرتی ہے اور محبت میں انہونی باتیں ہو جاتی ہیں“۔

امبا جی نے بڑے غور سے نواب کے چہرے کو دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگا۔ ”وقت محبت کی داستانوں کو بہت پیچھے چھوڑ آیا ہے کریم خاں! پھر بھی میں وعدہ کرتا ہوں اگر چاند بائی نے جانے سے انکار کر دیا تو خالی ہاتھ لوٹ جاؤں گا اور آپ کو اس کے روکنے کا اختیار ہو گا۔ میں مہاراج کو سمجھانے کی کوشش کروں گا“۔

”ہمیں یہ شرط منظور ہے“۔ نواب مطمئن نظر آنے لگا۔ قسمت نے اس کی ہرتی ہوئی بازی کو سنبھال لیا تھا۔

”مگر میری شرط یہ ہے۔ آپ چاند بائی کو انکار پر مجبور نہیں کریں گے“۔

”ہرگز نہیں کریں گے، یہ ہم وعدہ کرتے ہیں“۔ پھر نواب نے صفدر کو آواز دی۔ صفدر خاں اگرچہ دروازے کے باہر کھڑا تھا لیکن اس نے نواب اور مرہٹہ المہام کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن لیا تھا۔ انجان سا بن کر بولا۔

”کیا حکم ہے سرکار!“

”چاند بائی کو جا کر بلا لاؤ“۔

”کچھ کہنا بھی ہے سرکار!“

”کچھ نہیں کہنا۔ یہ بتاؤ کہ ہم نے طلب کیا ہے؟“

صفدر خاں کورنش ادا کرتا ہوا الٹے قدموں پلٹا اور خیمے سے نکل گیا۔

Marfat.com

چاند بائی اپنے خیمے میں ہار سنگھار کیے بیٹھی تھی۔ آج خوشی کی رات تھی۔ مرہٹوں اور پنڈاروں کے درمیان دوستی کے عہد و پیمان ہوئے تھے۔ اس کا خیال تھا۔ اس خوشی میں نواب صاحب اسے بھی حاضری کے لیے بلائیں گے، خلوت کا موقع ملے گا مگر جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی کہ حاضری کا بلاوا کیوں نہیں آیا کہیں نواب حضور اسے بھول تو نہیں گئے لیکن چاند بائی بھولنے والی چیز تھی کہاں۔ اچانک خیمے کا پردہ اٹھا اور صفدر خاں کی شکل نظر آئی۔ اسے دیکھتے ہی خوش ہو گئی اور بولی "صفدر خاں! آپ نے بہت دیر کر دی۔"

"وہاں نقشہ ہی بگڑ گیا ہے چاند بائی!"

"کیا نواب حضور ہم سے ناراض ہیں؟"

"نہیں۔ مہاراجہ سندھیا کا پیغام آیا ہے۔"

"کیسا پیغام؟"

"مہاراجہ نے آپ کا مطالبہ کیا ہے۔"

یہ خبر چاند بائی پر بجلی بن کر گری، دم بخود رہ گئی۔ ہوش سنبھلے تو پوچھا "مگر نواب حضور نے کیا جواب دیا ہے؟"

"وہ سخت پریشان ہیں۔ مرہٹہ راج منتری امباجی نے انہیں دھمکی دی ہے اگر مہاراجہ کا کہا پورا نہ کیا گیا تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ مہاراجہ کو اپنے لشکروں کی طاقت پر گھمنڈ ہے۔ وہ ایک ہی حملے میں پنڈاروں کی اس چھوٹی سی ریاست کو نیست و نابود کر سکتے ہیں نواب حضور سے ان کا جاہ و مرتبہ چھین سکتے ہیں۔ اُن کے ایک ہی حملے میں سب کچھ خاک میں مل سکتا ہے کیونکہ کوئی مرہٹوں کو روکنے والا نہیں ....."

چاند بائی نے اس کی بات کاٹ دی "صفدر خاں! صرف یہ بتاؤ نواب صاحب

Marfat.com

نے کیا کہا ہے ؟"

گفتگو سن کر چاند بائی کی ماں بھی قریب آ گئی تھی ۔ صفدر خاں نے جواب دیا۔

"حضور نواب نے معاملہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے"۔

"میری مرضی پر......" چاند بائی حیران رہ گئی ۔" اور خود کچھ نہیں کہا ؟"

"فیصلہ اسی بات پر ہوا ہے کہ اگر آپ جانے سے انکار کر دیں گی تو نواب صاحب کو آپ کے روکنے کا اختیار ہوگا اور مرہٹہ دارالمہام خالی ہاتھ لوٹ جائے گا۔"

چاند بائی سوچ میں پڑ گئی اور اس کی ماں مسکرا کر کہنے لگی ۔" جب فیصلہ تیری مرضی پر ہوگا تو گھبراہٹ کیسی ۔ جا کر انکار کر دے"۔

"بات بہت ٹیڑھی ہے ماں ! تو نہیں سمجھے گی ۔" چاند بائی جیسے کوئی خواب دیکھ رہی تھی ۔" جب دو حکمرانوں کے درمیان ایک عورت کی ذات حائل ہو جاتی ہے تو بہت سے معاملے بگڑ جاتے ہیں"۔ پھر وہ صفدر خاں سے مخاطب ہو کر بولی ۔" چلو صفدر خاں ! اگر بات مجھ پر چھوڑ دی گئی ہے تو میں ہی فیصلہ کروں گی"۔

ادھر نواب کریم خاں کے سامنے بساط بچھی تھی اور نقشہ اگرچہ اب بھی وہی تھا جو پہلے تھا لیکن نواب کی سب پریشانی دور ہو چکی اور چال بدل گئی تھی ۔ قسمت اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے آئی تھی جہاں امباجی اسے مات نہ دے سکتا تھا کیونکہ چاند بائی کی روانگی اب اس کی اپنی مرضی پر منحصر تھی اور کریم خاں جانتا تھا وہ صاف انکار کر دے گی ۔

چاند بائی نے حاضری میں دیر نہیں لگائی ۔ صفدر خاں کی آواز کے ساتھ ہی جس نے

Marfat.com

اس کی آمد کی اطلاع دی تھی ۔سب لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے ۔ چاند بائی خیمے میں داخل ہوئی تو اس کے پاؤں کی انگلیوں میں چاندی کے بچھوے کی سُریلی چھنک جادو سا بن کر تیر گئی ۔ یہ آواز دِلوں کو گھائل کر دینے کے لیے کافی تھی ۔ جب اس نے آگے بڑھ کر نواب کو مجرا پیش کیا تو امباجی کو دیکھ کر ٹھٹکی مگر قندیلوں کی روشنی میں اس کی سج دھج دیکھ کر مرہٹہ دارالمہام اپنے ہوش بھول گیا ۔

چاند بائی نواب کے سامنے صورتِ تصویر کھڑی تھی اور امباجی اس چاند کے ٹکڑے کو دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گیا تھا ۔بیس اکیس سال کی بھرپور جوانی حُسن و جمال کا پیکر، سر سے پاؤں تک کہیں بھی تو نظر ٹھہرتی نہ تھی ۔ سوچنے لگا ۔اگر اسی قیامت کا نام چاند بائی ہے تو نواب کا تڑپنا بالکل بجا ہے ۔ایسی مورتوں پر حکمران سلطنتیں ہار دیا کرتے ہیں مگر یہ چاند تو گوالیار کے آسمان پر چمکنا چاہیے ۔امباجی نے کچھ اور بھی سوچا کہ اگر یہ چاند ہاتھ لگے تو گوالیار کے راج محلوں میں بیجا بائی کا ستارہ ماند پڑ جائے جو آج بھی مرہٹہ سرداروں کو خاطر میں نہیں لاتی ۔

ادھر نواب کریم خاں چپ بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اظہارِ طلب کی زبان کہاں سے لائے اور چاند کو کس منہ سے بتائے کہ اس کی حاضری کا مقصد کیا ہے ؟

چند لمحوں کی اضطراب انگیز خاموشی کے بعد چاند بائی نے خود ہی پوچھ لیا ۔" سرکار نے مجھے طلب کیا ہے ؟"

امباجی کو یوں لگا کسی ستار نے نغمہ سرائی کی ہے ۔سریلی آواز میں بھی ایک جادو تھا اور یہی جادو کریم خاں کے دل کو گھائل کر گیا ۔بے چینی سے پہلو بدل کر بولا ۔

" چاند بائی !امباجی تمہیں لینے آئے ہیں ۔"

انجان سی بن کر کہنے لگی ۔" امباجی لینے آئے ہیں ..... وہ کس لیے ؟"

نواب نے کسی قدر جراءت کا مظاہرہ کیا اور بتایا ۔" مہاراج دولت راؤ سندھیا تمہارا نام سن کر آرام کھو بیٹھے ہیں ۔ہمارا خیال ہے تمہیں دیکھیں گے تو اپنے ہوش و حواس بھی کھو دیں گے ۔"

Marfat.com

"مَیں سرکار کا مطلب نہیں سمجھی۔ کچھ وضاحت چاہتی ہوں"۔
"سمجھنے کی کوشش کرو چاند! مہاراج چاہتے ہیں، تمہیں اُن کے سپرد کر دیا جائے"۔
"مگر حضور کیا چاہتے ہیں؟"
"ہم نے فیصلہ تمہاری مرضی پر چھوڑ دیا ہے"۔
"زہے نصیب ......" چاند بائی کے ہونٹ تھرتھرائے۔ دوسرے ہی لمحے نواب کریم خاں سے آنکھ چرائی اور مرہٹہ مدارالمہام سے مخاطب ہوئی۔ "اماجی! اگر مہاراج نے طلب کیا ہے تو مجھے حاضری سے انکار نہیں لیکن میری ایک شرط ہوگی"۔
اماجی فرطِ مسرت سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کریم خاں کو شہ مات دے کر بازی جیت لی تھی۔ بولا "چاند بائی! تمہاری شرط سُنے بغیر منظور ہے"۔
نواب یوں تڑپا جیسے کسی نے سینے پہ بندوق داغ دی ہو۔ "چاند! یہ تم کیا کر رہی ہو"۔
مرہٹہ ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ "بس، نواب صاحب! اپنے وعدے پر قائم رہیے اب اگر آپ نے چاند کو روکنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا"۔
چاند بائی نے اس کی طرف دیکھا۔ "اماجی! پالکی منگوائیے مَیں تیار ہوں"۔
"پالکی اور کہار ساتھ لے کر آیا ہوں"۔
نواب کریم خاں جو سمجھتا تھا کہ چاند بائی اس کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکے گی، اس کے فیصلے پر مبہوت رہ گیا۔ ایک ہی لمحے میں چار سال کا تعلق یوں توڑ دیا تھا جیسے یہ چار سال کبھی اس کی زندگی میں آئے ہی نہ تھے۔ بادل بے شک نہ گرجا مگر بجلی کڑکتی ہوئی نواب کے دِل پر گری۔ کبھی برقِ آسمانی کو گرتے دیکھا تھا یا نہیں مگر دِل پر جو بیت گئی اس نے نخلِ محبت پر گرنے والی بجلیوں کے ہزاروں افسانے دہرا دیئے اور اب وہاں خاک اُڑ رہی تھی۔
پہلے تو یہ سمجھا شاید سماعت کو دھوکا ہوا ہے مگر چاند بائی کا ایک ایک لفظ اب بھی کانوں میں رعد کی طرح کڑک رہا تھا۔ محبت کی بازی ختم ہوئی اُدھر تقدیر صف لپیٹ رہی تھی اِدھر وہ جانِ جاناں پالکی میں سوار ہونے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

Marfat.com

روہیلہ نواب چاہتا تھا اس بے وفائی کا سبب پوچھے لیکن چاند بائی نے ایک بار آنکھ چرائی تو پھر آنکھ نہیں ملائی۔

چند لمحوں کے بعد نواب کی حسرتوں کا جنازہ پالکی کی صورت میں اماجی کے آگے آگے مرہٹہ خیموں کی طرف جا رہا تھا اور وہ اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ چاند کو ہار کر اس نے کیا کچھ ہار دیا ہے۔ ایک بار خیال آیا۔ آخر طوائف زادی تھی۔ بڑی سرکار کی خاطر چھوٹی سرکار کو چھوڑ گئی۔ مگر کوئی شے دل کو اندر ہی اندر کچوکے دے رہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ جو کچھ ہو گزرا ہے اس پر یقین کرے۔

اماجی بازی جیت کر لوٹا تھا۔ پالکی کے آگے آگے ایک سوار مہاراج کی طرف دوڑا دیا اور خوش خبری بھیجی کہ اس نے بندیل کھنڈ کے آسمان سے چاند توڑ لیا ہے۔

دولت راؤ سندھیا نے خبر سنی تو مسرت سے دیوانہ ہو گیا اور اپنے خیمۂ خاص میں اس کی آمد کی گھڑیاں گننے لگا۔

پالکی مرہٹہ سراپردہ کے باہر آتی تو چاند بائی کسی اقبال مند شہزادی کی طرح باہر نکلی اور اماجی کی پیشوائی میں خیموں کے اس محل میں داخل ہوئی جس پر زری پٹی سے آراستہ پرچموں نے سطوتِ شاہی کا سایہ ڈال رکھا تھا۔ پہرے داروں نے فوجی انداز میں استقبال کیا۔ یہ استقبال اماجی کا تھا یا چاند بائی کا؟

وہ معاملے کی نوعیت سمجھنے سے قاصر تھی۔ پھر بھی یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی کہ مرہٹہ سراپردہ میں صورتِ حال کچھ غیر معمولی ہے خیمے کی ڈیوڑھی سے گزر کر راج منتری کے پیچھے

Marfat.com

پیچھے قناتوں کے درمیان ایک چوڑی راہداری میں چلنے لگی۔ مشعلوں کی روشنی میں مرہٹہ چوبدار یہاں بھی لمبے لمبے بھالے سنبھالے چاق و چوبند کھڑے تھے۔ مہاراج تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ اور مرحلے بھی تھے اور ان مرحلوں کا خاص خیال شاید اس لیے رکھا گیا تھا کہ نواب کریم خاں کی چھوٹی سی سرکار سے کٹ کر آنے والی چاند بائی مرہٹہ مہاراجہ کے جاہ و جلال اور سطوت و حشمت کا اچھی طرح نظارہ کر سکے۔

چوڑی رہداری کے آگے ایک اور کمرہ تھا جہاں مہاراجہ سندھیا کا افسر بکارِ خاص چند خُفیہ محافظوں کے ساتھ موجود تھا۔ ان لوگوں کی ڈیوٹی یہی تھی کہ کسی ناپسندیدہ آدمی کو کمرہ خاص میں نہ جانے دیں۔ خُفیہ محافظوں نے بھی بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور بتایا کہ مہاراج نے حاضری کی اجازت دے دی ہے۔

چاند بائی ایک بڑے مہاراج کی شان و شوکت کا نظارہ کرتی امباجی کے ساتھ آگے بڑھی۔ افسر بکارِ خاص نے خود آگے بڑھ کر خیمے کا پردہ ہٹایا۔ ایک محافظ نے گونگ پر ضرب لگا کر مہاراج کو حسین مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ چاند بائی مدار المہام کی معیت میں زری کے دروازے سے گزر کر بجھوا چھنکاتی ایک وسیع و عریض ہال نما کمرے میں داخل ہوئی جو بے شمار شمعوں کی روشنیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

فرش قالینوں سے آراستہ اور ہال نما خیمے کی دیواریں زری کے پردوں سے مزین جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ ایک طرف مسند پر چاندنی بچھی تھی اور اس پر گاؤ تکیہ کے سہارے ادھیڑ عمر کا ایک مجہول سا آدمی نیم دراز تھا۔ عقب میں دو سندر مرہٹہ باندیاں مورچھل ہلا رہی تھیں۔ چاند بائی دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ یہی مجہول سا شخص ہندوستان کا سب سے بڑا مہاراجہ دولت راؤ سندھیا ہے جس نے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کو اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ ہوشیار طوائف نادی پہلی نظر میں یہ بھی بھانپ گئی کہ عورتوں کا رسیا اور ان کی خلوت کا شوقین ہے۔

چاند بائی کو دیکھ کر مہاراجہ نے بظاہر بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا مگر دل کے اندر ایک عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔ درحقیقت آج تک اس کی خلوتوں کو رنگین بنانے والی حسین عورتیں، ماہ رُخ کنیزیں اور سندر باندیاں ہی ہمیشہ اس کا انتظار کیا کرتی تھیں لیکن آج پہلا موقع

Marfat.com

تھا کہ مرہٹہ سلطنت کا بلند اقبال تاجدار خود کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ سندھیا نے اضطراب سے مسند پر پہلو بدلا۔ امباجی نے آگے بڑھ کر تین بار کورنش ادا کی اور عرض گزار ہوا۔

"مہاراج اِندیل کھنڈ کا چاند حاضر ہے"۔

سندھیا نے نگاہِ شوق سے دیکھا اور پلک جھپکنا بھول گیا۔ نظارۂ جمال ہی ایسا تھا کہ ہوش اُڑے جاتے تھے۔ چاند بائی آدابِ شاہی کا ہر سلیقہ، ہر قرینہ جانتی تھی۔ ذرا جھک کر تین بار مجرا پیش کیا۔

ایک بڑے اور پُر جلال حکمران کی طرح سندھیا کا فرض تھا کہ جذبات پر قابو رکھے مگر وہ مسند چھوڑ کر دیوانہ وار آگے بڑھا۔

چاند بائی کے قریب آیا۔ ایک عجیب سی کیفیت میں اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور یہ ظاہر کرنے کی خاطر کہ اس قیامت کو دیکھ کر وہ اپنے ہوش و حواس کھو نہیں بیٹھا۔ کہنے لگا۔

"سنا کچھ اور تھا، دیکھ کچھ اور رہے ہیں اور جو کچھ سنا تھا وہ اس نظارے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ آکاش کی اپسرائیں بھی اتنی سندر نہیں ہو سکتیں۔ کیوں امباجی! ہم نے غلط تو نہیں کہا؟"

امباجی سے پہلے چاند بائی نے حسین گردن میں ذرا سا خم پیدا کر کے خالص لکھنوی انداز میں سلام کیا اور سریلی آواز میں بولی "مہاراج کا حسنِ نظر ہے"۔

سندھیا صورت کے ساتھ آواز کے جادو سے بھی مسحور ہو گیا۔ "خوب صورت ہی نہیں خوش آواز بھی ہو"۔

اب مدار المہام کو تعریف کی سوجھی۔ "مہاراج اس چاند کو دِل میں چھپالیں کہیں اِندر دیوتا کی نظر پڑ گئی تو لڑائی ٹھن جائے گی"۔

"چنتا نہ کرو امباجی! ہم اِندر دیوتا کو اپنے رنواس میں نہیں آنے دیں گے"۔

مدار المہام چاند بائی کے حصول اور اس کی حاضری کو کچھ اور رنگ دینا چاہتا تھا۔ اس نے کتابِ ملاقات کا ایک نیا ورق اُلٹ دیا۔

Marfat.com

"میں نے چاند بائی کو چھپا لینے کی بات بلا وجہ نہیں کی۔ سرکار یہ سن کر حیران بھی اور خوش بھی ہوں گے کہ چاند بائی اپنے دل میں حضور کی لگن رکھتی ہے"۔

یہ بات واقعی حیران کر دینے والی تھی۔ سندھیا بڑی توجہ سے سننے لگا اور اما جی نے بتایا۔ "نواب کریم خاں تو چاند کو بھیجنے پر تیار نہیں تھا۔ طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا رہا مگر میں نے مرہٹہ لشکروں کی طاقت اور حضور کی ناراضی کا خوف دلایا تو آخر فیصلہ چاند بائی کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ جانا چاہے تو نواب روک نہیں سکے گا اور اگر کریم خاں کی سرکار میں رہنا چاہے تو اُسے مزاحمت کا اختیار ہوگا۔ نواب کو یقین تھا چاند اُسے چھوڑ کر نہیں جائے گی اسی لیے مزاحمت کی شرط لگائی تھی لیکن چاند نے ایک ہی فقرے میں بازی اُلٹ دی اور سرکار کی حاضری پر تیار ہو گئی۔ یہ فیصلہ سن کر کریم خاں کو سکتہ ہو گیا۔ چہرے پر ایک رنگ آتا تھا دوسرا جاتا تھا مگر آفرین ہے چاند بائی پر کہ پلٹ کر نواب کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ اپنے فیصلے پر قائم رہی اور مہاراج کی خدمت میں حاضر ہو گئی"۔

یہ کہانی حیرت انگیز اور ایک حسین عورت کی لگن اور دلچسپی کی ترجمانی کرتی تھی۔ دولت راؤ سندھیا کے دل کا وہ کواڑ کھل گیا جو ابھی تک بند پڑا تھا۔ گردن میں حاکمانہ برتری کا تناؤ پیدا ہوا اور پُرجوش آواز میں بولا۔ "چاند بائی نے کریم خاں کو ہماری خاطر چھوڑ دیا ہے تو ہم بھی اِسے بڑا مرتبہ دیں گے ....."

"مہاراج کی ذرّہ نوازی ہے"۔ چاند بائی نے اما جی کے ہموار کیے ہوئے راستہ پر قدم بڑھایا۔ "مگر میں نے سرکار کی حاضری کے لیے ایک شرط پیش کی تھی فیصلہ ابھی چاہتی ہوں"۔

"کیسی شرط؟"

بات اما جی نے پکڑ لی۔ "چاند بائی نے یہاں آنے کی شرط لگائی تھی مہاراج!"

"پھر کیا ہوا؟"

"میں نے وہ شرط سنے بغیر ہی منظور کر لی تھی"۔

سندھیا کے چہرے پر کچھ تکدّر نمودار ہوا۔ اپنے مدارالمہام کو چشم حیرت سے دیکھتا ہوا کہنے لگا۔ "کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے سننا اور سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ سنے بغیر

ہی شرط منظور کر لینا جوا ہے اور جوئے میں جیت کم، ہار زیادہ ہوتی ہے"۔

"مہاراج نے ٹھیک فرمایا ہے مگر بعض شرطیں سُنے بغیر منظور کی جاتی ہیں اور آدمی ہار کر بھی جیت جاتا ہے"!

مہاراجہ اپنے راج منتری کا یہ عجیب و غریب فلسفہ ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس نے وضاحت کی "جب چاند بائی نے کریم خاں کے مقابلے میں مرہٹہ مہاراج پر اندھا بھروسہ کر لیا اور اسے چھوڑ کر حضور کی سرکار میں آنا قبول کیا تو میں نے بھی اس کی شرط سُنے بغیر ہی منظور کر لینا مناسب سمجھی تاکہ نواب کو معلوم ہو سکے کہ بڑے حکمرانوں کے دل اور حوصلے بھی بڑے ہوتے ہیں"۔

اس وضاحت میں افتخار اور بڑے پن کا پہلو تھا۔ ایک چھوٹی سی ریاست کے مقابلے میں مرہٹہ سلطنت کی عظمت و شوکت کا اظہار تھا۔ خود پسند سندھیا کو یہ پہلو اچھا لگا۔ طبیعت کا تکدّر فوراً دُور ہو گیا اور بولا "تم نے ٹھیک کیا اماجی! تمہاری جگہ ہم بھی ہوتے تو چاند بائی کی شرط سُنے بغیر ہی منظور کر لیتے"۔

"مگر مہاراج نے میری شرط کے بارے میں تو ابھی تک کچھ پوچھا ہی نہیں"۔

"اب پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے"۔ پھر سندھیا کہنے لگا۔

"چاند بائی! ہم راج نیتی کے معاملے میں تو کوئی غلطی کر سکتے ہیں مگر عورت کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرتے۔ تم کیا چاہتی ہو، کیا نہیں چاہتی اس کے بارے میں کہنے سننے سے کیا حاصل بس یہی بہت ہے کہ تم نے ہماری خاطر نواب کریم خاں کو چھوڑ دیا اور ہمارے کندھوں پر یہ ذمے داری ڈال دی ہے کہ تمہارا اتمان نہ ہونے دیں۔

چاند بائی کے چہرے پر فکر و تشویش کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے۔ نہ جانے مرہٹہ مہاراج اس کی آمد کو کیا معنی پہنا رہا تھا اور وہ اُسے کیا سمجھانا چاہتی تھی۔ بہر حال دل میں کوئی ایسا مضمون ضرور پنہاں تھا جس کا اظہار پہلی ہی ملاقات میں ضروری سمجھتی تھی اور سندھیا وہی بات سُننے سے کترا رہا تھا۔ اس نے پہلی نظر میں جس حکمران کو بھولا سا آدمی سمجھ لیا تھا اب ایک چالاک شاطر دکھائی دینے لگا اور وہ حیران تھی کہ اپنا مدعا کیسے بیان کرے۔ سندھیا کی طرح عورت

Marfat.com

کو سمجھنے کا دعویٰ تو ہر شخص کرتا ہے مگر سمجھ کوئی نہیں پاتا۔ آخر کچھ سوچ کر بولی۔

"اگر مہاراج سنے بغیر ہی عورت کے دل کا بھید جان لیتے ہیں تو ضرور آپ کے پاس کوئی جادو ہوگا۔"

سندھیا بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنس دیا۔ یہ قہقہہ بڑا عجیب اور وحشت انگیز تھا بالکل یوں لگا جیسے کوئی گھوڑا ہنہنا دیا ہو۔ چاند بائی اسے کوئی معنی نہ پہنا سکی ہنسی تھمی تو ہاتھ لہرا کر کہنے لگا۔ "اس بات پر حیران ہو کہ تم نے شرط بیان نہیں کی اور ہم تمہارا مطلب سمجھ گئے ہیں۔ مگر تمہارے دل کی بات تو اماجی بھی جانتے ہوں گے۔ یہ لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں۔ کیوں اماجی!"

"مہاراج کی دیا ہے جو مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔"

"تو بتا سکتے ہو وہ کون سی شرط ہوگی جسے تم نے سنے بغیر ہی منظور کر لیا تھا؟"

مرہٹہ مدار المہام کے ماتھے کی لکیریں کچھ اور گہری ہو گئیں۔ اس نے راج دربار میں کئی الجھے ہوئے معاملے سلجھائے تھے۔ کئی مشکلیں حل کی تھیں۔ مگر یہ معاملہ کچھ مختلف اور ٹیڑھا تھا۔ حسن اور عشق کی آنکھ مچولی تھی اور وہ ڈرتا تھا کہیں زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو مہاراج کو ناراض کر دے۔ سوال کی گرہ بڑی ہوشیاری سے کھولتا ہوا بولا۔

"مہاراج! چاند بائی چھوٹی سرکار سے بڑی سرکار میں آئی ہے مگر "لوٹ کا مال" بن کر نہیں۔ اگر ہم زبردستی اٹھا لاتے یا نواب سے لڑائی ہوتی تو جو سلوک چاہتے کرتے مگر اپنی مرضی سے آئی ہے تو چاہتی ہے کہ سلوک بھی اس کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے۔"

سندھیا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کیوں چاند بائی! اماجی نے غلط تو نہیں کہا؟"

"مضمون تو بے شک یہی ہے سرکار! مگر الفاظ کچھ بدل گئے ہیں۔"

"پھر ہم اجازت دیتے ہیں۔ تم اپنا مضمون اپنے ہی الفاظ میں بیان کرو۔"

چاند بائی نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک ادا کے ساتھ تسلیم بجا لاتی اور بولی۔ "منہ چھوٹا اور بات بڑی ہے ڈرتی ہوں اگر مہاراج ناراض ہو گئے تو میری زندگی تاریک ہو جائے گی۔"

Marfat.com

"ہم ناراض نہیں ہوں گے چاند بائی!"

اس فقرے سے چاند بائی کا حوصلہ بڑھا اور اپنی شرط کو الفاظ کا جامہ پہناتی ہوئی کہنے لگی: "مہاراج کو وچن دینا ہو گا کہ مذہب، سماج اور اخلاق کی شرط پوری کیے بغیر مجھے کسی تعلق پہ مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ مجرا کرتی ہوں عزت نہیں بیچتی۔ سرکار بدل جائے یمان نہیں بدلا۔"

ایک طوائف زادی کی زبان سے جو چار سال تک نواب کریم خاں کی تفریح کا کھلونا بنی رہی۔ یہ الفاظ سن کر دولت راؤ سندھیا دم بخود رہ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ ایسی کڑی شرط لگائے گی کہ کوئی اسے چھو بھی نہ سکے۔ اس کا خیال تھا زیادہ سے زیادہ انعام طلب کرے گی۔ ——— بڑے سے بڑا مرتبہ چاہے گی جو اس جیسی حسین عورت کو راج رنواس میں مل سکتا ہے۔ مگر چاند بائی نے اپنی شرط بیان کر کے اسے ایک زنجیر میں جکڑ دیا تھا جس میں ہندوستان کی تہذیب بندھی ہوئی تھی۔ یہ پابندی قطعی خلافِ توقع تھی۔ مہاراجہ کا دماغ سنسنا کر رہ گیا۔ بے دھیانی میں ایک قدم پیچھے ہٹا تو یوں محسوس کیا جیسے گوالیار کا تخت بھی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا ہو۔ مگر مدار المہام اماجی کے چہرے پر ایک خوشگوار تبدیلی نظر آرہی تھی جیسے من کی مراد بر آئی ہو۔

"دھن باد ہے چاند بائی! تم نے مہاراج کے سامنے ایسی شرط رکھی ہے جس پر ہندوستان کی ہر عورت فخر کر سکتی ہے۔ بھگوان نے تمہیں سندر ہی نہیں بنایا۔ بات کرنے کی شکتی بھی دی ہے۔ تمہیں عورت کی عزت و آبرو کا وشواس ہے۔ مہاراج ضرور تمہارے وشواس کا پالن کریں گے۔"

اماجی چاہتا تھا۔ مہاراجہ کو اس شرط کا پابند کر دیا جائے۔ مہارانی بیجا بائی کا غرور توڑنے کی فکر میں تھا اور چاند بائی کا حسن و شباب مہاراجہ سندھیا کے دل و دماغ سے اس کی حسین یادوں کو محو کر سکتا تھا۔ اسے یہ علم نہ تھا مرہٹہ حکمران کیا سوچ رہا ہے، کس ادھیڑ بن میں ہے۔

وہ چاند بائی کو ایک کنیز سے بڑھ کر کوئی مرتبہ و مقام دینے پر آمادہ بھی ہو گا یا نہیں مگر اماجی نے اس کی شرط کو جو معنی پہنائے، ان کا مقصد یہی تھا کہ چاند بائی کے معاملے پر کسی اور پہلو سے غور نہ کیا جائے۔ دوسرے لمحے وہ مہاراجہ سندھیا کا جواب سن کر دنگ رہ

Marfat.com

گیا - وہ کہہ رہا تھا -

"اماجی! ہم نے چاند بائی کو کسی اور مقصد کے لیے طلب کیا تھا، مگر اس کی شرط سن کر ہمارا وِچار بدل گیا ہے۔ گنگا کی سوگند! جس عورت نے نواب کریم خاں کی سرکار چھوڑ کر ہم پر وشواس کر لیا ہے۔ ہم اس کے ساتھ وشواس گھات نہیں کریں گے"۔

یہ جواب اماجی کی مرضی کے عین مطابق تھا۔ دولت راؤ سندھیا ایسے ہوس پرست مہاراج کی یہ تبدیلی حیرت انگیز تھی۔ محبت کی بساط پر اگر کریم خاں کی بازی پٹ گئی تو یہاں بھی نقشہ بدل گیا تھا اور چاند بائی اپنی شرط کے خانے میں کھڑی سندھیا کو "شہ مات" دے رہی تھی۔ مہاراجہ نے اس کی گرتی ہوئی ذات کو سہارا دیا اور ایسا مرتبہ بخش دیا تھا جس کی شاید وہ خود توقع نہ رکھتی تھی۔ اس نے فرطِ مسرت میں جھک کر سلام کیا اور پُر اعتماد لہجے میں بولی۔

"مہاراج نے گنگا کی سوگند کھا کر وچن دیا ہے تو مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے"۔

"نہیں چاند بائی! کوئی اور خواہش بھی ہو تو بیان کرو"

"جو کچھ چاہتی تھی مل گیا، البتہ ایک گزارش اور ہے اگر حضور بُرا نہ منائیں تو عرض کر دوں"۔

"ہمارا خیال ہے تم کوئی ایسی بات کرو گی ہی نہیں جو ہمیں بُری لگے"۔

"صرف یہ چاہتی ہوں مہاراج! نواب کریم خاں کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ جو ورق اُلٹ آئی ہوں اُسے پلٹنا نہیں چاہتی"۔

"یہ تو تم نے ہمارے مطلب کی بات کہہ دی۔ ہم بھی نواب کا ذکر پسند نہیں کرتے"۔

"تو اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

سندھیا نے فوراً مورچھل بردار باندیوں کی طرف ہاتھ لہرا دیا۔ "شوبھا، ساوتری! چاند بائی کو آرام گاہ میں پہنچا دو اور اس کے آرام کا خیال رکھو۔ یاد رہے تم نے جو کچھ دیکھا ہے، جو کچھ سُنا ہے کسی اور سے اس کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ مہارانی بیجا بائی سے بھی نہیں۔

مہاراج کا حکم سنتے ہی دونوں باندیوں نے سر جھکا دیے اور سندھیا نے چاند بائی کو اشارہ کیا، وہ ان کے ساتھ جائے۔ چاند نے مہاراج کو رخصتی سلام کیا اور بچھوا چھنکاتی

باندیوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ سندھیا اور امباجی کھڑے اُسے جاتے دیکھنے لگے۔ اس کی رفتار میں بھی ایسا وقار تھا کہ شہزادیوں اور راجکماریوں کو بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ پاؤں کی اُنگلیوں میں چاندی کے بچھوے کی "چھنک چھنک" جادو جگا رہی تھی۔ پُروقار انداز میں چلتی اور ہر قدم پر جادو پھونکتی وہ خیمہ خاص کے عقبی دروازے سے نکل گئی۔ تھوڑی دُور تک بچھوے کی موسیقی جلترنگ کی طرح سُنائی دیتی رہی۔ جب یہ آواز بتدریج دُور ہوتی خاموشی میں ڈوب گئی تو سندھیا اس کی رفتار کے جادو سے چونکا اور اپنے مدارالمہام سے مخاطب ہوا۔

"کیوں امباجی! ہم نے چاندبائی کو وچن دے کر کوئی غلطی تو نہیں کی؟"

"غلطی کیسی مہاراج! آپ نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ آنے والے لوگ آپ کو عزت سے یاد کریں گے۔ کہیں گے چاندبائی کے پاس حسن تھا اور مہاراجہ سندھیا کے سینے میں عورت کو سمجھنے والا دل۔ آپ نے عورت کا مان رکھا اور اپنی شان بڑھائی ہے۔"

ان الفاظ نے دولت راؤ سندھیا کو ایک عجیب سی تسکین دی جس کی وہ ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ کہنے لگا: "ہم کچھ اور بھی سوچ رہے ہیں امباجی!" پھر کہتے کہتے یک لخت خاموش ہو گیا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا اور کہتے ہوئے ہچکچا بھی رہا تھا۔ کیا خبر راج منتری اس کے خیال سے اتفاق کرے یا اس کی بات کو آشفتہ خیالی سمجھ کر مسترد کر دے۔ اسی حیص بیص میں اس نے اچانک چُپ سادھ لی۔

"کیا سوچ رہے مہاراج؟" راج منتری نے توجہ دلائی۔

"معلوم نہیں ہمارا خیال درست بھی ہے یا نہیں؟"

"آپ اظہار تو کریں۔ شاید میں کوئی مشورہ دے سکوں"۔

سندھیا نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔ "ہمیں بہت عرصہ سے ایک ایسی عورت کی تلاش ہے امباجی! جو مرد کی غیرت اور عورت کی عزت کو سمجھتی ہو۔ ہمیں جیون کا سکھ دے سکے۔ ہم سمجھتے ہیں، چاندبائی میں یہ خوبی موجود ہے"۔

Marfat.com

امباجی مہاراجہ کی زبان سے وہ الفاظ سن کر جن کا اظہار دراصل خود کرنا چاہتا تھا۔ خوشی سے جھوم اٹھا۔ یہی تو چاہتا تھا مہاراجہ چاند بائی کو ایسا مرتبہ عطا کر دے کہ گوالیار کے راج محلوں میں مہارانی بیجا بائی کا ستارہ غروب ہو جائے۔ تڑپ کا بولا "آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔ میں خود سرکار کو یہی مشورہ دینے والا تھا کہ حسن کے چاند کو اگر بندیل کھنڈ کے آسمان سے توڑا ہے تو اسے گوالیار کے راج محل میں چمکنا چاہیے اور مہاراج! عورت بیوی ہوتی ہے یا محبوبہ! اس کی تیسری کوئی حیثیت نہیں۔ اگر ہے تو عورت کی ذات کے لیے ذلت اور ننگ ہے۔ نواب کریم خاں نے چاند بائی کو یہی تیسری حیثیت دی۔ بیوی کی بجائے داشتہ بنا کر رکھا۔ اسی لیے اس نے نواب سے تعلق توڑ لیا۔ آپ نے چاند بائی کو جو وچن دیا ہے اس کے مطابق اسے صرف بیوی اور دھرم پتنی بنا سکتے ہیں۔ محبوبہ یا داشتہ نہیں"۔

سندھیا سوچ کے بھنور سے ابھرا۔ "اسی بات نے ہمیں پریشان کر دیا ہے امباجی! سوچتے ہیں چاند بائی کو اپنے پاس رکھیں یا واپس کر دیں؟"

"اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے، آپ بیاہ کر سکتے ہیں"۔

"راجپوت اور مرہٹہ سردار ہمیں طعنہ دیں گے کہ طوائف زادی کو بیوی بنا لیا"۔

امباجی نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگائی۔ "گستاخی کے لیے شما چاہتا ہوں مہاراج ہمارے راج میں کتنے ہی راجپوت اور مرہٹہ سرداروں کی حویلیوں میں طوائفیں آباد ہیں۔ ہندوستان کا وہ کون سا راجہ، مہاراجہ اور نواب ہے جس کا دل کسی طوائف کی زلفوں کا اسیر نہیں ہوا۔ پھر چاند بائی طوائف نہیں طوائف زادی ہے جسے نواب کریم خاں کی سرکار اور اودھ کی تہذیب نے ایک نیا روپ دیا ہے۔ علیگڑھ کے موسموں میں پل کر جوان ہوئی ہے۔ بندیل کھنڈ کے جنگلوں کی ہواؤں نے اس کے حسن کو نکھارا ہے۔ گفتگو کرتی ہے تو دل مٹھی میں بند کر لیتی ہے اور مٹھی کھولتی ہے تو دل اڑنے لگتا ہے۔ اس سے بہتر جیون ساتھی کہاں ملے گا؟"

"تو تم بھی یہی چاہتے ہو۔ ہم چاند بائی کو راج رنواس میں شامل کر لیں۔ اسے اپنی دھرم پتنی بنا لیں؟"

"مہاراج کی بہت سی پریشانیوں کا یہی علاج ہے ۔ چاند بائی رنواس میں داخل ہو گئی تو نت نئی باتیں کرنے والی رانیوں کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی جن کی فرمائشیں پوری کرتے کرتے آپ تنگ آجاتے ہیں ۔ مہارانی بیجا بائی چاند کو دیکھے گی تو اپنی چمک دمک بھول جائے گی ۔ جو ہر وقت کسی نہ کسی معاملے میں سرکار سے نوک جھونک کرتی رہتی اور کوئی نہ کوئی نیا بکھیڑا کھڑا کر دیتی ہے"۔

مہاراجہ حیران سا ہو کر رہ گیا ۔ "امباجی! تم یہ سب باتیں جانتے ہو؟"

"یہ باتیں تو راج دربار کے بھی سردار جانتے ہیں اور اُن میں عجیب عجیب سرگوشیاں بھی ہوتی ہیں ۔ راج منتری ہونے کے ناتے میرا فرض ہے کہ مہاراج کے آرام کا خیال رکھوں تاکہ وہ وقت جو رنواس کے فضول بکھیڑوں میں ضائع ہو جاتا ہے راج نیتی کے کاموں میں صرف ہو اور مرہٹہ سلطنت ایک بار پھر وہی شان و شوکت حاصل کر لے جو اسے پہلے حاصل تھی"۔

"مرہٹہ سلطنت کے بارے میں ہم بھی یہی سوچتے ہیں لیکن رنواس کے جھگڑوں نے ہمیں پریشان کر دیا ہے"۔

"چاند بائی آپ کے جیون کا ہر اندھیرا دُور کر دے گی"۔

"ہم گوالیار جاتے ہی پنڈتوں سے مہورت نکلوائیں گے کہ ستاروں کی چال چاند بائی کے بارے میں کیا حکم لگاتی ہے مگر......" سندھیا کے چہرے پر کسی نئی پریشانی نے سایہ ڈال دیا ۔

"ہمیں دو آدمیوں کی طرف سے دھڑکا ہے"۔

"کون سے دو آدمی؟"

مہاراجہ فکر مند لہجے میں بولا ۔ "ایک تو سرجی راؤ گھٹکی ہے ۔ بے شک وہ ہمارا مدار المہام نہیں رہا مگر سسر تو ہے ۔ کہیں راجپوت سرداروں کو ہمارے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ کر دے"۔

"پٹا ہوا مہرہ ہے مہاراج! بیٹی کے سوا کوئی راجپوت سردار اس کا ساتھ نہیں دیگا"۔

"یقین سے کہتے ہو"۔

"اپنے حریف کو کون نہیں جانتا ۔ سرجی راؤ کو بھول کر دُوسرے آدمی کا نام بتائیں"۔

Marfat.com

"دوسرا آدمی ہم سے دُور نہیں - روہیلہ پٹھان نواب کریم خاں ! ہم نے چاند بائی سے بیاہ کر لیا تو کیا خبر افرنگی سے سمجھوتہ کر کے ہمارے لیے مصیبت کھڑی کر دے"۔

"کریم خاں جنگل کے بھیڑیوں سے دوستی کر سکتا ہے مہاراج ! انگریز سے کسی حالت میں سمجھوتہ نہیں کرے گا"۔

"مگر انتقام کے جوش میں ہمارے خلاف پنڈاروں کو تو جمع کر سکتا ہے - اگر نواب چیتو اپنے لشکر لے کر اس کے جھنڈے تلے آگیا تو پنڈاروں سے نمٹنے کے لیے ہمیں اپنی پوری طاقت استعمال کرنی پڑے گی - حالانکہ ہم اپنی پوری طاقت صرف انگریز کے مقابلہ کے لیے جمع رکھنا چاہتے ہیں"۔ وہی دولت راؤ سندھیا جو تھوڑی دیر قبل مسند پر بیٹھا ہُوا ایک مجہول سا آدمی نظر آیا تھا اس وقت سیاسی شاطروں اور فوجی ماہروں کو حیران کر دینے والی فراست کا مظاہرہ کر رہا تھا - اس نے اپنے ہاتھ کی ایک انگلی سے جیسے فضا میں ایک لکیر سی کھینچ دی اور کہا "چیتو کا کریم خاں سے مل جانا قیامت سے کم نہ ہوگا دونوں مل کر ہماری سلطنت پر موت کی لکیر کھینچ دیں گے"۔

"چیتو آپ ہی کا بنایا ہُوا نواب ہے کیا وہ بھی مہاراج کے خلاف تلوار اُٹھائے گا؟"

"لوگوں کی وفاداریاں بدلنے میں دیر نہیں لگتی"۔

کچھ سوچ کر اماجی نے ایک نیا پہلو نکالا "مہاراج نے شاید اس بات پر غور نہیں کیا - چاند بائی نے نواب کریم خاں کو خود چھوڑا ہے اور جب کوئی عورت کسی مرد کو چھوڑ آئے تو اس کی آدھی ہمت ٹوٹ جاتی ہے"۔

"تم بھی شاید بھول گئے، روہیلہ نواب سیاست دان نہ سہی غیرت مند ضرور ہے اپنی ٹوٹی ہوئی ہمت کے ساتھ وہ اس وقت تو مرہٹہ لشکروں کے سامنے خاموش رہے گا مگر ہمارے لوٹتے ہی کینچلی اُتار کر پھینک دے گا اور پنڈاروں کے لشکر اکٹھے کر کے ہم سے بدلہ لے گا - پٹھان کی توہین کی جائے تو کبھی نہیں بھولتا پھر کریم خاں اس وقت پنڈاروں کی اُمید کا ستارہ ہے وہ اس کی خاطر اپنی جانیں لڑا دیں گے"۔

مدار المہام نے حالات پر غور کیا تو تسلیم کرنا پڑا کہ مہاراجہ کے اندیشے بے معنی اور

Marfat.com

اور خطرے بے وجہ نہیں۔ سندھیا کو تجربے ہی نے اتنا محتاط بنا دیا تھا کہ ہر قدم پھونک کر اُٹھاتا تھا۔ خیمۂ خاص میں چند لمحے خاموشی رہی پھر امباجی کہنے لگا۔ "ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے مہاراج! جس سے بگڑی بات بن سکتی ہے۔"

"ترکیب بیان کرو، ہم غور کریں گے۔"

"کریم خاں کو اپنی آزادی سب سے عزیز ہے مہاراج کو یاد ہو گا اس نے اپنی آزادی کو مرہٹوں سے دوستی کی شرط قرار دیا تھا۔ کیوں نہ نواب کے زخموں پر مرہم لگانے کے لیے اسے آزادی کا فرمان دے دیا جائے۔ پنڈارے خوش ہو کر چاند بائی کو بھول جائیں گے۔"

سندھیا نے اس تجویز کے ہر پہلو پر غور کیا۔ پنڈاروں کی آزادی کے جس فرمان سے اپنا دامن چھڑانا چاہتا تھا۔ وقت کی مصلحت اسی کے حق میں فیصلہ دے رہی تھی۔ امباجی نے غلط نہیں سوچا تھا۔ چاند بائی کی جدائی اور بے وفائی کا زخم اُٹھانے والا نواب اپنی آزادی کا فرمان حاصل کر کے خوش ہو جاتا کہ اگر مرہٹہ مہاراج نے اس کی محبت چھین لی تو اس کے عوض آزادی بخش دی ہے۔ اچانک مہاراجہ نے حکم دیا۔

"امباجی! نواب کریم خاں کو اسی وقت پیغام بھیج دو کہ آکر آزادی کا فرمان لے جائے ہمارے راجپوت اور مرہٹہ سرداروں کو بھی طلب کرو۔ ہم ان کی موجودگی میں کریم خان سے معاملہ طے کریں گے۔"

سندھیا اس وقت ہندوستان کا ایک پُر جلال حکمران نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے کاہلی اور جہالت کے تمام سائے یک لخت غائب ہو گئے تھے جنہیں دیکھ کر بعض آدمی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ وہ حکومت اور محبت کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا اور صرف دوسروں کے مشوروں پر عمل کرتا ہے مگر اس وقت اس کی آنکھوں کے گوشوں سے جھانکنے والی چمک کچھ اور کہہ رہی تھی۔

Marfat.com

نواب کریم خاں روہیلہ محبت کی بازی ہار کر، دِل کی دُنیا لٹا کر اپنے خیمے میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اگر بیگم کے مشورے پر عمل کرتا اور چاند بائی کو ساتھ لے کر نہ آیا ہوتا تو یہ صورت حال پیش نہ آتی اور دل پر وہ بجلی نہ ٹوٹتی جس نے سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ پنڈاروں نے نواب کے خیمہ کے باہر مرہٹہ سواروں کی نگرانی میں ایک پالکی اُٹھتی ہوئی ضرور دیکھی تھی، مگر یہ کوئی نہیں جانتا تھا، پالکی کس کی اُٹھی، کون آیا، کون گیا، کچھ جانتے تھے تو نواب کے محافظ سپاہی جو پہرے پر متعین تھے۔ خیمہ خاص کے چوبدار اور خادم جنہوں نے چاند بائی کو پالکی میں بیٹھتے اور مرہٹہ سواروں کی حفاظت میں خیمہ دخرگاہ سے نکلتے دیکھا تھا مگر اُنہیں بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ کسی سے چاند پر گہن لگ جانے کا ذکر نہ کریں۔ پنڈارے اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ خیمۂ خاص سے پالکی نہیں نواب کریم خاں روہیلہ کی حسرتوں کا جنازہ اُٹھا ہے۔ اگر جانتے کہ امباجی کی سرکردگی میں مرہٹہ سواروں نے شب خون مارا ہے تو شاید وہ بھی سندھیا کے خیموں سے کچھ ستارے توڑ لاتے۔ کریم خاں کے پنڈاروں میں روہیلے پٹھانوں کی اکثریت تھی جو ترازو کے پلڑے برابر رکھنا جانتے تھے لیکن نواب نے اپنی تباہی کو چھپانے ہی میں مصلحت سمجھی۔

خیمۂ خاص کے اندر نواب کا نائب خاص نامدار خاں اس سے بھی کچھ زیادہ بے چین اور مضطرب نظر آتا تھا۔ شمعوں کی روشنی میں دونوں کے چہروں پر گزرنے والی تحریریں صاف پڑھی جاتی تھیں۔ وہ مسند جہاں کچھ دیر پہلے بساط بچھی تھی۔ شطرنج کے مہرے پڑے تھے ساب صاف تھی کیونکہ بازی ختم ہو چکی اور نواب خود کو ہار بیٹھا تھا۔ رات کے پہلے پہر ہی اس کی دُنیا اُجڑ گئی تھی۔ باہر چاندنی کھیت کر رہی تھی اور اس چاندنی میں پنڈارے راگ رنگ کی محفلیں سجائے بیٹھے تھے۔ کئی جگہوں سے ہاؤ ہو کی آوازیں اُٹھ رہی تھیں مگر نواب کا خیمہ اپنے چاند سے محروم ہو چکا تھا اور خیمہ کے روزنوں سے نظر آنے والی چاندنی اس کے قلب و ذہن کو سانپ بن کر ڈسے جا رہی تھی۔ اس نے سامنے والے روزن سے نظر ہٹائی اور

بے جان سے قدموں سے چلتا کرسی پر آکر ڈھیر ہو گیا۔ "نامدار خاں! کچھ نہیں سوجھتا، ہم کیا کریں"۔۔۔۔۔۔" سوجھنے کو تو بہت کچھ سوجھتا ہے مگر آپ اجازت نہیں دیں گے"۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"غیرت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی مرہٹوں کے ساتھ آنے والی عورتوں کو لوٹ کا مال سمجھ لیں"۔

"معاملہ سندھیا کی لوٹ کا نہیں، چاند بائی کی بے وفائی کا ہے۔ اگر وہ جانے سے انکار کر دیتی تو ہمیں مزاحمت کا حق مل جاتا"۔

"آپ نے چاند بائی کو تو بے وفا کہہ دیا مگر خود اس کے ساتھ کون سی وفا کی ہے؟"

"نامدار خاں!" نواب غصّے میں تڑپ اُٹھا، "شاید تم اپنے الفاظ کا مطلب خود بھی نہیں سمجھے"۔

"اپنے الفاظ کا مطلب سمجھتا ہوں اور سمجھانا چاہتا ہوں"۔

نواب نے حیرت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "ہماری وفا پر الزام دینے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ ہم نے چاند کو بھوپال کی شہزادی سے کم درجہ نہیں دیا تھا"۔

"معاف کیجئے نواب صاحب! درجہ تو بے شک دیا مگر اُسے اپنی عزّت نہیں سمجھا اگر سمجھا ہوتا تو اماجی کو انہی قدموں واپس کر دیتے"۔

"ہم نے تو فیصلہ چاند بائی کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا"۔

"اس کا یہ مطلب ہے آپ کی اپنی مرضی کوئی نہ تھی"۔

نواب اپنے نائب کا یہ استدلال سن کر دنگ رہ گیا۔ دل کو کوئی شے کاٹتی ہوئی گزر گئی۔ غلطی کا احساس ہوا اور نامدار خاں نے مزید چرکا لگایا۔ "عورت کو صرف عزّت نہیں دی جاتی، اس کی حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ جب چاند کو معلوم ہوا کہ آپ اس کی حفاظت سے دامن بچا رہے ہیں، ہمّت ہار چکے، مردانگی چھوڑ بیٹھے ہیں تو اس نے بھی مہرے تبدیل کر دیئے اور اماجی کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ اگر آپ نے مرہٹے کو صاف جواب دے دیا ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ جانے خود چاند بائی کے دل پہ کیا بیت رہی

ہو گی ــــــــ"

نامدار خاں نے جس انداز میں واقعہ کا تجزیہ کیا وہ سراسر نواب کو مجرم قرار دے رہا تھا۔ اگر کسی اور نے گفتگو کا یہ پہلو اختیار کیا ہوتا تو شاید کریم خاں تلوار کی زبان سے جواب دیتا مگر اب خود کٹ کر رہ گیا اور محسوس کر رہا تھا کہ غلطی اسی سے سرزد ہوئی ہے۔ چاند کو اپنی محبوبہ کا درجہ دیا تھا تو اس کی حفاظت بھی خود کرنی ضروری تھی۔ پریشان سا ہو کر کرسی سے اُٹھا اور نائب کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ "نامدار خاں! ہم اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کا تدارک چاہتے ہیں۔ کوئی ترکیب بتاؤ کہ ہم چاند کو واپس لا سکیں" ــــــــ

ٹھیک اُسی وقت چوبدار نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ مرہٹہ سردار شیو دلشیپ راؤ مہاراجہ سندھیا کا ضروری پیغام لے کر آیا اور حاضری کا طلب گار ہے۔ کریم خاں اماجی کے بعد شیو دلشیپ راؤ کی آمد کا ذکر سُن کر پریشان ہو گیا۔ نہ جانے مہاراجہ نے اور کیا فرمائش کر دی ہو۔ نامدار خاں سے کہا وہ مرہٹہ سردار کا استقبال کر کے اپنے ساتھ اندر لے آئے اور خود پلٹ کر کرسی پر آ بیٹھا۔ شیو دلشیپ راؤ حاضر ہو کر ابھی کورنش ہی ادا کر رہا تھا کہ نواب ناگوار سے لہجے میں بولا۔ "شیو دلشیپ راؤ! کیا مہاراجہ سندھیا سارے پیغامات آج ہی پہنچانا ضروری سمجھتے ہیں، کوئی پیغام کل کے لیے بھی اُٹھا رکھتے"۔

"کل مہاراج یہاں سے لوٹ جانا چاہتے ہیں"۔ شیو دلشیپ راؤ نے وضاحت کی "اسی لیے انہوں نے مجھے اس وقت بھیجا اور پیغام دیا ہے کہ آپ خود آ کر آزادی کا فرمان جائیں، مہاراج واپسی سے پہلے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تمام سرداروں کو بھی طلب کر لیا ہے تاکہ آپ کے ساتھ جو معاملہ طے ہو اس کے گواہ رہیں"۔

یہ پیغام سُن کر نواب کی نبضوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ اسے آزادی سے عشق تھا۔ اسی شرط پر مرہٹوں سے دوستی کا عہد کیا تھا کہ مہاراجہ اُسے ایک آزاد و خود مختار حکمران کی حیثیت میں تسلیم کر لے۔ دولت راؤ سندھیا نے اس سے ایک حسین ترین شے چھین لی اور ایک عزیز ترین شے دے رہا تھا۔ نواب نے یہ سوچ کر کہ شاید چاند بائی کے بارے

Marfat.com

میں بھی گفتگو کا موقع ملے اور اس کی واپسی کی کوئی صورت نکل آئے۔ مرہٹہ سردار کو جواب دیا "شو دلیپ راؤ ہم خود مہاراج سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔ اُنہیں جاکر کہہ دو کہ حاضری میں دیر نہیں لگائیں گے۔"

شو دلیپ راؤ سلام کرتا ہُوا خیمے سے نکلا اور مرہٹہ سواروں کے ہمراہ جو اس کے ساتھ آئے تھے، اپنی لشکرگاہ کو لوٹ گیا۔ نواب نے اُسی وقت صفدر خاں کو دوڑایا کہ پنڈارہ سرداروں کو بُلا لائے۔ وہ بھی اپنے سرداروں کی معیت میں شان شوکت کے ساتھ مہاراجہ سے ملنا چاہتا تھا۔ نامدار خاں نے توجہ دلائی "رات کا بلاوا ہے۔ کہیں مہاراجہ نے کوئی دام نہ بچھایا ہو۔"

"بندیل کھنڈ کی سرزمین پہ ہمارے لیے دام بچھانا موت کو دعوت دینا ہے۔ ہم اپنے سرداروں کو ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"مگر میں آپ کے ساتھ نہ جاسکوں گا۔"

"کیوں؟" نواب کی پیشانی پر ناگواری کی شکن پڑ گئی۔

"ممکن ہے چاند بائی بھی مہاراجہ کی حاضری میں ہو۔ میں اُسے مرہٹہ خیموں میں چھوڑ کر واپس نہیں آسکوں گا۔"

"ہم نے بھی رات کا بلاوا اس لیے قبول کر لیا ہے کہ آزادی کے فرمان کی بات بعد میں اور چاند بائی کی واپسی کی شرط پہلے ہو گی۔"

ابھی نامدار خاں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چند پنڈارہ سردار ایک ساتھ داخل ہوئے اور اُن کی گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ نواب اپنے سرداروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ مزید لوگ آتے رہے اور چند ہی لمحوں میں کریم خاں کا خیمہ بندیل کھنڈ کے چیتوں سے بھر گیا۔ رات کے وقت حاضری یقیناً کسی اہم واقعے کا پیش خیمہ تھی۔ سب لوگ جاننا چاہتے تھے کہ کون سی نئی بات ظہور میں آئی ہے۔ نواب نے بتایا "مہاراجہ سندھیا نے آزادی کا فرمان دینے کے لیے ہمیں رات کو اس لیے طلب کیا ہے کہ صبح وہ گوالیار کی طرف کوچ کر جائے گا اور چاہتا ہے کہ جانے سے پہلے ہماری دوستی پر مُہر تصدیق ثبت کر دے۔

صرف ایک واقعہ کے علاوہ جس نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے ہمارے ساتھ اس کا رویہ دوستانہ رہا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے شبہ ہو کہ وہ دھوکا یا فریب کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے ہم نے رات کا بلاوا قبول کر لیا ہے۔ آپ سب لوگ ہمارے ساتھ جائیں گے ـــــ"

"نہیں حضور! سب لوگوں کا جانا مناسب نہیں ہوگا"۔ ایک سردار نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر مہاراجہ آزادی کا فرمان دے کر دوستی کا پیمان مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو بھی کچھ سردار لشکر گاہ میں رہنے چاہئیں"۔

سب لوگوں نے اس بات کی تائید کی اور فیصلہ ہوا کہ نامدار خاں نصف سرداروں کے ساتھ لشکر گاہ ہی میں موجود رہے گا۔ جب نواب کریم خاں مرہٹہ خیموں کی طرف روانہ ہوا تو اس کی معیّت میں پندرہ پنڈارہ سرداروں کے علاوہ خاصہ کے سواروں کا رسالہ بھی مارچ کر رہا تھا۔ جس نے پنڈارہ ریاست کے قیام میں بہادری کے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے تھے۔

یہ دستور شروع ہی سے چلا آتا ہے کہ بڑے حکمران چھوٹے حکمرانوں کو حکومت و فرمانروائی اور خود مختاری کی سند دیتے آئے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں دولت راؤ سندھیا وسطی اور شمالی ہند میں بڑی اہم حیثیت کا مالک بلکہ مغلوں اور انگریزوں کے بعد اسی کے نام کا سکّہ چلتا تھا۔ کریم خاں روہیلہ کی بہادری اور خودسری نے بندیل کھنڈ میں ایک آزاد ریاست تو ضرور قائم کر لی تھی لیکن اس وقت تک باقاعدہ حکمران نہ بن سکتا تھا۔ جب تک مغل، انگریز یا مرہٹہ طاقت میں سے کوئی اُسے تسلیم نہ کر لے۔

Marfat.com

کریم خاں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہی تھا کہ مہاراجہ سندھیا کی خوشنودی اور حکومت و فرمانروائی کی سند حاصل کر لے تاکہ باقاعدہ ہندوستان کے والیانِ ریاست میں شمار ہو سکے۔

چاندنی رات میں جو رومیلے کے دل کو ڈس رہی تھی اور فرمانِ آزادی کا مژدہ بھی سنا رہی تھی۔ جب وہ اپنے پنڈارہ سرداروں اور دستۂ خاص کے سواروں کے ہمراہ ایک حکمران کی سی شان کے ساتھ مرہٹہ لشکر گاہ میں پہنچا تو مدارالمہام امباجی نے اسی طرح پُرتپاک استقبال کیا جیسے خود مختار حکمرانوں کا کیا جاتا ہے۔ مرہٹہ دربار کے باہر جہاں وہ دن کے وقت بھی آ چکا تھا، مشعلیں روشن تھیں اور چاق و چوبند سپاہی بھالے اٹھائے چاروں طرف پہرہ دے رہے تھے۔ امباجی اس کے ساتھ چلتے چلتے بولا۔

"کیسا عجیب اتفاق ہے نواب صاحب! آج ہی رات ہم دوسری بار مل رہے ہیں" ——— "مگر اس بار تم ہمیں مات نہ دے سکو گے۔ ہم چاند کو واپس لینے کا فیصلہ کر کے آئے ہیں"

"چاند نے تو ہم سب کو مات دے دی نواب صاحب!"

"کیا ہوا؟" نواب نے بے چینی سے پوچھا۔ چاند بائی کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے بڑا مضطرب ہو رہا تھا۔

"ہوا کیا۔ اس نے ایسی شرط بیان کی کہ مہاراج بھی دم بخود رہ گئے" پھر امباجی چاند بائی کی شرط کے الفاظ دہرانے لگا اور نواب حیران ہو گیا۔

"کیا مہاراج نے شرط مان لی؟"

"نہ صرف شرط مان لی بلکہ گنگا کی قسم کھا کر وچن دیا کہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کریں گے اور اس وقت تک اسے چھوئیں گے بھی نہیں جب تک دھرم اور سماج کی بات پوری نہ کر لیں"

"تو کیا مہاراج چاند بائی سے شادی کریں گے؟"

"چاہتے تو یہی ہیں مگر دیکھیں گوالیار جا کر کیا مہورت نکلتی ہے؟"

Marfat.com

نواب کے دِل پر چوٹ لگی ۔ "اب چاند گوالیار نہیں جائے گی"۔

"آپ اُسے کھو چکے نواب صاحب! اور کھوئی ہوئی چیز قسمت سے ملتی ہے"۔

کریم خاں نے معنی خیز لفظوں سے امباجی کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ وہ اس موقع پر امباجی سے اُلجھنا نہیں چاہتا تھا اور اُسے اُلجھنا چاہیے بھی نہیں تھا مگر دِل میں تہیّہ کر چکا تھا کہ مہاراجہ سندھیا سے چاند کے بارے میں بات کرے گا اور اُسے لیے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

دستہ خاص کے سوار خیمہ دربار سے بہت پرے رہ گئے تھے۔ امباجی کریم خاں اور اس کے پنڈارہ سرداروں کے ساتھ وسیع و عریض خیمہ میں داخل ہُوا تو راجپوت اور مرہٹہ سردار پہلے ہی موجود اور پچھلی صفوں میں بیٹھے تھے۔ شاید اگلی چند صفیں مہمانوں کے لیے چھوڑ دی گئی تھیں۔ اس ہال نما دربار میں بے شمار مشعلیں روشن تھیں۔ کریم خاں نے چلتے چلتے راجپوت اور مرہٹہ سرداروں کے چہرے دیکھے مگر شیو دیپ راؤ نظر نہ آیا۔ غالباً وہ مہاراجہ کی حاضری میں تھا۔ امباجی کے اشارے پر کریم خاں نے اپنے سرداروں کے ساتھ اگلی نشستیں سنبھالیں اور مہاراجہ کا انتظار ہونے لگا۔ سوچا تھا اس کے آنے کی خبر سنتے ہی وہ دربار میں آجائے گا مگر جب کافی دیر گزر گئی تو پوچھا "امباجی! مہاراج ابھی تک نہیں آئے"۔

"بس آتے ہی ہوں گے"۔

"آدھی رات ہو گئی ہے"۔

"شاید کسی کام میں مصروف ہوں لیکن آپ کی خاطر میں خود جاتا اور انہیں لے کر آتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ عجلت کے ساتھ دربار سے نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی چند مرہٹے سردار بھی اُٹھے اور یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے کہ نہ جانے مہاراج کب آئیں۔ وہ خیمہ کے باہر ہی اُن کا انتظار کرتے ہیں لیکن جو لوگ مہمانوں کی وجہ سے بیٹھے رہے وہ بھی بیزار دکھائی دیتے تھے۔ انتظار پھر شروع ہُوا اور انتظار کے یہ لمحے بھی طویل ہونے لگے۔ رات دبے

Marfat.com

پامال گزر رہی تھی۔ جسم مضمحل ہو رہے تھے اور اکثر لوگ جمائیاں لے رہے تھے۔

ابھی تک مدارالمہام بھی لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ کریم خاں اپنی نشست پر بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ اچانک ایک شخص پیغام لے کر آیا کہ "مہاراج اپنی قیام گاہ سے چل پڑے اور کوئی دم میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔" حاضرین سنبھل کر بیٹھ گئے۔ یک لخت باہر کچھ شور سا اٹھا۔ بندوقیں داغنے کی آوازیں گونجیں۔ پنڈارے مضطرب ہو گئے۔ دربار میں کسی شخص نے اظہارِ خیال کیا۔ "مہاراج کے استقبال میں بندوقیں داغی جا رہی ہیں"۔

باہر بدستور شور بپا تھا۔ اسی شور میں شودلیپ راؤ دربار میں داخل ہوا۔

خیال یہی تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے مہاراجہ سندھیا ہو گا لیکن دربار کے چاروں دروازوں سے راجپوت اور مرہٹہ سپاہی بندوقیں تانے، نیزے تولے، تلواریں سونتے داخل ہونا شروع ہوئے اور چاروں طرف ان کی مسلح دیواریں سی کھڑی ہو گئیں۔ کریم خاں یہ منظر دیکھ کر اچھلا اور تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "شودلیپ راؤ! یہ سب کیا ہے؟ مہاراج کہاں ہیں؟"

"مہاراج تو اس وقت بندیل کھنڈ کی سرحد بھی پار کر چکے ہوں گے۔ تمہاری خدمت کے لیے میں موجود ہوں"۔

"خوب ....!" کریم خاں صورتِ حال کو سمجھ گیا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

"اپنے آپ کو گرفتار سمجھو"

ایک ہی ساعت میں کریم خاں کی تلوار میان سے باہر آ گئی۔ پنڈارہ سرداروں کی تلواریں بھی چمکیں، مگر صورتِ حال بڑی خراب تھی۔ دربار میں مرہٹہ سپاہیوں کا جمگھٹا بڑھ گیا تھا۔ آگے پیچھے کئی دیواریں تھیں اور بیشتر سپاہی بندوقوں سے مسلح تھے۔ شودلیپ راؤ نے اعلان کیا۔ "کریم خاں مزاحمت بیکار ہو گی۔ سواروں میں سے کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔ وہ سب موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں"۔

"یہ بہادری نہیں، دھوکا اور بے ایمانی ہے"۔

"جنگ اور محبت میں سب جائز ہے"۔

Marfat.com

،گھر آئے مہمان پر بزدل بھی وار نہیں کرتے“۔

، رات کو بلانے کا مقصد یہی تھا کہ تمہیں تھوڑی سی سیاست سکھا دی جائے۔ حکمرانی کا دعویٰ کرتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ آدھی رات کو آنا دی کے نہیں صرف موت کے فرمان دیئے جاتے ہیں۔ ہتھیار پھینک دو“۔

کریم خاں نے لپک کر ایک سپاہی پر وار کر دیا۔ پنڈارہ سردار بھی تلواریں سونت کر لپکے مگر اسی لمحے ایک ساتھ کئی بندوقیں دھاڑیں۔ تمام پنڈارے گھائل پنچھیوں کی طرح تڑپ کر گرے اور خون میں لت پت ہو گئے۔ صرف کریم خاں پر بندوق نہیں داغی گئی تھی۔ اپنے ساتھیوں کو لوٹتے تڑپتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ بندوقوں اور لمبے لمبے بھالوں کے ساتھ مرہٹہ سپاہیوں نے چاروں طرف سے حلقہ کچھ اور تنگ کر دیا تھا۔ اسی اثناء میں ایک سپاہی نے اپنے نیزے کا پھل کریم خاں کے ہاتھ میں اتار دیا۔ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی اور کئی سپاہیوں نے ایک ساتھ ہلہ کر کے نواب کو زنجیر پہنا دی۔ رات کا بلاوا پیام اجل ثابت ہوا تھا۔ مرہٹہ سردار شیودلشپ راؤ آگے بڑھ آیا۔ اس نے نواب کے عین سامنے آکر مہاراجہ سندھیا کا فرمان کھولا اور مشعل کی روشنی میں پڑھ کر سنانے لگا۔

” تم کریم خاں روہیلہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کے گروہ لے کر گوالیار کی سرحدی بستیاں لوٹتے اور ما بدولت کی بے گناہ رعایا پر ظلم و ستم ڈھاتے رہے۔ تم بندیل کھنڈ کے علاقے میں ایک خود ساختہ ریاست قائم کر کے نواب بن بیٹھے اور ما بدولت سے یہ توقع کرنے لگے کہ تمہیں حکمرانی کی سند دے کر ہم حکومت و فرمانروائی کے اصولوں کی توہین کریں۔ ہمارے نزدیک تم سخت ترین سزا کے مستحق ہو اس لیے ہم شیودلشپ راؤ کو حکم دیتے ہیں کہ تمہیں گرفتار کر کے پابہ زنجیر ہمارے حضور گوالیار میں پیش کرے“۔

(فرمانروائے ہند مہاراج دولت راؤ سندھیا)

Marfat.com

کریم خاں نے مہاراجہ کی خوشنودی کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔ بندیل کھنڈ کی تاریخ میں ایسا استقبال آج تک کسی شہنشاہ کا بھی نہیں ہوا ہوگا جیسا مہاراجہ سندھیا کا ہوا۔ سوا لاکھ روپے کے تحت نذریں کے علاوہ بہت سے بیش قیمت تحائف کا نذرانہ دیا۔ شاہی دستور کے مطابق سلیقہ شعار باندیاں، پڑھی لکھی کنیزیں، رقص و موسیقی میں باکمال حسینائیں پیش کیں۔ مہاراجہ کے سرداروں اور لشکر کی میزبانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ایسی ضیافتیں دیں کہ مرہٹے بھی نواب کی دریا دلی کو مان گئے۔ گوالیار کی سرحدی بستیوں سے جو کچھ لوٹا تھا اس سے کہیں زیادہ خرچ کر ڈالا بلکہ سندھیا کے مرہٹہ حریف جسونت راؤ ہلکر کی ریاست اندور کے مضافات سے لوٹ کر جو دولت جمع کرتا رہا تھا وہ بھی مہاراجہ کی پذیرائی اور مہمان نوازی میں صرف کر دی مگر سندھیا نے اس کی تمام آرزوؤں کا خون کر ڈالا۔ چاند بائی چھین کر دل پر گھاؤ لگائے۔ دھوکے سے بلا کر پنڈارہ سرداروں اور سواروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اسے زنجیر پہنا دی۔
کریم خاں روہیلہ ایک بہادر اور مہمان نواز آدمی تھا جو دل میں آزادی کی تڑپ اور حکمرانی کا ولولہ رکھتا تھا لیکن سیاستدان نہ تھا۔ مہاراجہ کی ایک ہی چال میں مات کھا گیا۔

سندھیا جب لاؤ لشکر سمیت گوالیار سے روانہ ہوا تو ممکن ہے کریم خان کی گرفتاری کی بجائے دوستی ہی کا ارادہ رکھتا ہو۔ روہیلے نواب کی خدمت گزاری اور حسین نذرانوں کے بدلے ہر جرم معاف ہو سکتا تھا۔ بندیل کھنڈ میں کریم خاں کی شان و شوکت، حکومت کے رنگ ڈھنگ اور وسطی ہند میں ابھرتی ہوئی ایک نئی مسلم ریاست کے نقشے دیکھ کر اس کے ذہن میں کئی خطرے رینگنے لگے تھے۔ یہ نئی ریاست مستقبل میں مرہٹہ اقتدار کی حریف بھی بن سکتی تھی مگر کمپنی سرکار سے نمٹنے کے لیے مہاراجہ کو کریم خاں جیسے سرکش بہادروں کی ضرورت تھی اور مستقبل کے خطروں کو کو نظر انداز کر کے وہ نواب سے صرف دوستی کا پیوند کر کے اسے "فرمانِ آزادی" کے دھوکے سے چرتال کر لوٹ جانا چاہتا تھا تاکہ کریم خاں اور

Marfat.com

اس کے پنڈاروں کو انگریز کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنے اعتماد کی مٹھی میں رکھے لیکن مہاراجہ کی سیاست اور وقت کی مصلحت کے ہاتھوں سب کچھ غارت ہو گیا۔

اس نے چاند بائی کو محض اپنی ہوس پرستی کے لیے طلب کیا تھا۔ مگر اُسے دیکھنے اور عجیب وغریب شرط سننے کے بعد کچھ اور فیصلہ کر بیٹھا۔ دُنیا کے گرم وسرد حالات سے گزرنے اور زندگی میں سینکڑوں تجربوں سے دوچار ہونے والا مرہٹہ حکمران جانتا تھا۔ کریم خاں روہیلے کی دوستی کسی وقت بھی دُشمنی میں بدل سکتی ہے۔ وہ موقع ملتے ہی اپنی محبت کا انتقام لینے پر تُل جائے گا۔ اسی خطرہ کے پیشِ نظر اس نے بربادِ محبت نواب کو اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ انتقام کے نقشے میں رنگِ عمل بھر سکے۔ تمام سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر پنڈاروں کے استیصال پر آمادہ ہو گیا۔ شو دیشپ راؤ کے ذریعے جو دام سیاست بچھایا۔ کریم خاں کا اس میں پھنس جانا یقینی تھا کیونکہ وہ سیاست دان نہیں تھا۔

"فرمانِ آزادی" کی خاطر نواب تمام خطروں سے بے نیاز مرہٹہ خیموں میں بھاگا آیا اور توقع کے عین مطابق دام میں پھنس گیا۔ مہاراجہ سندھیا نے جو کچھ سوچا، جو کچھ چاہا۔ وہی ہوا مگر سیاستدان سندھیا نے بھی ایک عورت کی خاطر زندگی بھر کے تجربے کی دانائی کو دُشمنی کی آگ میں جھونک دیا تھا۔

مہاراجہ نے اُدھر کریم خاں کو بلاوا بھیجا ادھر چاند بائی کے ہمراہ گوالیار کی طرف روانہ ہو گیا۔ امباجی اور شو دیشپ راؤ کو حکم دیا گیا تھا۔ نواب کو گرفتار کرتے ہی خیمے اُٹھالیں اور فوراً کوچ کر دیں۔ خیال تھا کریم خاں کی گرفتاری کے بعد پنڈاروں کی طاقت بکھر جائے گی۔ پنڈارہ سرداروں کا جدھر منہ اُٹھے گا چلے جائیں گے۔ کوئی شخص مرہٹوں سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ "مجہول آدمی" نے ہر نقشہ سوچ سمجھ کر تیار کیا تھا اور اس نقشے کی کامیابی یقینی تھی مگر مرہٹہ حکمران کریم خاں کے بعد ایک آدمی کو بھول گیا تھا جس کا نام نامدار خاں روہیلہ تھا۔

نامدار خاں بڑی بے چینی کے ساتھ نواب کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ جوں جوں دیر ہو رہی تھی وقت گزر رہا تھا اس کے اندیشے جواں ہو رہے تھے۔ آدھی رات گزر گئی، تو

Marfat.com

اس نے پنڈارہ سرداروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اگر مہاراجہ نے نواب کو کسی جال میں پھانس لیا ہے تو پنڈاروں کی بے خبری میں ان پر شب خون ضرور مارے گا مگر مرہٹوں کا استقبال بندوقوں کی نالیوں اور بھالوں کی انیوں سے ہونا چاہیے۔ ناگہاں لشکرگاہ میں شور اُٹھا۔ بھاگتے گھوڑوں کی ٹاپیں اُبھریں۔ نواب کے دستہ خاص کے چند سوار خون میں لت پت دہائی دیتے ہوئے پہنچ گئے۔ نامدار خاں کے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہوگئی۔ مہاراجہ نے داؤ کھیلا۔ پنڈارہ سردار اور سوار قتل کر دیئے گئے۔ نواب کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ چند سوار بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے تھے تاکہ ساتھیوں کو دشمن کی گھات سے آگاہ کریں۔

نامدار خان الاؤ میں جلنے والی گیلی لکڑی کی طرح چٹخ گیا۔ پنڈارہ سردار دم بخود رہ گئے اب کیا کریں؟ اُن میں اتنی ہمت نہ تھی کہ مرہٹہ لشکروں سے باقاعدہ جنگ مول لیتے پھر نواب کے ساتھ صرف چھ سات ہزار پنڈاروں کی نفری تھی۔ اکثر آدمی پیچھے ہی رہ گئے تھے۔ مہاراجہ سے دوستی کی ملاقات تھی۔ ایک طرف مہمان دوسری جانب میزبان اور یہ چھ سات ہزار پنڈارے بھی محض اس لیے ساتھ ہو لیے تھے کہ مرہٹہ مہاراجہ کے مقابلے میں کہیں نواب کی شان و شوکت ماند نہ پڑ جائے۔ اس نفری کے ساتھ مرہٹہ سواروں اور پیادوں کے ساتھ مقابلہ جن کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، جان سے جانے والی بات تھی نامدار خاں نواب ہی کی طرح بہادر اور سرکش لیکن اندھے فیصلے کرنے کا عادی نہیں تھا۔

سوچنے لگا۔ مرہٹوں نے نواب کو گرفتار کر لیا ہے تو اس کے اِردگرد جنگجو سواروں کی دیواریں کھڑی کر دی ہوں گی کہ کوئی ان دیواروں کو پھلانگ نہ سکے۔

ذہن میں جنگ کی بساط کھولی تو ہر نقشے پر موت کھڑی تھی۔ نواب کو چھڑا لانے اور بازی جیتنے کی بات تو ایک طرف رہی، بازی برابر کرنے کی بھی کوئی چال نہیں سوجھ رہی تھی مگر اتنا کم ہمت بھی نہیں تھا کہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ تلوار کھینچ کر اُٹھا اور بولا "جو موت سے کھیل سکتا ہے وہ میرے ساتھ چلے"۔

کسی نے کہا "ہم موت سے نہیں ڈرتے مگر لشکرگاہ کی حفاظت کا انتظام بھی کر لو"۔

نامدار خاں نے چھ سرداروں کو منتخب کیا۔ باقی لشکرگاہ کی حفاظت پر مامور کر دیئے

اور تین ہزار سواروں کو لے کر مرہٹوں سے گھاٹ کھولنے کے لیے نکلا۔

نواب کی گرفتاری کے بعد اماجی اور شو دیشپ راؤ نے روانگی میں دیر نہیں لگائی جب تک پنڈاروں کو معاملے کی خبر ہوتی بندیل کھنڈ کی سرحد سے دور نکل جانا چاہتے تھے مگر ساقہ کے سپاہیوں نے خیمے اکھاڑنے اور ساز و سامان لادنے میں دیر کر دی پھر بھی صبح کاذب سے پہلے لشکر کا یہ آخری حصہ روانہ ہو گیا لیکن ابھی نصف میل کا سفر کیا تھا کہ نامدار خاں اپنے چیتوں کو لے کر بلائے ناگہانی کی طرح سر پر پہنچ گیا۔ دھاڑتی بندوقیں موت اگلنے لگیں پہلے وار میں بیسوں سپاہی کھیت رہے۔ لشکر کے سردار نے لڑنے کی بجائے بچ کر نکل جانے ہی میں عافیت سمجھی۔

لڑاکا سواروں کے دستے بہت آگے نکل گئے تھے اور اُن کا پلٹ کر آنا ممکن نہ تھا۔ سب یہی سمجھتے تھے نواب کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی پنڈاروں کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور مرہٹہ لشکروں کی ہیبت کے مارے وہ اپنے خیموں میں دبک کر بیٹھ رہیں گے مگر پنڈارے خیموں سے نکل آئے تھے۔ مرہٹہ سردار نے معمولی مزاحمت کے ساتھ سفر جاری رکھا۔ پنڈارے ٹلتے نظر نہ آتے تھے۔ موت کی طرح ساتھ ساتھ چلتے اور بندوقیں داغتے رہے۔ یہ سراسر نقصان کا سفر تھا۔ سپاہی زخم کھا کر گرتے، تڑپتے اور دم توڑتے رہے۔ لاشیں اٹھانے کی بھی فرصت نہ تھی۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے مرہٹہ سردار مقابلے پر مجبور ہو گئے یہ مقابلہ صرف جان بچانے کے لیے تھا مگر پنڈارے تو جان لینے آئے تھے، موت کے دامن لہراتے ہوئے ٹوٹ پڑے۔ ہر حملہ پہلے سے شدید تر تھا۔ چڑھتے سورج کے ساتھ ہی جنگ ختم ہو گئی۔ دو ہزار کے لگ بھگ مرہٹے مارے گئے۔ بقیۃ السیف نے بھاگ کر جان بچائی پنڈاروں نے سب کچھ لوٹ لیا، شاہی سراپردہ، بڑے بڑے خیمے، قیمتی ساز و سامان، مطبخ کی دیگیں، پیتل تانبے کے بڑے بڑے دیگچے، ہزاروں ظروف، رسد کا بھاری ذخیرہ بھی ہاتھ لگا۔ لشکر کے اس حصے میں کچھ حسین عورتیں بھی تھیں جو مرہٹہ لشکر کا دل بہلانے ساتھ آئی تھیں۔ ان میں وہ باندیاں اور کنیزیں بھی مل گئیں جنہیں نواب کریم خاں نے مہاراجہ سندھیا کی خوشنودی کے لیے بطور نذرانہ پیش کیا تھا مگر ناچنے گانے والی حسینائیں اور

تعلیم یافتہ کنیزیں جن کی افسر گیتی تھی شاید مہاراجہ کے ساتھ ہی روانہ کر دی گئی تھیں۔

نامدار خاں نواب کو نہ چھڑا سکا۔ وہ تو مرہٹہ سواروں کی حفاظتی دیواروں کے درمیاں بہت آگے جا چکا تھا اور شاید ان دیواروں تک پہنچنا ممکن بھی نہیں تھا مگر اس نے مرہٹہ لشکر کے آخری حصے کو لوٹ کر اور دو ہزار سپاہیوں کو آب مرگ پلا کر مہاراجہ سندھیا کو خبردار کر دیا تھا کہ اُسے پنڈاروں کی دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔ گوالیار کے راج محل میں جب اُسے مرہٹہ لشکر کی تباہی و بربادی کی خبر ملی تو سر پیٹ لیا اور امباجی پہ گرجنے برسنے لگا کہ وہ سپاہیوں کی حفاظت نہ کر سکا۔ اس خبر کے ساتھ ہی دل کا وہ چین بھی رخصت ہو گیا جو نواب کریم خاں کو گرفتار کر کے حاصل ہوا تھا۔

گوالیار میں نواب کی اسیری اور دو ہزار مرہٹہ سپاہیوں کی ہلاکت کی خبر ایک ساتھ پہنچی تھی۔ مہارانی بیجا بائی نے یہ خبر سُنی تو بجلی کی طرح کوندتی، کڑکتی مہاراجہ کے کمرۂ خاص کی طرف چل دی۔ اس نے تو نواب کے ساتھ دوستی کا پیوند کرنے کا مشورہ دیا تھا پھر مہاراج نے اُسے گرفتار کیوں کر لیا؟

مگر جب کمرۂ خاص میں داخل ہوئی تو جو کچھ دیکھا جو کچھ سُنا، وہ اُسے جیتے جی ختم کر دینے کے لیے کافی تھا۔

کمرے میں چاند سے کہیں بڑھ کر ایک خوب صورت عورت موجود تھی۔ نام بھی چاند بائی تھا اور مہاراجہ اپنے مدارالمہام کو ہدایت دے رہا تھا۔ "امباجی! مہاپروہت اور راج جوتشی سے مِل کر بیاہ کی مہورت نکلوانے میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

مہارانی بیجا بائی نے یہ الفاظ سُنے تو سکتے کی حالت میں کھڑی چاند کے ٹکڑے کو دیکھتی رہ گئی۔

Marfat.com

کے ساتھ سفر کیا مہارانی بیجا بائی کے کمرے میں کھڑی اُسے ساری باتیں تفصیل سے سُنا رہی تھی جو اس سفر کے دوران پیش آئیں۔ مہارانی کا حکم تھا کوئی بات خواہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو نظر انداز نہ کی جائے۔ ساوتری بھروسے کی باندی تھی اور اُسی کے ذریعے بیجا بائی مہاراجہ کی حسین سرگرمیوں سے باخبر رہتی تھی۔

اس نے مہاراجہ، اماجی اور چاند بائی کے درمیان ہونے والی پُوری گفتگو بیان کر دی۔ چاند کی شرط اور مہاراجہ کے وچن کی بات ذرا تفصیل سے سُنائی اور بتایا "میں نے مہاراج اور اماجی کے درمیان ہونے والی خفیہ بات چیت بھی سُن لی تھی کیونکہ چاند بائی کو آرام گاہ میں پہنچا کر اور شوبھا کے سپُرد کر کے پھر خیمۂ خاص کی طرف لوٹ آئی اور راہداری میں زنذی کے پردے سے لگ کر ان کی ساری گفتگو سُنتی رہی تھی تاکہ آپ کو تمام حالات سے آگاہ کر سکوں"۔ پھر اس نے بتایا کہ چاند بائی سے بیاہ کی صورت میں مہاراج کو صرف حضور کے پتا سرجی راؤ اور نواب کریم خاں روہیلے سے خطرہ تھا اور نواب اسی لیے گرفتار کیا گیا ہے کہ وہ شادی میں رکاوٹ ڈالنے اور انتقام لینے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔ ساوتری نے یہ بھی کہا کہ اماجی چاند بائی کو اس لیے راج رنواس میں شامل کرنا چاہتا ہے کہ مہارانی کو اس کے حق و اختیار سے محروم کر دے اور راج محلوں پر چاند بائی کی حکومت قائم ہو جائے۔

بیجا بائی کو یہ سب باتیں سُن کر شدید دُکھ ہوا۔ یہ تو جانتی تھی کہ اس کے باپ سرجی راؤ کی اقتدار سے محرومی میں اماجی کا بھی ہاتھ تھا لیکن اب وہ اُسے بھی راج محلوں کی اصلی حیثیت سے محروم کر دینا چاہتا تھا۔ بیجا بائی ناگن کی طرح بَل کھا کر رہ گئی۔ سندھیا کی ہوس پرستی کے افسانے عام تھے۔ راج رنواس حسین عورتوں کا ایک باڑہ تھا۔ اگر اس باڑے میں چاند بائی کا اضافہ ہو جاتا تو کون سی قیامت آجاتی مگر چاند بائی سے بیاہ کا مقصد ہی بیجا بائی کے اقتدار کو ختم کرنا تھا۔ مہارانی نے دل تھام لیا اور ساوتری کو انعام دے کر بولی۔

"دیکھ! نہ تو کوئی غلط بات مجھے بتانا، نہ کوئی ضروری بات مجھ سے پوشیدہ رکھنا۔ اب یہ بتا چاند بائی کیا چاہتی ہے۔ اگر نواب سے پیار تھا تھی تو مہاراج کے ساتھ کیوں آگئی"۔

"مہارانی صاحبہ! میں نے چاند کے دل میں جھانکنے کی بہت کوشش کی لیکن کوئی اور

پھو معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ ساگر کی طرح گہری ہے اور اپنے دل کا بھید نہیں بتاتی۔ جب سے نواب کی گرفتاری کی خبر سنی ہر وقت چُپ رہتی ہے۔ اس نے مہاراج سے کوئی فرمائش بھی نہیں کی۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آتا ہے۔ ایک بار حضور کا ذکر آیا تو کہنے لگی۔ "میں تو مہارانی بیجا بائی کی خادمہ ہوں۔ کاش کوئی یہ بات مہارانی کو بتا دے۔"

یہ سُن کر مہارانی کے ذہن میں ایک کھڑکی کھلی۔ "ساوتری! میں چاند سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"مہاراج نہیں چاہتے کہ کوئی رانی چاند سے ملے۔ آپ کے بارے میں تو خاص تاکید کی گئی ہے۔"

"کچھ بھی ہو، ملاقات کی کوئی تدبیر نکال۔" پھر کچھ سوچ کر خود ہی بولی۔ "پرانے مندر کا باغ اُجاڑ پڑا ہے۔ اُدھر کوئی نہیں آتا۔ کل چاند کو سیر کے بہانے اس باغ میں لے آ۔ کہنا میں ملنا چاہتی ہوں۔"

"بہت اچھا! کوشش کروں گی۔"

"میں کل تیسرے پہر وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

پھر ساوتری دبے پاؤں کمرے سے نکلی اور راج محل کی نیم تاریک غلام گردش میں غائب ہو گئی۔

پرانے مندر کے باغ کی دیواروں کا پلستر اُکھڑ گیا تھا۔ دو بُرجیاں بھی مسمار ہو چکی تھیں۔ کسی وقت یہ باغ گوالیار کی اہم تفریح گاہوں میں شمار ہوتا تھا مگر اب تو تالاب بھی مدت سے خشک پڑا تھا اور کوئی بھولے سے بھی اُدھر کا رُخ نہ کرتا تھا۔ مہارانی بیجا بائی ایک باندی کے ہمراہ تیسرے پہر ہی باغ میں پہنچ گئی اور دیوار کی ٹوٹی بُرجی کے پاس چاند بائی کا انتظار کرنے لگی۔ اس نے ملاقات کے لیے ایک شکستہ بُرجی کو شاید اس لیے منتخب کیا تھا کہ اس کی ذات سے بھی اعتماد کا پلستر اُکھڑ چکا اور دل بُرجی کی طرح ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔

Marfat.com

مہارانی کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چاند بائی ساوتری کے ہمراہ باغ میں آئی اور بیجا بائی کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی۔ قریب پہنچ کر اودھ کی مخصوص تہذیب کے مطابق ہاتھ پیشانی پر لے جا کر سلام کیا اور پُر خلوص لہجے میں بولی "مہارانی! میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا۔"

"چاند! میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں"۔ بیجا بائی نے بھی شفقت کا اظہار کیا "مجھے خوشی ہے کہ تم میری دعوت پر چلی آئیں۔"

"آپ سے ملنے کی آرزو تھی۔"

"دیکھو چاند! میں ایک مہارانی بھی ہوں اور ایک عورت بھی، ہر عورت پہلے اپنا بھلا سوچتی ہے مگر میں اپنے ساتھ تمہارا بھلا بھی چاہتی ہوں۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں لیکن پہلے یہ اطمینان چاہتی ہوں کہ جو کچھ پوچھوں گی اس کا صحیح جواب ملے گا؟"

"فرمائیے، کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟ آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی"۔

بیجا بائی ایک لمحہ ٹھہر کر بولی "کیا تمہیں نواب کریم خاں سے پیار نہیں؟"

چاند بائی نے دل تھام لیا۔ "زندگی میں صرف انہی سے پیار کیا ہے"۔

"پھر تم نواب کو چھوڑ کر امباجی کے ساتھ کیوں چلی آئیں۔ میں نے سنا ہے فیصلہ تمہاری مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگر تم آنا نہ چاہتیں تو تمہارے ساتھ زیادتی نہ کی جاتی"۔

"اگر میں نہ آتی تو یقیناً مہاراج ناراض ہو جاتے پھر زبردستی بھی کی جاتی جنگ بھی ہوتی۔ اور نواب نے جس مقصد کے لیے مہاراجہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا وہ بھی پورا نہ ہوتا۔ میں نے اسی مقصد کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دی ہے"۔

"کس مقصد کی بات کرتی ہو؟"

"ہر انسان کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے مہارانی! نواب کریم خان مہاراجہ کی دوستی اس لیے چاہتے تھے کہ ان سے ریاست کی آزادی اور اپنی فرمانروائی کی سند حاصل کرتے جب مہاراج نے نواب سے میرا مطالبہ کیا اور فیصلہ میری مرضی پر چھوڑ دیا گیا تو میرے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو انکار کر دیتی۔ یہ انکار مہاراج کو مشتعل کر دیتا اور وہ غصے میں نواب کی فرمان

Marfat.com

آزادی کی خواہش کبھی پوری نہ کرتے۔ ہو سکتا ہے ان کی دوستی دشمنی میں تبدیل ہو جاتی۔ میں نے اس خطرے کو محسوس کیا۔ پنڈارے مرہٹوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری صورت یہ تھی مہاراج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے میں مرہٹہ خیموں کا رُخ کرتی اور اس مقصد کو حاصل کرنے میں نواب کا ہاتھ بٹاتی جو انہیں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ میں نے سوچا اگر محبت کی قربانی سے میرے محبوب کا مقصد پورا ہو سکتا ہے تو مجھے اس قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی سوچ کر امبا جی کے ساتھ آنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن میں کتنی بدنصیب ہوں کہ میری یہ قربانی رائیگاں گئی۔ مہاراج نے اپنا وعدہ پورا کرنے کی بجائے نواب کو دھوکے سے بلا کر گرفتار کر لیا اور انہیں زنجیر پہنا کر میرے ساتھ ہی گوالیار لے آئے"۔ اس کے ساتھ ہی چاند بائی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرے۔ رخسار بھیگ گئے۔ نتھنے پھڑکنے لگے اور بے اختیار پلو سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

یہ حالت دیکھ کر مہارانی بیجا بائی کا دل بھی بھر آیا۔ اُسے تسلی دیتی ہوئی بولی" حوصلہ رکھو چاند! جو عورتیں حکمرانوں کی زندگی میں آتی ہیں انہیں بعض اوقات کٹھن حالات سے بھی گزرنا پڑتا ہے"۔

"مگر میں تو اپنی بدنصیبی پر رو رہی ہوں" چاند نے گلوگیر آواز میں کہا۔" آپ عورت ہونے کے ناتے میرا دکھ سمجھ سکتی ہیں۔ میں نے اپنے محبوب کی خاطر جو قربانی دی تھی وہ کسی کام نہ آئی۔ اُلٹے نواب صاحب اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں گے کہ میں نے اُن سے بے وفائی کی۔ یہ صدمہ اُن کے دل کو کاٹ رہا ہوگا لیکن وہ نہیں جانتے کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے؛"

"مگر یہ بھی جانتی ہو۔ مہاراج تم سے بیاہ کی تیاریاں کر رہے ہیں؟"

" بیاہ کی شرط اپنی عزت بچانے کے لیے لگائی تھی۔ میں جانتی تھی نواب یہ بیاہ نہیں ہونے دیں گے مگر وہ گرفتار ہو گئے اور تقدیر نے مجھے مہاراج کے قدموں میں لا پھینکا۔ کاش! مجھے موت آ جائے تاکہ اس المناک سے چھوٹ سکوں"۔

"گھبراؤ نہیں چاند! میں تمہاری مدد کروں گی۔ میرے جیتے جی یہ بیاہ نہیں ہو سکتا"۔

"سچ مہارانی؟"

Marfat.com

"مجھ پر وشواس رکھو" بیجا بائی نے چاند کو بے اختیار گلے سے لگا لیا۔ اس کے آنسو پونچھے اور کہا: "میں اپنے کام نہ آ سکی تو تمہارے کام ضرور آؤں گی"۔

"زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی مہارانی!"

"مگر ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے۔ کسی کو اس کا پتہ نہیں چلنا چاہیے۔ مہاراج کو بھی معلوم نہ ہو کہ تم مجھ سے مل چکی ہو"۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں مہاراج کا صرف اس لیے احترام کرتی ہوں کہ انہوں نے میری مجبوریوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جو وچن دیا تھا، اس پر قائم ہیں"۔

"تم نے انہیں شرط کی جو زنجیر پہنا دی ہے وہ ان کے گلے سے نہیں اتر سکے گی۔ یہی ایک عقلمندی کی ہے تم نے"۔

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے"۔

ملاقات ختم ہوئی تو ساوتری چاند بائی کو لے کر راج محل کو لوٹ گئی تاکہ مہاراج جب شام کو اس سے ملنے آئیں تو وہ اپنے کمرے میں موجود ہو لیکن مہارانی بیجا بائی چاند سے ملنے کے بعد بہت زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔

امبا جی نے گوالیار کے مہا پروہت اور راج جوتشی کو مہاراج کا سندیس پہنچا دیا اور دونوں کو سوموار کے دن بیاہ کی مہورت نکلوانے کے لیے راج محل میں طلب کر لیا تھا۔ مہا پروہت کو صرف لگن منڈل میں بیٹھنا اور دستور کے مطابق بیاہ کے اشلوک پڑھنے تھے۔ اصل کام راج جوتشی کا تھا۔ جسے چاند بائی اور مہاراج کے ستارے دیکھ کر بیاہ کے لیے کوئی شبھ گھڑی نکالنی تھی مگر لگن دھرنے کے لیے جوتشی کے ساتھ مہا پروہت کو اس لیے بلا لیا گیا تھا کہ وہ بھی اپنے وچار کا اظہار کر سکے

مہارانی بیجا بائی نے اُن دونوں میں سے راج جوتشی کا انتخاب کیا اور اتوار کو جب شام کا جھٹپٹا لگ رہا تھا ایک سادہ اوڑھنی میں چھپی اپنی باندی کے ہمراہ راج جوتشی کے آنگن میں داخل ہوئی۔ پہلے تو وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے لیکن جب اوڑھنی میں مہارانی کی شکل دیکھی تو بوکھلا گیا۔

'سرکار! آپ نے تکلیف کیوں فرمائی۔ باندی کے ہاتھ سندیس بھیج دیا ہوتا میں خود حاضر ہو جاتا۔'

'ہمیشہ پیاسا ہی کنوئیں کے پاس آتا ہے جوتشی مہاراج! کنواں کبھی پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔'

راج جوتشی نے جلدی جلدی ورانڈے میں چوکی بچھائی اور خود مہارانی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ 'کیا آگیا ہے میرے لیے۔'

مہارانی کے اشارے پر باندی نے اشرفیوں کی ایک تھیلی جوتشی کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ پریشان سا ہو کر بولا 'یہ کیا ہے سرکار!'

'تمہاری دکھشنا۔'

'میں سمجھا نہیں۔'

مہارانی بڑے فیصلہ کُن انداز میں کہنے لگی۔ 'مہاراج اور چاند بائی کے بیاہ کی مہورت نہیں نکلنی چاہیئے جوتشی جی! چاند بائی علیگڑھ کی ایک طوائف زادی ہے۔ وہاں سے بھاگی تو نواب کریم خاں کی سرکار سے وابستہ ہو گئی۔ اب مہاراج اُسے بندیل کھنڈ سے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ سونے کی یہ ایک سو مُہریں جو تمہیں بھینٹ کی گئیں، کہتی ہیں کہ چاند بائی کے ستارے مہاراج سے نہیں ملتے۔ اگر بیاہ ہُوا تو دونو پر بڑا کشٹ آئے گا۔'

راج جوتشی یہ آگیا سُن کر سکتے میں آگیا۔ 'اگر میں نے کہہ بھی دیا کہ ستارے نہیں ملتے تو ہو سکتا ہے مہاراج کسی دوسرے جوتشی کو بُلا کر پوچھیں۔ اس حالت میں اگر میرا جھوٹ کھل گیا تو مہاراج مجھے کولہو میں پلوا دیں گے۔'

'تمہیں کسی دوسرے سے نہیں صرف اپنے کام سے مطلب رکھنا چاہیئے۔ دوسرے جوتشی سے کچھ کہنا سُننا ہمارا کام ہے۔'

Marfat.com

"میں کوشش کروں گا مہارانی!" راج جوتشی کی ڈوبی ڈوبی آواز بتا رہی تھی کہ خوف کے مارے اس کا دل ابھی سے بیٹھا جا رہا ہے۔

"صرف کوشش نہیں۔ یہ کام تمہیں کرنا ہے۔ کامیابی کے بعد تمہاری اور بھی سیوا کی جائے گی"۔

یہ کہہ کر بیجا بائی اٹھی اور باندی کے ہمراہ بڑی تیزی کے ساتھ دروازہ پار کر گئی۔ راج جوتشی بھاگتا ہوا اندر گیا۔ اشرفیوں کی تھیلی سنبھالی اور اسی وقت لگن کنڈلی لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے تین بار پانسہ پھینکا اور ہر بار جواب اس کی مرضی کے عین مطابق نکلا۔ دوسرے دن وہ مہاراج کے حکم پر راج محل پہنچا تو پروہت پہلے ہی موجود تھا۔ مہاراجہ سندھیا نے اپنا مطلب بیان کیا۔ اور جوتشی سے کہا وہ بیاہ کی تاریخ نکالے۔ راج جوتشی نے کنڈلی پھینکی مہاراج کی جنم پتری دیکھی کچھ لکیریں کھینچیں۔ کچھ حساب لگایا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ "شما چاہتا ہوں مہاراج!"

"کیا بات ہے؟"

"چاند بائی کے ساتھ مہاراج کے ستارے نہیں ملتے"۔

"کیا بکتے ہو؟" مہاراجہ سندھیا غصے میں گرجا۔ "اگر ستارے نہیں ملتے تو چاند بائی نواب کو چھوڑ کر ہمارے پاس کیسے آ گئی؟"

"سچ عرض کرتا ہوں مہاراج! حضور کا شبھ نام سندھیا دن اور رات کے ملنے کے سمے کا نام ہے اور یہ نام بتاتا ہے کہ چاند نام کی کوئی عورت مہاراج کے جیون میں نہیں آ سکتی کیونکہ جب دھرتی اور آکاش ملتے ہیں تو شام ہو جاتی ہے اور دنیا پر اندھیرا چھانے لگتا ہے۔" راج جوتشی پوری طرح مطمئن تھا کیونکہ اس کے حساب کے مطابق نجوم اور جوتش اس کے بیان کی تائید کر رہے تھے۔

سندھیا پریشان سا ہو کر بولا۔ "پہلی رات کا چاند تو اسی سمے دکھائی دیتا ہے جب دن اور رات آپس میں مل رہے ہوں پھر چاند بائی ہمارے جیون میں کیوں نہیں آ سکتی؟"

"یہ میں نہیں مہاراج کی جنم پتری کہہ رہی ہے۔ ان داتا کسی بھی جوتشی کو بلا کر پوچھ

Marfat.com

لیں۔ وہ یہی کہے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"مگر چاند بائی سے ہمارا ملاپ ضروری ہے"۔ سندھیا مہا پروہت سے مخاطب ہوا "پنڈت جی! آپ ہی کوئی شبھ گھڑی دیکھ کر لگن کی تاریخ طے کر دیں۔ ہم بیاہ ضرور کرینگے۔"

"جب چاند بائی کے ستارے ہی مہاراج سے نہیں ملتے تو لگن کی تاریخ کس طرح طے ہو سکتی ہے۔ راج جوتشی نے ٹھیک کہا ہے کہ آپ کا نام سندھیا ہے اور سندھیا کا چاند سے ملاپ نہیں ہو سکتا۔"

مہا پروہت کا جواب سن کر مہاراجہ سندھیا کا چہرہ یوں تاریک ہو گیا جیسے دن اور رات کے ملنے کے سمے سیاہی چھا جاتی ہے اور گھروں کے آنگنوں سے اٹھنے والا دھواں اس سیاہی میں کچھ اور سیاہی بھی گھول دیتا ہے۔ راج جوتشی نے اس کے دل کی مایوسیوں کو بھانپ لیا اور کہا۔

" اگر اس سمے مہاراج نے لگن کے بارے میں سوچا بھی تو بڑا کشٹ آئے گا لیکن تاروں کی چال بدلتی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ملاپ کا کوئی راستہ نکل آئے۔" سندھیا کے چہرے پر امید کی چمک نمودار ہوئی۔ "یہ انتظار کتنی دیر کا ہو گا۔ چند دن یا چند مہینوں کا؟"

"چند سالوں کا بھی ہو سکتا ہے مہاراج! آکاش کی دنیا میں دن اور مہینے تو پلک جھپکنے میں گزر جاتے ہیں"۔

سندھیا کے دل پر پھر چھریاں سی چل گئیں۔ ایک سلطنت کا مہاراج ہونے کے ناتے مہا پروہت اور راج جوتشی کو بھی ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور بجھے دل کے ساتھ بولا۔

"ہم انتظار کریں گے مگر تم انتظار کی گھڑیاں مختصر کرنے کی کوشش کرو۔"

اس کے ساتھ ہی مہا پروہت اور راج جوتشی کو انعام دے کر رخصت کر دیا گیا۔ راج جوتشی جانتا تھا۔ مہاراجہ کی زندگی میں چاند بائی سے وصال کا لمحہ کبھی نہیں آ سکتا مگر اس نے سندھیا کے دل میں امید کی ایک ہلکی سی لو اس لیے روشن کر دی تھی کہ شاید مہاراج

بھی اشرفیوں کے کسی توڑے کا منہ کھول دیں۔

مرہٹہ لشکر پر کامیاب چھاپہ مارنے کے بعد نامدار خاں نے پنڈارہ لشکرگاہ کے خیمے اُکھاڑنے اور ریاست کی طرف واپسی میں دیر نہیں لگائی۔ وہیں سے ایک قاصد بھوپال روانہ کر دیا شہزادی کو مرہٹے کی بدعہدی، فریب دہی اور نواب کی گرفتاری کی اطلاع دینے کے ساتھ یہ درخواست بھی کی تھی کہ بہادر کو فوراً ریاست میں بھیج دیا جائے۔

بہادر نواب کریم خاں کا جواں سال اور جوان ہمت بھتیجا تھا جو بھوپال میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہا تھا۔ نام تو کچھ اور تھا لیکن اپنی دلیری، شجاعت اور چھاپہ مار جنگ میں، جو پنڈاروں کا سب سے کامیاب حربہ تھا "بہادر" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اب اصل نام تو لوگوں کے ذہن سے محو ہو گیا مگر "بہادر" کا لقب نام کے طور پر مقبول تھا۔ اُسے بلانے کا مقصد یہ تھا کہ وہی چچا کا وارث اور اس کی عدم موجودگی میں ریاست پر حکمرانی کا حق و اختیار رکھتا تھا۔ پنڈاروں نے اپنے زورِ بازو سے چھوٹی سی جو ریاست قائم کر لی تھی اس کی حفاظت اور بقاء کا مسئلہ سب سے اہم تھا۔

نامدار خاں کی عقلمندی نے پنڈاروں کو بکھرنے نہیں دیا۔ ریاست میں لوٹتے ہی مہاراجہ سندھیا کے خلاف انتقام کا نعرہ بلند کیا۔ روہیلے، جاٹ، میو، بھیل سبھی نے مہاراجہ کی بدعہدی پر لعنت پڑھی قتل ہونے والے پنڈارہ سرداروں کے بیٹوں، بھائیوں اور عزیزوں نے قسم کھائی کہ مرہٹوں سے انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے تیسرے روز بہادر بھی پنڈاروں کے ایک دستہ کے ہمراہ پہنچ گیا۔ نامدار خاں نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ بہادر نے بھوپال میں ایک فرانسیسی کمانڈر سے فنونِ سپہ گری کی تربیت حاصل کی تھی۔ نئے عزم اور جوان ارادے لے کر آیا تھا۔ کئی روز تک صلاح مشورے ہوتے رہے

Marfat.com

آخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ براہِ راست گوالیار پر حملہ کیا جائے۔
پانچ ہزار برق رفتار سواروں کو دو رسالوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک بہادر کی کمان میں دوسرا نامدار کے تحت پھر ایک رات اس لشکر نے چُپ چاپ کوچ کیا اور چیتیوں کی طرح جنگلوں کے درمیان راستہ بناتے، دِن کو ٹھہرتے، رات کو سفر کرتے، جھانسی کو مشرق کی سمت چھوڑتے سیدھے گوالیار کی سمت بڑھے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی لیکن ایک صبح پڑاؤ کے لیے رُکے تو ناگہاں شِو پور کی طرف سے ایک مرہٹہ فوجی دستہ نمودار ہوا جو گوالیار کی طرف جا رہا تھا۔
مرہٹہ سواروں نے سمجھا کہ مرہٹہ لشکر کسی مہم سے لوٹ رہا ہے۔ گھوڑے بڑھاتے پڑاؤ کی طرف بڑھے اور اس طرح نامدار خاں سے تصادم ہو گیا۔ مرہٹہ دستہ صرف تین سو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ دو سو کے قریب مارے گئے۔ باقی جان بچا کر بھاگے۔ نامدار خاں نے تعاقب کیا۔ چند سوار تعاقب کے دوران بھی ہلاک ہوئے لیکن ایک سو کے لگ بھگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ نامدار پڑاؤ میں پلٹ کر آیا تو بہادر سے مشورہ کرنے کے بعد سارا منصوبہ ہی تبدیل کر دیا کیونکہ اب گوالیار پر حملہ جنگی نقطۂ نظر سے مناسب نہ تھا۔
مرہٹہ سپاہیوں نے گوالیار پہنچ کر دم لیا اور پنڈاروں کی آمد کا راز فاش کر دیا۔
مہاراجہ نے شِو دیشپ راؤ کو حکم دیا کہ دشمن کو گوالیار پہنچنے سے پہلے ہی جا لے۔
شِو دیشپ راؤ سواروں اور پیادوں کے جمگھٹے لے کر نِکلا مگر ادھر تو بساطِ جنگ کے نقشے ہی بدل گئے تھے۔ گوالیار کا ارادہ ترک کر کے بہادر نے مغرب کا رُخ کیا اور نامدار خاں نے مشرق کی طرف پلٹتے ہی تباہی مچا دی۔ شِو دیشپ راؤ کو خبر ملی تو اسی کے تعاقب میں بڑھا مگر وہ بستیاں لُوٹتا۔ آگ لگاتا۔ بجلی کی مانند لپکتا، کڑکتا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا۔ معلوم ہوتا تھا کہیں ٹھہرنا اور مرہٹوں کا مقابلہ کرنا اس کے پروگرام میں شامل ہی نہ تھا۔ بس بستیاں لوٹتا اور مرہٹہ لشکر کو اپنے تعاقب میں دوڑاتا رہا مگر نامدار خاں اپنے منصوبہ کے مطابق اچانک اِدھر سے اُدھر جا نکلتا۔
شِو دیشپ راؤ بدستور تعاقب میں تھا۔ کہیں تصادم کی نوبت نہ آ سکی۔ دونوں

Marfat.com

آگے پیچھے بھاگتے رہے۔ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ ایک دن پتہ چلا کہ نامدار خاں جھانسی کے حاشیے پر گھومتا ہوا بندیل کھنڈ کو لوٹ گیا ہے۔

بہادر نے دریائے چمبل تک تباہی پھیلادی تھی۔ واپسی پر شوپور کے نزدیک اس مرہٹہ لشکر سے مڈبھیڑ بھی ہوئی جو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا مگر پنڈارے جوشِ انتقام میں دیوانے ہو رہے تھے۔ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

بہادر نے فرانسیسی جرنیل سے سیکھے ہوئے داؤ پیچ آزمائے اور مرہٹوں کو تباہ کن شکست دینے میں کامیاب رہا۔ مرہٹہ لشکر پسپا ہو کر گوالیار کی طرف بھاگا اور بہادر بندیل کھنڈ کی طرف پلٹا۔ پندرہ دن کے اندر دونوں رسالے ریاست میں واپس آگئے لوٹ مار سے اتنا مال ہاتھ لگا کہ کئی سال تک کسی نئی غارت گری کی ضرورت نہ تھی۔ کئی بستیاں نذرِ آتش کر دی گئیں۔ چوبے اور پانڈے چن چن کر قتل کیے گئے۔ شودیشپ راؤ بندیل کھنڈ کی سرحد پر چھاؤنی ڈال کر بیٹھ گیا کہ مہاراج کا حکم آئے تو پنڈاروں کی ریاست میں گھس کر ان کی غارت گری کا بدلہ لے۔

مہاراجہ سندھیا کو لوٹ مار کی خبریں ملیں تو تڑپ اٹھا۔ ساتھ ہی بہادر اور نامدار کا پیغام بھی ملا کہ اگر نواب کریم خاں کو کچھ ہو گیا تو گوالیار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ عقلمندی سے کام لیتا تو نواب کو رہا کر کے اپنی غلطی کی تلافی کر سکتا تھا مگر وہ اس دھمکی کو توہین سمجھا اور شودیشپ راؤ کو حکم بھیجا کہ ریاست میں گھس کر پنڈاروں کو نیست و نابود کر دو۔

اسی روز خبر ملی انگریزی فوج علی گڑھ سے گوالیار کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ہوش اڑ گئے۔ اصل دشمن انگریز تھا۔ پنڈاروں کو تو کسی دوسرے وقت بھی سزا دے سکتا تھا۔ فوراً تیز رفتار قاصد شودیشپ راؤ کی طرف دوڑایا کہ واپس آجائے۔ وہ لشکر سمیت خون کے گھونٹ پیتا لوٹا تو اسے انگریزی فوج کو روکنے کے لیے سرحد کی طرف بھیج دیا۔

انگریز کہاں تو مہاراجہ کو ترغیب دے رہا تھا کہ پنڈاروں کو ختم کر دے اور کہاں اب اس کی سیاست یہ کہہ رہی تھی کہ سندھیا کو انہی "لٹیروں" سے بھڑایا جائے۔ ایک سال

کے عرصہ میں بہادر اور نامدار خاں تین بار مرہٹہ علاقوں میں لوٹ مار مچا کر نکل گئے۔ مگر جونہی مرہٹہ لشکر بندھیل کھنڈ کی طرف رُخ کرتے۔ ایک طرف لکھنؤ اور دوسری طرف علیگڑھ سے انگریزی فوجوں کی نقل و حرکت شروع ہو جاتی اور مہاراجہ پنڈاریوں پر حملہ کا ارادہ ملتوی کر کے اپنی سلطنت کی حفاظت میں مصروف ہو جاتا۔ انگریزی خطرہ کے علاوہ مرہٹہ حریف جسونت راؤ ہلکر کا دھڑکا الگ جی کا زیاں بن گیا تھا۔

بندھیل کھنڈ کے جنگلوں میں ایک طرف نواب چیتو کی ریاست نمار اور دوسری طرف کریم خاں کی چھوٹی سی آزاد ریاست کے علاوہ پنڈاروں کی بیشتر آبادیاں اسی علاقے میں واقع تھیں جو شمال کی جانب سے سندھیا کی سلطنت گوالیار اور جنوب مغرب کی طرف مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کی سلطنت اندور سے ملتا تھا۔ مغرب میں کوٹہ، اودے پور اور مشرق میں جھانسی، بھوپال، رتلام اور ساگر کی ریاستوں کا جال پھیلا تھا۔

سندھیا کی بے تدبیری نے پنڈاروں کو اپنا دشمن بنا لیا جب کہ ہلکر ان کی دوستی کا دم بھرتا رہا۔ سندھیا شاہی پنڈارے گوالیار سے اپنا تعلق توڑ چکے مگر ہلکر شاہی پنڈارے ابھی تک اندور سے دوستی کا پیوند رکھتے تھے۔

ان حالات میں جب نواب کریم خاں روہیلہ گوالیار کی جیل میں قید تھا اور بہادر و نامدار خاں کے پنڈارے سندھیا کے سرحدی علاقوں کو بار بار تاخت و تاراج کرنے میں مصروف تھے۔ مہاراجہ کے سارے حریف اس کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلتے نظر آتے۔ تجربہ کار سیاستدان کی طرح سندھیا کی نظریں چاروں طرف لگی تھیں۔ ہلکر کی بجائے ستارہ، شعلہ پور اور ناگپور کی مرہٹہ ریاستوں پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ انگریز کے ساتھ نمٹنے کے لیے بھی اس کا ذہن لومڑی کی مانند نت نئے خاکے بناتا رہتا تھا۔ مگر کریم خاں کو گرفتار کر کے جس مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے زندگی بھر کے تجربات کو ملیا میٹ کر دیا۔ پنڈاروں کو نیست و نابود کر دینے کے تمام ارادے قوت و شوکت کے باوجود پورے ہوتے دکھائی نہ دیتے تھے اور حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ وہ تو کمبل کو چھوڑنا چاہتا تھا لیکن اب کمبل اُسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔

Marfat.com

سندھیا نے ایک سال کے عرصہ میں دوسری بار اپنے قیدی سے ملاقات کی اور اس کے سامنے تجویز پیش کی۔ اگر پنڈارے سلطنت گوالیار سے وفاداری کی ضمانت دے دیں اور نواب اپنے بھتیجے کو یرغمال کے طور پر مہاراجہ کی تولیت میں دینے پر راضی ہو تو اسے رہا کر دیا جائے گا لیکن کریم خاں نے یہ پیشکش پائے استحقار سے ٹھکرا دی۔ بڑے گستاخانہ لہجے میں جواب دیا۔

"مہاراجہ سندھیا! جو حکمران طاقت ور ہونے کے باوجود دوسروں سے فریب کرتا اور اپنے میزبان کو گھر بلا کے دھوکے سے زنجیر پہنا دیتا ہے اس کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

سندھیا اس گستاخی پر تلملا اٹھا مگر غصہ ضبط کر کے سیاست کی زبان میں بولا۔ "تمہیں اپنی ریاست کی آزادی سب سے عزیز ہے اور ہم آزادی و حکمرانی کی سند دے کر تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتے ہیں"۔

"آزادی مانگنے سے کبھی نہیں ملتی۔ صرف قوتِ بازو سے حاصل کی جاتی ہے"۔

"مگر ایک سال پہلے تم نے مابدولت سے اپنی آزادی کی درخواست کی تھی"۔

"وہ ہماری بھول تھی، غلطی تھی اور ہم دوبارہ ایسی غلطی کبھی نہیں کریں گے"۔

"تو تم ہم سے لڑنا چاہتے ہو؟"

"لڑائی آپ نے چھیڑی ہے مہاراج! اور جب تک اس کا فیصلہ نہیں ہو گا، نہ آپ کو چین آئے گا، نہ ہمیں"۔

"مت بھولو کریم خاں! تم ہماری قید میں ہو"۔

"آپ بھی یاد رکھیں، زنجیر بہادروں کا زیور ہے اور جب کٹتی ہے تو زمانہ اس کی جھنکار سے گونج اٹھتا ہے"۔

"عزت زنجیر سے نہیں تاج و تخت سے ملتی ہے"۔

"کبھی ایسا شخص بھی عزت حاصل کر لیتا ہے جس کے گریبان میں پیوند لگے ہوتے ہیں۔ اگر ہم آزادی کی زندگی حاصل نہ کر سکے تو عزت کی موت ضرور مریں گے"۔

"تو تمہیں ہم سے دوستی منظور نہیں؟"

"آپ نے پنڈاروں کو حقیر سمجھ کر جس دشمنی کا آغاز کیا ہے اس کا جواب ہم نہیں ہماری تلواریں دیں گی۔"

سندھیا اچانک مشتعل ہو گیا۔ "تمہاری یہ جرأت کہ ہندوستان کے مہاراج کو للکارتے ہو۔ ہم نے تمہاری رہائی کا جو ارادہ کیا تھا اسے منسوخ کرتے ہیں"۔

"ہمیں بھی بخشی ہوئی آزادی درکار نہیں"۔

سندھیا گرجا۔ "اسے لے جاؤ۔ اب یہ شخص آزادی کے سپنے ہی دیکھتا رہے گا"۔

اور اس حکم کے ساتھ ہی ملاقات ختم کر دی۔

گوالیار کے حالات روز بروز الجھتے جا رہے تھے۔ مرہٹہ دربار جو پہلے ہی سازشوں کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ اب راجپوت اور مرہٹہ سرداروں میں اس طرح تقسیم ہونے لگا کہ واضح طور پر دو گروہ بن گئے۔

سردار سرجی راؤ گھاٹگے خود سامنے نہیں آیا مگر گوالیار سے دور بیٹھا راجپوتوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کوشاں تھا۔ حکومت سے اس کے علیحدہ ہوتے اور امباجی کے برسر اقتدار آتے ہی امورِ دربار اور دوسرے انتظامی معاملات میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان میں مرہٹہ سرداروں کو فوقیت دی گئی تھی۔

"ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت" کی مشہور ضرب المثل کے مطابق امباجی نے جو نیا انتظامی ڈھانچہ کھڑا کیا اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا تھا لیکن حالات کے ساتھ ساتھ اب ان تبدیلیوں پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ سرکاری عزل و نصب سے راجپوتوں کے مفاد

Marfat.com

کو جو دھچکا لگا تھا۔ اس پر اظہارِ خیال ہونے لگا۔

مہاراجہ سندھیا کی ہوس پرستی کی کہانیاں پہلے ہی مشہور تھیں۔ اب چاند بائی کے حوالہ سے وہ کہانیاں پھر دہرائی جانے لگیں اور سرجی راؤ کو موقع مل گیا کہ راجپوتوں کی حق تلفی کے ساتھ اپنی بیٹی کی مظلومیت کا مقدمہ بھی پیش کر سکے جسے محلاتی اقتدار سے محروم کر دینے کی سازش ہو رہی تھی کیوں کہ اماجی چاند بائی کو جس طرح راج رنواس میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد مہارانی بیجابائی کے حکم و اختیار کو ختم کرنا تھا۔

سرجی راؤ نے راجپوت سرداروں کے ذریعے خفیہ ہی خفیہ جو فضا تیار کی اس میں اس بات پہ خاص زور دیا گیا تھا کہ انگریز نے لکھنو اور علی گڑھ کی طرف سے گوالیار کو گھیر رکھا ہے۔ جسونت راؤ ہلکر الگ گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اب مہاراجہ کی بوالہوسی نے چاند بائی سے بیاہ کے شوق میں نواب کریم خاں کو قید کر کے پنڈاروں کی دشمنی بھی مول لے لی ہے۔

افسرِ بکارِ خاص نے اس قسم کی کئی رپورٹیں مہاراجہ کے ملاحظہ کی خاطر پیش کیں۔ راجپوتوں میں پیدا ہونے والی بددلی اور پنڈاروں کی دشمنی کے محرکات پر لوگوں میں جو باتیں ہونے لگی تھیں۔ ان کی تفصیل بھی رپورٹوں میں درج ہوتی تھی۔ جس نے سندھیا کو پہلے سے کہیں زیادہ بدمزاج اور چڑچڑا بنا دیا تھا۔

کمپنی سرکار اور مہاراجہ ہلکر پہلے ہی اس کے دشمن تھے۔ اب پنڈاروں کی عداوت اور مار دھاڑ نے ایک نیا رُخ اختیار کر لیا تھا۔ جنہیں اس نے کبھی اہمیت نہ دی تھی لیکن یہ بھی قسمت کا عجیب و غریب کھیل تھا کہ دولت راؤ سندھیا جیسا زبردست حکمران پنڈاروں کی گوشمالی پر بھی قادر نہ رہا تھا کیونکہ جو نہی وہ ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کرتا ایک طرف انگریزی اور دوسری طرف ہلکری فوجیں حرکت میں آجاتیں۔ حالات کی اس ستم ظریفی نے بھی اُسے بہت پریشان کر دیا تھا۔

ان ساری باتوں کا شاخسانہ چاند بائی تھی جسے اس نے اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ سندھیا کی زندگی میں درجنوں عورتیں آئی تھیں۔ کئی عورتوں سے پریم بھی کیا تھا۔

Marfat.com

انہی میں ایک بیجا بائی تھی جو اس کے دل و دماغ پر راج کرتی رہی تھی لیکن علی گڑھ کے چاند کے سامنے اب اس کی چمک دمک بھی ماند پڑ گئی تھی اور وہ اس کے حصول کی خاطر دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ جوں جوں چاند بائی کے بارے میں باتیں ہونے لگیں۔ سندھیا کے دل میں اس کے پریم کی آگ تیز ہوتی چلی گئی اور وہ اس انتظار میں گھڑیاں گزارنے لگا کہ ایک نہ ایک دن ستارے اس کے ملاپ کی خوشخبری دیں گے۔

اس دوران مہاراجہ نے ایک عجیب و غریب سپنا بھی دیکھا کہ راج محل میں عیش و عشرت کی محفل برپا ہے۔ وہ چاند بائی کے ساتھ لگن منڈل میں بیٹھا ہے۔ مہا پروہت اشلوک پڑھ رہا ہے پھر شہنائیوں کی مدھر موسیقی میں وہ حجلۂ عروسی میں داخل ہوتا ہے۔ اس سپنے کی تعبیر تو یہ تھی کہ وہ مشکلوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونے والا ہے مگر سپنے میں پیش آنے والے مناظر کا دل و دماغ پر اتنا شدید اثر تھا کہ خواب کو حقیقت سمجھ بیٹھا۔ ایک بار پھر راج جوتشی کو بلایا۔ ستاروں کا حال پوچھا اور جوتشی نے چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اپنا سابقہ جواب دہرا دیا۔

"مہاراج! جوتش ودیا کہتی ہے آکاش پر ستارے چال بدل رہے ہیں مگر دھرتی پر حالات بدلنے میں ابھی کچھ سمے باقی ہے"۔

اس بار مہاراجہ نے یہ نہیں پوچھا یہ سمے ہفتوں اور مہینوں کا ہے یا سالوں کا، سپنے کی کیفیت میں کھو کر جیسے برسوں کا انتظار بھی گراں نہ رہا اور اسی خیال میں مگن تھا کہ لگن ضرور ہوگا۔ چاند کی دلبستگی کے لیے گیتی اور اس کے ساتھ تین پڑھی لکھی کنیزیں جو نواب کریم خاں نے "حسین نذرانے" کے طور پر پیش کی تھیں اس محل پر مامور کر دی تھیں جس کا نام بھی "چاند محل" رکھ دیا گیا تھا، چاہتا تھا وہ گوالیار میں خود کو اجنبی اور تنہا محسوس نہ کرے

جب سے گیتی اور دوسری کنیزیں آئی تھیں وہ خوش رہنے لگی اور ان سے باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی تھی۔

سندھیا شام کے لمحے عموماً "چاند محل" میں گزارتا۔ چاند بائی کو دیکھ کر اپنی آدھی پریشانیاں

Marfat.com

بھول جاتا اور اس سے باتیں کرتا ہوا سپنوں میں کھو جاتا تھا۔ دُنیا کی نظروں میں کتنا عیاش اور ہوس پرست سہی مگر چاند کو جو وچن دے بیٹھا اس پر پُوری طرح قائم تھا کیا مجال کہ کبھی نشے کی حالت میں بھی کوئی "حسین فرمائش" لبوں تک آئی ہو۔ ہمیشہ احتیاط کو ملحوظ رکھتا اور رخصت ہوتے وقت کبھی کبھی پُوچھ لیتا تھا" چاند! ہم سے کوئی بھول تو نہیں ہو گئی۔ ہم نے تمہیں پریشان تو نہیں کیا؟"

یہی عادت چاند کو اچھی لگی اور اس کا بے حد احترام کرتی تھی۔ کبھی کبھی دل چسپی کا کچھ سامان بھی فراہم کر دیتی جس سے خوش ہو کر سندھیا اُسے مہارانیوں کے جلاپے کی کہانیاں سُناتا اور اُن کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کرتا تھا۔ چاند اس کی پریم کتھا سُن کر پریشان ضرور ہو جایا کرتی تھی مگر جب سے سندھیا کا سپنا سُنا تھا ایک عجیب سا سکون محسوس کرنے لگی تھی۔ شاید اس کا خیال تھا، خوابوں کی تعبیر ہمیشہ نہیں تو اکثر اُلٹ ہوتی ہے۔

گوالیار میں اسے کوئی تکلیف، کوئی پریشانی نہ تھی۔ اگر پریشانی تھی تو صرف کریم خاں کی قید و اسیری کی۔ دِل تڑپتا تھا تو اپنے محبوب کی مصیبت پر جسے ریاست کے دارالقرار سے جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔ رات کی تنہائی میں یہ خیال سانپ بن کر ڈسنے لگتا کہ نواب پر اسیری کی آفت اسی کے باعث ٹوٹی ہے۔ وہ اسی کی بدولت زنجیر میں جکڑ دیا گیا ہے۔ اس خیال سے تڑپ تڑپ جاتی اور کئی کئی دن شاخ سے ٹوٹتے ہوئے پھول کی طرح مُرجھائی مُرجھائی رہتی تھی۔ یہاں نواب کی خبر دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اندر ہی اندر جلتی سُلگتی رہتی۔ کبھی سوچتی کاش ...... وہ اُسے قید سے چھُڑا سکے۔ کاش ...... کوئی ایسا شعبدہ ظہور میں آئے کہ پنڈارے یلغار کرتے گوالیار میں گھُس آئیں اور نواب کو جیل سے نکال کر لے جائیں لیکن خود مجبور و بے بس تھی اور پنڈارے مرہٹوں کے مقابلے میں بے حد کمزور تھے۔

نواب کی اسیری پر دوسرا سال ختم ہو رہا تھا اور پنڈاروں کی سرگرمیاں صرف سرحدی بستیوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کی لوٹ مار روکنے کے لیے مرہٹے بندیل کھنڈ کے آس پاس چھاؤنیاں ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔ جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم ہو گئی تھیں۔ گوالیار کو آنے والا

Marfat.com

ہر راستہ تلواروں، بھالوں، بندوقوں اور زرری کے پرچموں سے گھرا ہُوا تھا۔ گوالیار تک یلغار پنڈاروں کی طاقت سے باہر تھی پھر رہائی کا شعبدہ کیسے ظہور میں آتا ؛ نواب کریم خاں اُونچی اُونچی دیواروں کے قید خانے میں اور وہ خود مہاراجہ سندھیا کے دِل و دماغ کے حصار میں اسیر تھی ۔

اس قید میں اطمینان کا کوئی پہلو تھا تو صرف اس قدر کہ مہارانی بیجا بائی اس کی ہمدرد و غمگسار بن گئی تھی۔ ایک ہی دردِ مشترک نے دو عورتوں کو ایک دوسری سے قریب کر دیا تھا۔ کبھی چوری چھپے ملاقات بھی ہو جاتی۔ ورنہ ساوتری اور گنیتی ان کے درمیان پیغام رسانی کا فرض ادا کرتی تھیں ۔

بیجا بائی نے چاند کے حال پر ایک مہربانی اور کی۔ جیل کے ایک راجپوت سنتری کے ذریعے نواب کو ہمدردی کا پیغام بھیجا اور چاند بائی کی قربانی کی داستان سے آگاہ کیا کہ وہ صرف اس لیے اماجی کے ساتھ آنے کا فیصلہ کر بیٹھی تھی کہ کہیں ریاست کی آزادی کا فرمان معرضِ خطرہ میں نہ پڑ جائے، کہیں مہاراج ناراض ہو کر نواب کو حکمرانی کی سند دینے سے انکار نہ کر دیں ۔ بچاری کو کیا خبر تھی کہ یہ قربانی رائیگاں جائے گی اور نواب کے ساتھ دھوکہ کیا جائے گا ۔ مہارانی نے یہ بھی کہلوا بھیجا وہ ذاتی طور پر نواب سے ہمدردی رکھتی اور اس کی رہائی چاہتی ہے مگر خود کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ جیل کی دیواریں مضبوط اور اس کے ہاتھ کمزور ہیں ۔ تاہم اتنا یقین دلایا تھا کہ اس کے جیتے جی چاند کی عزّت پر کوئی آنچ آ سکتی ہے نہ مہاراجہ کا سپنا پُورا ہو سکتا ہے ۔

روہیلہ نواب چاند کی قربانی اور وفاداری کے اس پہلو سے بالکل بے خبر تھا ۔ وہ چاند بائی کی "بے رُخی" کو کوئی معنی نہ پہنا سکا تھا۔ یہی سمجھتا رہا کہ طوائف زادی تھی ۔ دولت و اقتدار کے لالچ میں آ گئی ۔ شریف زادی ہوتی تو جان دے دیتی لیکن جانے کا نام نہ لیتی ۔ اس کی "بے رُخی" کو ترکِ تعلق اور بے وفائی پر محمول کر کے خود ہی گھائل ہوتا رہا تھا۔ چاند نے تعلق توڑا تھا سندھیا نے زنجیر پہنائی تھی ۔ دونوں گھاؤ بڑے گہرے اور جان لیوا تھے ۔ بظاہر زنجیر میں جکڑا ہُوا بھی گستاخ و شوریدہ سر دکھائی دیتا تھا مگر اصل میں جینے

سے بیزار ہو چکا اور مرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ اب جو چاند بائی کی قربانی کا حال سُنا اس کے تعلق توڑ لینے کی حقیقت کھلی تو قید خانے کی دیواروں سے سر ٹکرانے اور گھائل پنچھی کی مانند تڑپنے، پھڑ پھڑانے لگا۔ بار بار اپنے آپ کو کوستا اور کال کوٹھڑی کی گونگی، بہری دیواروں سے باتیں کرتا تھا۔

کریم خاں نے وہ رات نمدے کے بستر پر کروٹیں بدلتے، غمِ محبت میں جاگتے، تڑپتے اور اپنی رہائی کی تدبیریں سوچتے گزار دی۔ کہاں تو محبت اور سیاست کی بازی ہار دینے کے بعد اس قدر دل شکستہ ہو گیا کہ قید کی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگا تھا۔ کہاں چاند بائی کی قربانی اور وفا کی حقیقت جان کر یک لخت بدل گیا۔

دِل میں زندہ رہنے کا شعلہ پوری شدت کے ساتھ بھڑک اُٹھا۔ نبضوں میں خون کی گردش تیز تر ہو گئی مگر اَب جینا چاہتا تھا تو صرف اس لیے کہ چاند کو مہاراجہ سندھیا کی قید سے چھڑا سکے اور اس سے ایسا انتقام لے کہ زمین و آسمان بھی کانپ اُٹھیں۔

اُس رات کی صبح نئی زندگی کے ولولوں کے ساتھ طلوع ہوئی۔ اب اس نے جیل سے فرار کی ٹھان لی جس کا پہلے کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ دروازے کے چھوٹے سے روزن سے بار بار جھانکتا اور اس راجپوت سنتری کو ڈھونڈتا تھا جو مہارانی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ یقیناً اس کے کام آسکتا تھا مگر کئی روز کی تانک جھانک کے باوجود اس کی صورت نظر نہ آسکی۔ یہ اُمید بندھ گئی تھی کہ شاید مہارانی کی طرف سے پھر کوئی پیغام آئے لیکن یہ آس بھی پوری نہ ہوئی۔ دن، ہفتے، مہینے گردشِ حالات کی گرد اُڑاتے گزرتے چلے گئے۔ دل میں زندگی کا جو شعلہ بھڑکا اُسے وقت کی سرد مہری بجھانے پر تُلی ہوئی تھی۔ مہاراجہ سندھیا کے سلوک سے معلوم ہوتا تھا اسے کبھی رہا نہیں کرے گا۔ اور وہ اسی کال کوٹھڑی میں تڑپ تڑپ کر، گھٹ گھٹ کر مر جائے گا مگر کریم خاں اب جیل میں مرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

اسیری پر تیسری برسات گزر رہی تھی۔ کئی دن سے جھڑی لگی تھی مسلسل بارش سے جیل کے محافظ، پہریدار، سنتری سب بھیگی بلی بنے اِدھر اُدھر دبکے ہوئے تھے اور کریم خاں

اپنی کوٹھڑی میں کھڑکی کے پاس کھڑا برستے پانی کا نظارہ کر رہا تھا۔ یہ کھڑکی اُس نالے کی طرف کھلتی تھی جو اس کی کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ ساتھ بہتا تھا۔

نالہ زیادہ چوڑا تو نہیں تھا البتہ پندرہ سولہ فٹ گہرا تھا۔ دونوں جانب چھوٹی اینٹوں کی مضبوط عمودی دیواریں تھیں۔ عام حالات میں اس کا پانی کناروں سے دس گیارہ فٹ نیچے بہتا اور ایک فرلانگ کے فاصلے پر جیل کی بلند اور مضبوط فصیل سے گزرتا تھا جہاں دو چوڑے چوڑے درّے بنے ہوئے اور ان میں لوہے کے بھاری جنگلے نصب تھے۔ فصیل کے اِن درّوں کی دونوں جانب دو کوٹھڑیاں یا بارکیں تھیں جہاں ہر وقت سنتری موجود رہتے تھے۔

برسات کے موسم میں نالہ کناروں تک بھر جاتا اور پانی کے تیز دھارے سیلاب کی طرح گزرتے تھے۔ ان ایّام میں پانی کے اخراج کی خاطر دونوں درّوں میں لوہے کے جنگلے اُوپر اُٹھا دیے جاتے تھے تاکہ تیز دھاروں اور پانی کے دباؤ سے فصیل نہ ٹوٹنے پائے۔

کریم خاں نے نالے کو دیکھا اور سوچا اگر وہ کسی طرح اس نالے میں چھلانگ لگا سکے تو پانی میں تیرتا ہُوا فصیل پار کر سکتا ہے۔ یوں تو اس عرصے میں فرار کی کتنی ہی تدبیریں سوچی تھیں مگر یہ تدبیر سب سے بہتر تھی اور اس پر صرف برسات کے موسم میں عمل ہو سکتا تھا جب نالہ کناروں تک بھر جاتا تھا ورنہ عام حالات میں اس کا پانی دس گیارہ فٹ نیچے بہتا اور اس میں کُودنا موت کو گلے لگانے کے مترادف تھا کیونکہ اتنی بلند عمودی دیوار پر چڑھ کر کنارے تک پہنچنا ناممکن تھا پھر فصیل کے درّوں میں آہنی جنگلے بھی نیچے گرے رہتے تھے اور صرف برسات کے دنوں میں اُوپر اُٹھائے جاتے تھے۔

فرار کی یہ تدبیر خطرناک ضرور تھی کیونکہ اگر کوئی پہرے دار نالے میں کُودتا ہُوا دیکھ لے تو اسے بندوق کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن کریم خاں نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا ساون کا مہینہ آدھا گزر چکا تھا اور نالہ صرف ساون بھادوں میں کناروں تک چڑھتا تھا۔ اس کے پاس فرار کے لیے صرف ڈیڑھ مہینہ تھا۔ اگر وہ کسی طرح نالے کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی مضبوط سلاخیں اور اپنے پاؤں کی زنجیر کاٹ سکے تو رہائی ممکن تھی۔

کوٹھڑی کے اندر بھی لوہے کی زنجیر ہر وقت اس کے پاؤں میں رہتی تھی جس

Marfat.com

کا مضبوط آہنی کڑا دیوار میں پیوست تھا۔ یہ اہتمام اس لیے ضروری سمجھا گیا تھا کہ کریم خاں فرار کی سوچ بھی نہ سکے۔ اب اس نے کسی ایسی چیز کی تلاش شروع کر دی جس سے پاؤں کی زنجیر اور کھڑکی کی سلاخیں کاٹ سکے لیکن ایسی چیز دستیاب کہاں سے ہوتی ؛

اس کی نظر دیوار میں پیوست لوہے کی ایک سلاخ پر پڑی جو غالباً دوسرا کڑا نصب کرنے کے لیے ٹھونکی گئی اور اسی حالت میں چھوڑ دی گئی تھی۔ کریم خاں اس سلاخ کو اُکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ کھانے میں اُسے ہفتے میں دو بار گوشت بھی دیا جاتا تھا۔ اس نے چند ہڈیاں احتیاطاً چھپالی تھیں۔ انہی کی نوک سے پختہ دیوار کو کریدتا رہا اور کئی روز کی لگاتار کوشش سے آخر سلاخ اُکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا جو پانچ چھ انچ سے زیادہ طویل نہ تھی۔ اس کامیابی پر تیرہ چودہ دن کی مسلسل محنت اور مشقت بھی بھول گئی۔ اب اس سلاخ سے پاؤں کی زنجیر کی کوئی کڑی یا اس کا قفل توڑنے کی کوشش شروع کر دی مگر کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی جد وجہد میں ساون بیت گیا بلکہ بھادوں کی کئی تاریخیں بھی گزر گئیں لیکن زنجیر اتنی مضبوط ثابت ہوئی کہ کریم خاں کی ہمت جواب دے گئی۔

برکھا رُت اس کی بدنصیبی پر آنسو بہاتی رخصت ہو گئی۔ نالے کا پانی پھر اُترنا شروع ہو گیا تھا۔ کتک کے مہینے میں اس کی سطح دس گیارہ فٹ تک گر گئی۔ کریم خاں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ اب نالے کے رستے فرار کی کوشش ہی بے سود تھی۔ سوچنے لگا شاید قدرت کو اس کی رہائی منظور نہیں۔ ہمت پر مایوسی چھانے لگی۔ حوصلوں کی دیوار گرتی ہوئی نظر آئی مگر چاند کی اسیری اور مجبوری کا خیال نبضوں میں آگ سی بھر دیتا تھا۔ دولت راؤ سندھیا سے انتقام لینے کی تڑپ کسی پہلو چین نہ لینے دیتی تھی

اب فرار کی نئی تجویزیں، نئی تدبیریں سوچنے لگا۔ اصل مسئلہ پاؤں کی زنجیر تھا جب تک یہ زنجیر نہ ٹوٹے، فرار ممکن نہ تھا۔ نہ جانے کس آہن گر نے یہ زنجیر ڈھالی اور اس کا قفل تیار کیا تھا۔ کریم خاں کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ وقت کچھوے کی رفتار سے گزرتا رہا۔ بدنصیبی کے دن کچھ ایسے طویل ہو جاتے ہیں کہ ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی محسوس ہونے لگا۔

Marfat.com

اسی کش مکش میں اسیری کا چوتھا سال گزرنے لگا اور برسات کا موسم پھر آ لگا۔ اب کے ساون کے ساتھ ہی موسلا دھار بارشیں ہونے لگی تھیں۔ کریم خاں اپنی کال کوٹھڑی میں زنجیر پہنے پھر کھڑکی سے نالے کو دیکھ رہا تھا جس کی سطح چند ہی روز میں بلند ہو گئی اور پانی کناروں سے چھوتا ہوا بہنے لگا تھا۔ دل میں جذبات کی لہریں موجزن تھیں مگر ذہن میں فکر و یاس کے بھنور گردش کر رہے تھے کہ شاید مرہٹوں کی قید سے رہائی ممکن ہی نہیں کہ ناگہاں کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

مہارانی بیجا بائی کا کوئی عزیز مر گیا تھا۔ اس کے کریا کرم پر شرادھ تقسیم ہوا اور مہارانی نے مہاراجہ سے اجازت حاصل کر لی تھی کہ جیل کے تمام قیدیوں میں بھی شرادھ بانٹا جائے گا۔ راج محل کی باندیاں کانسی کی بڑی بڑی طشتریوں میں شرادھ کے پراٹھے لے کر خود جیل میں آئیں بھیگتے موسم میں جب دروازہ کھلا تو ایک باندی پراٹھوں کی طشتری لیے نواب کی کوٹھڑی میں بھی داخل ہوئی۔ دروازہ کے مرہٹہ پہرہ دار نے بتایا کہ مہارانی بیجا بائی نے شرادھ کی روٹی بھیجی ہے۔ باندی نے نواب کی آنکھوں میں آنکھیں ملائیں۔ کچھ اشارہ کیا اور کریم خاں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ گیتی تھی۔

اس نے طشتری نواب کے سامنے رکھی اور جھکتے وقت مدھم آواز میں جیسے شاخوں میں ہوا سرسراتی ہے۔ چاند بائی کا سلام عرض کیا۔ پھر تیزی سے مڑی۔ کوٹھڑی کا دروازہ ایک دھمکے سے بند ہوا اور مقفل کر دیا گیا۔

یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ گیتی کی آمد کچھ ایسی اچانک اور واپسی اتنی تیزی سے ہوئی کہ کچھ کہنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ آندھی کی طرح آئی اور بگولے کی مانند لوٹ گئی تھی۔ نواب چشم حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ چاند بائی کا نام اور سلام بادِ نسیم کی نکہت بدوش لہر کی طرح سماعت سے ٹکرایا تھا۔ دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی اور دروازہ بند ہو جانے کے بعد بھی کئی لمحے اسی کیفیت میں ڈوبا رہا جس میں گیتی اسے دھکیل گئی تھی۔

یہ خود رفتگی دور ہوئی تو شرادھ کا خیال آیا۔ مہارانی بیجا بائی کے عزیز کا کریا کرم گیتی کی آمد، چاند کا سلام، سب ایک ہی زنجیر کی کڑیاں تھیں۔ ایک کے بعد دوسرا پراٹھا اٹھایا

Marfat.com

نو ضرورت سے زیادہ بھاری لگا۔ جلدی سے چاک کیا تو اندر سے چھوٹا سا خنجر اور ایک لمبوتری کنجی برآمد ہوئی۔ حیران رہ گیا۔ ان چیزوں کا مصرف سمجھنا مشکل نہ تھا۔ یہ شہزادہ فرار کا پیغام لے کر آیا تھا۔ کنجی اٹھا کر پاؤں کی زنجیر کے قفل میں گھمائی اور فرطِ مسرت سے اچھل پڑا۔ وہ قفل جو ڈیڑھ دو سال کے دوران متعدد کوششوں کے باوجود کھلنے کا نام نہ لیتا تھا صرف دوسرے جھٹکے میں کھل گیا۔ اب وہ کم از کم کوٹھڑی کے اندر آزاد تھا۔ اچانک خیال آیا، فرار کی فوری کوشش مناسب نہ ہوگی۔ ممکن ہے شہزادہ بانٹنے والی نازک کلائیاں مروڑ دی جائیں۔ خنجر آستین میں چھپایا پاؤں میں پھر زنجیر پہن لی اور قفل لگا کر کنجی شلوار کے نیفے میں محفوظ کر لی۔

زنجیر کھل گئی مگر فرار کے لیے مناسب وقت کا انتظار تھا۔

اب کے برسات کا موسم قیامت کی خبر لے کر آیا تھا۔ برسات اور وہ بھی اودھ اور بندیل کھنڈ کی ہندوستان میں ہمیشہ مختلف ہوتی ہے لیکن اس مرتبہ تو مضمون ہی کچھ اور تھا جل تھل ایک ہو رہے تھے۔ گھنے گھور بادل گھر گھر کے آتے جیسے مست ہاتھیوں کے دَل چنگھاڑتے پھنکارتے اور زمین کی چھاتی دہلاتے بھاگے آتے ہوں۔ آن کی آن میں آسمان سیاہ پڑ جاتا ۔ چاروں طرف اندھیرے سے چھا جاتے۔ ان اندھیروں میں کوندے لپکتے، بجلی کڑکتی۔ آسمان پر ڈھول بجنے لگتے جیسے دو لشکر میدان میں اتر رہے ہوں۔ پھر دھما دھم، چھما چھم پانی برسنے لگتا اور ندی نالے کناروں سے اچھل پڑتے ۔ ساون نے آتے ہی جھڑی لگا دی تھی۔ کئی دن سے لوگ گھروں میں دُبک کر بیٹھ گئے تھے۔ بازار بند، کاروبار بند اور آمد و رفت کے تمام ذرائع مسدود ہو کر رہ گئے تھے۔ چھاجوں پانی برس رہا تھا اور اس کے ساتھ مکانوں کی چھتیں بھی ٹپکنے لگی تھیں۔

فوجی چوکیوں اور چھاؤنیوں میں سپاہیوں کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں لیکن پنڈاروں

Marfat.com

نے برسات کے اسی قیامت خیز موسم میں گوالیار کو تاخت و تاراج کرنے کی ٹھانی تھی۔

بہادر اور نامدار خاں اپنے برق رفتاروں کو لے کر نکلے اور سرحدی چوکیوں کے درمیان سے کوندے کی مانند لپکتے جھپکتے مرہٹہ سلطنت پر ٹوٹ پڑے۔ اس وسیع پیمانے پر لوٹ مار ہوئی کہ بستیوں کی بستیاں صاف ہو گئیں۔

پنڈارے تقریباً دو سال کی پُراسرار خاموشی کے بعد اپنی کچھاروں سے نکلے اور مرہٹہ چوکیوں کو تہس نہس کرتے آگے بڑھے تھے۔ اس زلزلے کے جھٹکوں سے گوالیار ہل گیا۔

یہ بھی خبر ملی تھی کہ پنڈارے اندور کی راجدھانی اُجین میں مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کے فوجی مشیروں سے ساز باز کر کے آئے ہیں۔ مہاراجہ سندھیا نے اپنے مدارالمہام امباجی کو حکم دیا کہ وہ خود مقابلے کے لیے نکلے اور پنڈاروں کے ساتھ اُن کی ریاست کو بھی تباہ و برباد کر دے۔

امباجی بڑے لشکر کے ساتھ زری کے پرچم لہراتا کرّ و فر کے ساتھ روانہ ہوا مگر زری کے پرچموں نے برسات میں لہرانے سے انکار کر دیا۔ بھیگے پرچم بانسوں سے چمٹ کر رہ گئے۔

ادھر موسلادھار بارشوں کی وجہ سے ندی نالے اُچھل رہے تھے۔ راستے مسدود اور لشکر کا سامان لے کر چلنے والی گاڑیاں نقل و حرکت سے معذور تھیں۔ نہ بیل گاڑیاں کھینچتے تھے نہ گدھے اور خچر کام دیتے تھے۔ پہیے پانی اور کیچڑ میں دھنس دھنس جاتے۔ امباجی بڑے حملے کی تیاری کر کے نکلا تھا۔ توپیں بھی ہمراہ تھیں مگر توپوں کو کھینچنے والے گھوڑے چند قدم کے بعد ہانپنے لگ جاتے تھے اور پنڈاروں کی گوشمالی کرنے کے لیے جس تیزی اور تیز رفتاری کی ضرورت تھی اس کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ فوجی مہم آغاز ہی میں ناکام ہوتی نظر آنے لگی۔

راجپوت سرداروں کو امباجی کی کمان پر طعنہ زنی کا موقع مل گیا اور سرجی راؤ گھاٹگے کی لگائی ہوئی آگ اندر ہی اندر سلگنے لگی۔ امباجی نے بڑے حملے کا منصوبہ ترک کر کے سواروں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بانٹ کر پنڈاروں کے تعاقب میں دوڑایا۔ بہادر اور نامدار خاں بھی اب تک غارت گری کی بساط کے سارے نقشے ذہن میں جما کر حملہ آور ہوئے اور دشمن کی نقل و حرکت کی پوری خبر رکھتے تھے۔

دونوں حریف ایک دوسرے کی تاک میں تھے۔ مرہٹوں کا ایک بڑا دستہ جس کی کمان

Marfat.com

مہاراجہ سندھیا کی ایک مرہٹہ رانی کا بھائی کر رہا تھا، پنڈاروں کے گھیرے میں آگیا۔ بہادر نے مرہٹہ دستوں سے اس کا ہر تعلق کاٹ کر رکھ دیا۔ نامدار خاں نے امباجی کو اپنی طرف اُلجھا لیا اور اِدھر اُدھر بھگانے لگا۔ اس عرصے میں ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد راجکمار نے ہتھیار پھینک دیئے اور مرہٹوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا

امباجی گوالیار سے بہادر خاں اور نامدار خاں کو باندھ لانے کا دعویٰ کر کے چلا تھا۔ مرہٹہ دستہ کے ساتھ مہاراج کے سالا جی کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ بہادر کو پیغام بھیجا کہ تاوان لے کر راجکمار کو چھوڑ دو مگر اس نے بدلے میں نواب کریم خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

امباجی اِدھر تو راجکمار کو چھڑانے کے لیے بات چیت کی چال کھیل رہا تھا۔ اُدھر بہادر کے رسالہ کو گھیرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس نے راجکمار کو چھڑانے اور پنڈاروں پر شب خون مارنے کے لیے اپنی کمان میں ایک دستہ تیار کیا جو صرف مرہٹہ سرداروں اور سواروں پر مشتمل تھا۔ اس میں کسی راجپوت کو شریک نہیں کیا گیا: اس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے راجپوتوں پر اعتماد نہیں رہا۔ امباجی کو فوراً ہی اس حماقت کا جواب مل گیا۔ ایک راجپوت سردار نے بہادر کو خفیہ طور پر شبخون کے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

دوسری مصیبت یہ ٹوٹی کہ جب امباجی نصف شب کے قریب اپنے مرہٹہ سرداروں کے ہمراہ شبخون مارنے نکلا زور کی بارش شروع ہو گئی۔ وہ اس بارش کو اپنے لیے نیک فال سمجھا کہ پنڈارے خیموں میں دبک کر آرام کر رہے ہوں گے یہ آسانی سے اُنہیں مار لے گا اور اگلا پچھلا سارا حساب بے باق کر دے گا مگر نہیں جانتا تھا کہ بہادر نے اس کے استقبال کا کیسا عمدہ انتظام کر رکھا ہے

شبخون کے شوق میں مرہٹہ سوار بارش میں بھیگتے اس جنگل میں گھستے چلے گئے جہاں پنڈارے چھاؤنی ڈالے بیٹھے تھے۔ بارش کے ساتھ تیز ہوا سے سارا جنگل ایک پُراسرار سی "شائیں شائیں" اور ہواؤں کی سیٹیوں سے گونج رہا تھا۔

مزاحمت کا کوئی نشان دکھائی نہ دیتا تھا مگر جب مرہٹے جنگل میں کافی دُور تک

نکے نکل آئے۔ اُن کا استقبال شروع ہو گیا اور درختوں کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے پنڈاروں کی بندوقیں دھاڑنے لگیں۔ وہ جنگل میں ہانکا کرنے والوں کی طرح مختلف اطراف سے داخل ہوئے تھے اور بندوقیں بھی مختلف اطراف سے داغی جا رہی تھیں۔ آن کی آن میں بیسیوں سوار خون اور کیچڑ میں لوٹ گئے۔ برستے پانی، ڈھول بجاتے بادلوں اور شور کرتی طوفانی ہواؤں میں بندوقوں کی خوفناک آوازوں، گرتے ہوئے سواروں کی چیخوں اور گھوڑوں کی ہنہناہٹوں کے شور کا اضافہ قیامت کی خبر دینے لگا۔

مرہٹوں کی بدقسمتی یہ تھی۔ وہ اندھیرے کی وجہ سے درختوں میں چھپ کر بیٹھے پنڈاروں کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے مگر خود بے تحاشا اُن کی بندوقوں کا شکار ہو رہے اور اِدھر اُدھر بھاگے پھرتے تھے۔ اچانک بجلی چمکی تو پنڈارہ سوار ایک دیوار کی طرح سامنے کھڑے نظر آئے اسی لمحے بہادر کی آواز گونجی۔

"امباجی پر گولی نہ چلانا اسے زندہ گرفتار کرنا ہے"۔

یہ الفاظ سن کر امباجی کے چھکے چھوٹ گئے۔ فوراً واپسی کا بگل بجایا اور خود سواروں سے کٹ کر ایک طرف بھاگا کہ دھوکہ دے کر نکل جائے۔ بہادر نے اس کا ارادہ بھانپ کر گھوڑا تعاقب میں ڈال دیا اور فوراً سر پر آ پہنچا۔ گھوڑا قریب لا کر نیزہ مارا مگر مرہٹہ کندھے پر زخم کھا کر نکل گیا۔

ایک گڑھا پھلانگتے ہوئے بہادر کا گھوڑا پھسلا۔ اس کے ساتھ وہ بھی گرا مگر دونوں فوراً سنبھل گئے۔ اس اثنا میں امباجی دور نکل گیا تھا۔

اس شبخون میں اڑھائی تین سو بہترین سوار ہلاک اور ایک سو کے لگ بھگ زخمی ہوئے۔ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کے ساتھ وہ بھی پنڈاروں کے ہاتھ لگے۔ راجپوت سرداروں نے صرف امباجی کو اس شکست و ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا جس نے راجپوتوں پر اعتماد نہیں کیا تھا یہ بات بڑھی اور مہاراجہ تک پہنچی جس نے امباجی کو فوراً گوالیار میں طلب کر لیا۔ جہاں دیدہ سندھیا نے راجپوت اور مرہٹہ سرداروں کی کشمکش کو بڑی ہوشیاری سے ختم کرنے کی کوشش کی۔

راجپوتوں سے پوچھا کہ پنڈاروں کی غارت گری کا کیا علاج کیا جائے؟ انہوں نے

نواب کریم خاں کی رہائی کا مشورہ دیا۔ اماجی سے تنہائی میں گفتگو ہوئی تو وہ بھی کہنے لگا۔ "مہاراج! جب تک نواب قید ہے پنڈارے لوٹ مار سے باز نہیں آئیں گے"۔

سندھیا چند لمحے سوچتا رہا پھر حکم دیا۔ "اماجی! تم خود کریم خاں سے جا کر ملو۔ اگر وہ ضمانت دے دے کہ پنڈارے آئندہ گوالیار کو تاخت وتاراج نہیں کریں گے تو ہم اُسے رہا کر دیں گے مگر پنڈاروں کو بھی تمام مرہٹہ قیدی رہا کرنے ہوں گے۔ بہادر اور نامدار خاں کو بھی سندیس بھیج دو کہ مرہٹہ قیدیوں کے بدلے ہم نواب کو رہا کرنے پر تیار ہیں"۔

دوسرے دن مرہٹہ مدارالمہام نواب کریم خاں سے رہائی کی شرطیں طے کرنے کے لیے صبح سویرے جیل میں پہنچ گیا لیکن یہ خبر سنتے ہی پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ نواب رات کو قید خانے سے فرار ہو گیا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کسی کو اس کے فرار کی خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ رات وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی سنتری اور پہریدار سب کمروں میں دبک کر سو گئے تھے۔ آدھی رات کے وقت اتفاقاً ایک ملازم یہ دیکھنے کے لیے کہ بارش تھمی ہے یا نہیں۔ جب کمرے سے نکلا تو اس نے اندھیرے میں کسی کے نالے میں کودنے کی آواز سنی اور فصیل کے سنتریوں کو جو نالے کے دروں سے ملحقہ بارکوں میں پہرے پر تھے آواز دے کر پوچھا کہ نالے میں کون کودا ہے؟ بارش کے شور کی وجہ سے آواز سنتریوں تک نہ پہنچ سکی، غالباً وہ سو رہے تھے تیسری یا چوتھی آواز پر وشوا ناتھ سنتری نے جواب دیا۔ "اس موسم میں بھلا کون نالے میں کودے گا۔ تم بھی آرام کرو"۔

مگر صبح دیکھا تو نواب کریم خاں کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا اور مرہٹہ پہریداروں میں سے ایک دروازے کے باہر اور دوسرا کوٹھڑی کے اندر مرا پڑا تھا۔ داروغہ جیل یہ خبر سنتے ہی حواس باختہ ہو گیا۔ فرار ہونے والا قیدی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔

Marfat.com

فوراً پچیس تیس سپاہی تلاش میں دوڑا دیئے۔ کھوجی بلوائے انہوں نے کھلا کمرہ دیکھا اور زنجیر کا قفل دیکھ کر بتایا کہ کنجی سے کھولا گیا ہے۔ یہ سن کر داروغہ لرز اٹھا۔ نواب کو پہنائی جانے والی زنجیر بھی خاص تھی اور اس کا قفل بھی انوکھا تھا جو کسی کیل اور آہنی تار سے کھل نہیں سکتا تھا۔ اس کی کنجی ہر وقت داروغہ کی تحویل میں رہتی اور اس وقت بھی اسی کے پاس تھی مگر دوسری کنجی کس نے بنائی اور کس طرح کریم خاں کی کال کوٹھڑی تک پہنچائی؟ یہی سوچ کر داروغہ جو متھرا کا چوبے تھا کانپ جاتا کیونکہ مہاراج سندھیا اس قسم کی غلطیاں معاف کرنے کا عادی نہیں تھا۔ کھوجیوں کی تحقیق کے مطابق نواب اپنی کوٹھڑی کے دونوں محافظوں کو ٹھکانے لگا کر بڑے اطمینان سے صحن میں آیا۔ بارش اور تاریکی نے اس کا ساتھ دیا۔

اس نے نالے میں غوطہ مارا اور پانی کے اندر ہی اندر تیرتا ڈیڑھ فرلانگ دور جا کر جنوبی کنارے پر نکلا۔ بارش کے باوجود وہاں قدموں کے نشانات موجود تھے کیونکہ گیلی مٹی میں پاؤں دھنس دھنس گئے تھے۔ یہ نشانات جنوب کی طرف تھوڑی دور تک دیکھے جا سکے پھر نابود ہو گئے۔ اندازے کے مطابق صبح کے وقت مندروں میں ناقوس بجتے ہی جب بارش تھم چکی تھی اور لوگ حاجات ضروریہ کے لیے آنے جانے لگے تھے۔ نواب شہر کے جنوبی دروازہ سے باہر نکل گیا۔ داروغہ چاہتا تھا مہاراجہ کو فرار کی خبر ملنے سے پہلے ہی مفرور کا کوئی کھوج لگا لیا جائے تاکہ اس سزا سے بچ سکے جس کے تصور ہی سے من میں ہول اٹھنے لگے تھے مگر جیل کے سپاہی شہر کے گرد و نواح میں پانچ پانچ چھ چھ میل تک گھوم پھر کے ناکام لوٹ آئے۔ بھلا قفس سے اڑنے والے پنچھی کب ہاتھ آتے ہیں؛

دن چڑھ آیا۔ سورج بدستور بادلوں میں روپوش تھا۔ جب مہاراجہ کو نواب کے فرار کی اطلاع دی گئی تو اسے یقین ہی نہ آیا۔ گوالیار کی جیل کی فصیل بہت اونچی تھی۔ اس کے اندر کال کوٹھڑی بھی بہت مضبوط تھی جس کے دروازے پر دو مسلح سپاہی چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے تھے پھر کوٹھڑی کے اندر بھی نواب کے پاؤں میں ہر وقت زنجیر بندھی رہتی تھی۔ — اتنی پابندیوں کو توڑ کر فرار ہونا کیسے ممکن تھا مگر خبر دینے والا امباجی خود تھا جو جیل سے

Marfat.com

سیدھا راج محل پہنچا۔ اس نے فرار کی تفصیل بیان کی تو سندھیا کے ہوش اُڑ گئے۔ فوراً حکم دیا کہ یکہ تاز سوار تعاقب میں دوڑائے جائیں اور نواب کو گوالیار کی سرحد عبور کرنے سے پہلے ہی دوبارہ گرفتار کر لیا جائے۔

مہاراجہ کا چین رخصت ہو گیا تھا۔ سارا دن محل میں بیٹھا تعاقب کرنے والے سوار دل کی رپورٹیں سنتا رہا جنہیں قاصد ہر تیسرے چوتھے گھنٹے کے بعد راجدھانی میں پہنچا رہے تھے ہر رپورٹ مایوس کن تھی۔ شام تک وہ نواب کی گرفتاری سے بالکل نا اُمید ہو گیا۔ اس دوران میں ایک اور لرزہ خیز انکشاف ہوا۔ کمرۂ خاص سے مہاراجہ کا چھوٹا سا ذاتی خنجر بھی غائب تھا جسے وہ اہم مواقع پر اپنے لباس کے نیچے پہن کر نکلتا تھا۔ نواب کے فرار کی تفتیش کرنے والے ماہروں نے رپورٹ دی تھی کہ کوٹھڑی کا ایک پہریدار چھوٹے سے تیز خنجر ہی سے ہلاک کیا گیا ہے جس کی نوک اس کے دل تک اُتر گئی تھی۔

اس انکشاف نے محل میں تہلکہ ڈال دیا۔ مہاراجہ کے کمرۂ خاص سے اس کا ذاتی خنجر اُڑانا اور نواب کریم خاں تک پہنچانا کوئی معمولی واقع نہیں تھا نہ کوئی معمولی آدمی اتنی بڑی جرأت کر سکتا تھا۔ مہاراجہ سخت مشتعل اور غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ جیل کا داروغہ اور جیل سے گزرنے والے نالے کی بارکوں میں پہرہ دینے والے سنتری گرفتار کر لیے گئے اور اب تفتیش ہو رہی تھی کہ مہاراجہ کا خنجر چرانے والا کون ہے محل میں کوئی ایسا آدمی ضرور تھا جو نمک سندھیا کا کھاتا اور ہمدردی کریم خاں سے رکھتا تھا۔ محکمہ خفیہ اسی پُر اسرار آدمی کی تلاش میں تھا۔

سندھیا پریشان اور مشتعل تھا۔ دن بھر وقفے وقفے سے پانی برستا رہا مگر اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو سکا۔ رات کے وقت منشی کنول نین نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ غالباً کلکتے سے ایسٹ انڈیا کمپنی سرکار کا کوئی مراسلہ آیا تھا جسے فوری طور پر مہاراجہ کے ملاحظے کے لیے پیش کرنا ضروری تھا مگر سندھیا اُسے دیکھتے ہی برس پڑا۔

"منشی کنول نین! تمہی وہ آدمی ہو جس نے ہمیں پنڈاروں کی بربادی اور کریم خاں کی گرفتاری کا مشورہ دیا تھا۔"

"مگر مہاراج! یہ مشورہ تو کمپنی سرکار......"

Marfat.com

نجانے وہ کیا کہنے والا تھا کہ سندھیا نے اس کی بات کاٹ دی اور راناً
لہجے میں کہنے لگا۔ "یہ مت سمجھو ہم گوروں کی چالوں سے بے خبر ہیں جو تم جیسے
ہمارے دربار میں اس لیے اہم منصب دلانے میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ ہمیں اُلٹے سیدھے مشورے
دیتے رہو......"

منشی نین کنول پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مہاراجہ اتنی صاف اور کھری بات کہہ دے گا۔ اب انگریزی مراسلہ پیش کرنے کی سکت بھی نہ رہ گئی اور کانپتے ہاتھوں سے اپنی پگڑی اُتار کر مہاراجہ کے قدموں میں رکھ دی۔ "یہ عزّت مہاراج ہی نے بخشی تھی اور مہاراج ہی کے چرنوں میں بھینٹ کرتا ہوں کیونکہ اب حضور کے دربار میں میری کوئی ضرورت کوئی گنجائش باقی نہیں"۔

یہ گویا اس کا استعفیٰ تھا مگر سندھیا پورے حاکمانہ لہجے میں بولا "منشی نین کنول! اگر تم کمپنی سرکار کے خلاف ہماری کوئی خدمت کر سکتے ہو تو پگڑی اپنے سر پہ رکھ لو"۔

دولت راؤ سندھیا نے جسے بعض لوگ مجہول حکمران "سمجھتے تھے" کمال ہوشیاری کے کے منشی نین کنول کو اس کی حیثیت سے آگاہ کر دیا۔ اور پُوری صاف گوئی سے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ اب وہ اُسے انگریز کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ کیا وہ یہ خدمت سرانجام دے سکتا ہے؛ منشی بڑی مشکل سے دوچار تھا۔ لجاجت اور چاپلوسی پہ اُتر آیا۔

"اگر مہاراج نے صاف بیانی سے کام لیا ہے تو خادم بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ بے شک کمپنی سرکار مجھے اپنا دوست سمجھتی ہے مگر میں ہندوستانی پہلے اور انگریز کا دوست بعد میں ہوں۔ اگر ہندوستان اور مہاراج سے غداری کروں تو نرک میں جاؤں"۔

مہاراجہ نے تولنے والی نظروں سے جانچا۔ "پنڈاروں سے دوستی ہمارے بھلے کی بات ہے یا دُشمنی کی؟"

بڑا ٹیڑھا سوال تھا۔ منشی نین کنول کو پسینہ آ گیا۔ "مہاراج! انگریز بدیشی ہیں اور پنڈارے اسی دیش کے باسی۔ ان کی رگوں میں دوڑنے والا خون ہندوستانی ہے۔ بے شک سرکشی اور بغاوت ان کے خمیر میں رچی ہوئی ہے لیکن کبھی وقت آیا تو ہزار دشمنی کے باوجود انگریز کے خلاف اُن کی

Marfat.com

تلواریں آپ ہی کا ساتھ دیں گی ۔"

" تم نے اپنے جیون کا پہلا سچ بولا ہے نین کنول !" سندھیا کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اب وہ کچھ متفکر بھی نظر آ رہا تھا۔ " تمہارے مشورے پر عمل کر کے ہم پنڈاروں کو اپنا دشمن بنا چکے ہیں۔ اب ان سے دوستی کرنے کی کوئی ترکیب بتا سکتے ہو ؟"

" بات بہت بگڑ چکی ہے مہاراج !"

" اسی کو سنبھالنا چاہتے ہیں ۔"

" اب تو صرف ہوا میں فائر کرنے والی بات ہے۔ شاید مہاراج کو پسند نہ آئے ۔"

" بیان کر دو ۔" سندھیا ہمہ تن گوش ہو گیا۔

" نامدار خاں کو سندیس بھیجئے کہ ہم نے نواب کو رہا کر دیا ہے ۔ جب وہ تمہارے پاس پہنچ جائے تو اس کے بدلے میں مرہٹہ قیدیوں کو رہا کر دو ۔"

مہاراجہ دنگ رہ گیا ۔ " کیا وہ ہماری بات پر یقین کر لے گا ؟"

" ہرگز نہیں بلکہ کریم خاں خود یہ حقیقت کھول دے گا کہ اسے رہا نہیں کیا گیا ۔ وہ جیل سے فرار ہو کر آیا ہے ۔"

" پھر اس مشورے کا فائدہ ؟"

پنڈاروں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ گوالیار کی جیل سے فرار ہونا بچوں کا کھیل نہیں اگر مہاراج نہ چاہتے تو کریم خاں جیل تو کیا اپنی کال کوٹھڑی سے بھی باہر نہ نکل سکتا تھا ...؟"

" مطلب کیا ہے تمہارا ؟" مہاراجہ منشی نین کنول کی عجیب و غریب تجویز پر حیران ہو رہا تھا۔

" میری بات ذرا دھیان سے سنیئے مہاراج !" نین کنول کا شاطر ذہن اپنی تجویز کو الفاظ کا عملی جامہ پہنانے لگا ۔" انگریز کے ساتھ سمجھوتے کی وجہ سے کریم خاں کی سرکاری طور پر رہائی سیاسی مصلحت کے خلاف تھی مگر مہاراج نواب کی رہائی اور پنڈاروں سے دوستی چاہتے تھے ۔ لہٰذا اس کے فرار کے لیے زمین ہموار کی گئی ۔ زنجیر کی کنجی اور ایک خنجر یہ دونوں چیزیں آپ ہی کے حکم پر خفیہ طور سے نواب کو پہنچائی گئیں جن کی مدد سے وہ فرار ہو سکا ۔ یہ کہانی عجیب

Marfat.com

ضرور ہے مگر مہاراج کا ذاتی خنجر اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ نواب کریم خاں کے فرار میں آپ کے ارادے کا دخل تھا بلکہ سب کچھ آپ ہی کے حکم سے ہُوا ہے۔ مجھے پورا شبہ ہے خود کریم خاں بھی یہ کہانی سُن کر شک و شبے میں مبتلا ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے اس کی دشمنی دوستی کا رُخ اختیار کرلے۔"

سندھیا نے اس تجویز پر غور کیا۔ نین کنول کی عیاری اور مکاری مہاراجہ کی سیاسی مصلحت کے عین مطابق تھی۔ یہ سوچ کر اطمینان محسوس کرنے لگا کہ یہ جُوا کھیلنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اگر یہ عجیب و غریب کہانی پنڈاروں تک پہنچ جائے تو اُن کی دشمنی کی شدت ضرور کم ہو سکتی ہے۔ اس نے منشی نین کنول کی پگڑی اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر اس کے سر پر رکھ دی اور کہا۔ "منشی نین کنول! یہ سندیس لے کر تم ہی بندیل کھنڈ جاؤ گے"۔

نین کنول نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ سندھیا سوچ رہا تھا کہ مرہٹہ دربار کو اس جیسے ہوشیار اور شاطر ذہنوں کی بڑی ضرورت ہے۔

کریم خاں کی واپسی پنڈاروں کی مہم جوئی کا ایک نیا باب تھا۔ بہادر اور نامدار خاں چار سال تک مرہٹہ سلطنت میں بھونچال پیدا کرتے رہے اور آخر مہاراجہ سندھیا مرہٹہ قیدیوں کے عوض نواب کریم خاں کو رہا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا مگر یہاں بھی تقدیر اس کے ساتھ داؤ کھیل گئی اور روہیلہ نواب جیل سے نکل بھاگا تھا۔ پنڈاروں نے اس کی واپسی پر جشن منایا مگر گوالیار سے منشی نین کنول ایک اور ہی پیغام لے کر آ پہنچا۔

پنڈارہ سرداروں نے مہاراجہ سندھیا کا نیا دعویٰ سُنا تو قہقہہ مار کر ہنس دیئے اور نواب کریم خاں نے پیغام بھجوایا۔ "اگر ہم نے مہاراجہ کو گرفتار کیا تو ہم بھی اُسے اسی طرح فرار کا موقع دیں گے جس طرح اس نے ہمیں گوالیار کی جیل سے نکلنے کا 'موقع' دیا تھا۔"

اس جواب کا مطلب یہ تھا، مہاراجہ کا دعویٰ مسترد کر دیا گیا ہے۔ پنڈاروں نے مرہٹہ قیدیوں کی رہائی کے لیے بھاری تاوان طلب کیا۔ منشی نین کنول کو اس جواب کے ساتھ رخصت کر دیا گیا کہ "روپیہ دے جاؤ اور قیدی لے جاؤ۔"

نواب کریم خاں اسیری کے دوران دُبلا اور کمزور ہو گیا تھا۔ مگر ہمت پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ بہادری اور شجاعت کے ساتھ اب سیاست کے اسرار و رموز بھی سمجھنے لگا تھا۔ بیگم نے اس کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر دن گزارے تھے۔ کہنے لگی۔

"ہمیں آج بھی چاند بائی کا خیال پریشان کر رہا ہے۔ اس نے آپ کی رہائی کا سامان تو کر دیا مگر خود مہاراجہ کی قید میں پڑی ہے۔ آپ نے چاند کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"دُنیا بہت جلد دیکھ لے گی کہ مہاراجہ کے ستارے اسے کیا دن دکھاتے ہیں۔ سندھیا نے ہم سے جو لیکھا ٹالا ہے اسے بے باق کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"

نواب نے اپنے دارالقرار میں لوٹتے ہی بندیل کھنڈ کے جنگلوں میں شکار ڈھونڈنے والے چیتوں "کے علاوہ مالوہ، راجستھان اور دوسرے علاقوں میں گھومنے والے تمام پنڈارہ سرداروں کو پیغامات بھیجے کہ وہ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر پنڈاروں کی ایک مضبوط ریاست قائم کریں۔ اس کے ساتھ چند ہوشیار آدمی گوالیار روانہ کر دیئے تاکہ وہاں کی خبریں بھیجتے رہیں۔

کریم خان کی دعوت پر پنڈارے سردار اپنے اپنے جتھے لے کر ریاست کے دارالقرار میں پہنچنے لگے۔ ایک دن خبر آئی کہ نواب چیتو بھی اپنے سواروں اور پیادوں کے لشکر لیے چلا آتا ہے۔ کریم خاں نے نواب چیتو کا پُرجوش استقبال کیا جو زری کے پرچم لہراتا ہُوا آیا تھا۔ اس نے اپنی تلوار نواب کریم خاں روہیلہ کی خدمت میں پیش کر دی اور کہا۔

"پنڈاروں کی ایک ریاست اور ایک قیادت کے لیے ہم آپ کو اپنا حکمران تسلیم کرتے ہیں۔ آج سے ہم ہماری ریاست نثار، ہمارے سردار، سوار اور پیادے سب آپ کے حکم کے پابند ہیں۔"

نواب چیتو کی طرح دوسرے پنڈارہ سرداروں نے بھی کریم خاں کو اپنا حکمران تسلیم کیا اور اپنے جتھوں کی کمان اس کے حوالے کر دی۔ پنڈاروں کے اس اجتماع پر کئی روز تک خوشیاں

منائی گئیں۔ کریم خاں کے دارالقرار میں توپیں ڈھالنے اور اسلحہ بنانے کے کارخانے کی پیداوار میں دو تین گنا اضافہ ہو گیا مگر چار سال کی اسیری نے کریم خاں کو بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ پنڈاروں کے اس غیر معمولی اجتماع کو صرف اس کی واپسی کا جشن قرار دیا گیا۔ اُسے مرہٹوں کی قید سے نکلے کئی مہینے ہو گئے تھے اور ابھی تک پنڈاروں نے کسی طرف لوٹ مار نہیں کی تھی۔ یہ صورتِ حال روہیلہ نواب کے فکر و ذہن کی تبدیلی کا پتہ دے رہی تھی۔

مہاراجہ سندھیا مطمئن تھا کہ وہ بدل گیا ہے اور پنڈاروں کی طرف سے بے فکر ہو کر اس نے بھی کمپنی سرکار کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اچانک گوالیار سے خبر آئی کہ مہارانی بیجا بائی بھاگن کی پندرہ تاریخ کو چترگڑھ کی رانی سے ملنے جائے گی اور وسط چیت میں لوٹے گی۔ اس اثنا میں مہاراجہ سندھیا نے چاند بائی سے لگن رچانے کا منصوبہ بنایا ہے کیونکہ راج جوتشی نے کہہ دیا ہے۔ اب وہ مہاراج کو اس لگن سے نہیں روک سکتا۔

یہ خبر نواب کریم خاں روہیلہ کے خرمنِ دل پر بجلی بن کر گری۔ پنڈارہ لشکروں کو اکٹھا کیا جن کی تعداد اب ۲۵ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ نصف سوار اور نصف پیادے۔ کریم خاں کا اپنا رسالہ اسی کی کمان میں تھا۔ بقیہ سواروں اور پیادوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک لشکر کی کمان نواب چیتو کے سپرد کی اور اپنے بھتیجے بہادر کو ساتھ کر دیا۔ دوسرے لشکر کی کمان نامدار خاں کو سونپی اور ۱۵ بھاگن ہی کو ریاست سے کوچ کیا جب مہارانی بیجا بائی گوالیار سے چترگڑھ کے لیے روانہ ہوئی تھی۔ پنڈاروں کا اتنا عظیم الشان اجتماع پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ تاریخ میں ان کی متحدہ کمان کی بھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ پہلی بار نواب کریم خاں روہیلہ کی قیادت و حکمرانی پر متفق ہو کر ایک جرار لشکر کی صورت میں آگے بڑھے۔

۲۵ ہزار سوار اور پیادے تین حصوں میں بٹ کر تین مختلف مقامات کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ عقب میں بعض ریزرو دستے حکم کے منتظر تھے۔ مہاراجہ سندھیا کو پنڈاروں کے حملہ کی خبر اس وقت ملی جب مرہٹہ سلطنت کے جنوب مشرقی علاقوں میں قیامتیں لہرا گئیں، اور وسطی ہند کی فضا "انتقام انتقام" کے نعروں سے گونج اٹھی۔

پنڈاروں کے حملوں کا سارا زور جنوب مشرقی سرحدوں پر تھا جہاں وہ موت کی لکیریں

Marfat.com

کھینچ رہے تھے۔ مغربی علاقے کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ مہارانی بیجا بائی جس کے ہمراہ گنتی کے کل تیس سوار تھے اسی علاقے میں سفر کر رہی تھی۔ وہ ۱۵ رپھاگن کو گوالیار سے روانہ ہوئی۔ ۱۷ر تاریخ کو شیوپور پہنچی اور وہاں صرف ایک دن قیام کر کے دریائے چمبل کے ساتھ ساتھ کوٹہ کی طرف چل دی تھی۔ کوٹہ سے دریا عبور کر کے اسے مغرب کی طرف چترگڑھ کا رخ کرنا تھا۔ شیوپور اور شیوپوری کے دونوں شہر دریائے چمبل کے مشرق میں واقع ہیں۔ اگرچہ یہ علاقہ پنڈاروں کی تاخت سے محفوظ تھا مگر تین سال قبل کریم خاں کے بھتیجے نے شیوپور کو لوٹا اور دریائے چمبل تک یلغار کی تھی۔ اس لیے مہاراجہ سندھیا نے حفظِ ماتقدم کے طور پر ایک سو یکہ تاز سواروں کا دستہ مہارانی کے پیچھے پیچھے روانہ کر دیا تا کہ پنڈارے مہارانی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

مگر یہ امدادی دستہ بیجا بائی تک نہ پہنچ سکا۔ نہ وہ خود کوٹہ پہنچنے میں کامیاب ہو سکی۔ ابھی کوٹہ سے گیارہ بارہ میل دور تھی کہ ناگہاں پنڈارہ سوار تین اطراف سے گھوڑے دوڑاتے نمودار ہوئے اور مہارانی کی سواری کو دریائے چمبل کے قریب ہی گھیر لیا گیا۔ حملہ آور سواروں کی تعداد اڑھائی تین سو کے درمیان تھی۔ ان کے سردار نے آتے ہی حکم دیا کہ ہتھیار پھینک دو۔

راجپوت سوار جو حفاظت کی خاطر مہارانی کے ہمراہ تھے پریشان ہو گئے کیونکہ صورتِ حال خطرناک تھی۔ پھر بھی ان کے سردار نے جرأت کا مظاہرہ کیا اور کہا۔

"شاید تم نہیں جانتے۔ یہ مہارانی بیجا بائی کی سواری ہے اور مہارانی کی شان میں گستاخی کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

پنڈارہ سردار نے بڑے کھردرے لہجے میں جواب دیا۔ "صرف مہارانی کے احترام کی خاطر ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ورنہ پنڈاروں کو کسی کی زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔"

"چاہتے کیا ہو؟"

"نواب کریم خاں مہارانی سے ملنا چاہتے ہیں۔ مہارانی کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

کریم خاں کا نام سن کر سب چونک اٹھے۔ گڑبیل میں بیٹھی بیجا بائی نے بھی سر باہر نکالا اور بولی "نواب سے کہو خود آ کر ملے۔"

Marfat.com

"وہ یہاں سے بہت دُور ہیں۔ آپ ہی کو ان کے پاس چلنا ہوگا۔"

"اگر جانے سے انکار کر دوں .... ؟"

"انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ نے انکار کیا تو ہم زبردستی پر مجبور ہوں گے۔"

یہ الفاظ سن کر محافظ دستہ کا سردار جوش میں آ گیا۔ "تم راجپوتوں کے سامنے کھڑے ہو جو مہارانی کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔"

"اور تم بھی ایک روہیلے پٹھان سے گفتگو کر رہے ہو۔ اگر موت مانگو گے تو ملے گی۔"

ایک ہی پل میں راجپوت اور روہیلے کی تلواریں میان سے باہر آگئیں مگر اس سے پہلے کہ تلواریں ٹکرائیں مہارانی بیجابائی نے اپنے سواروں کو ہتھیار پھینک دینے کا حکم دیا۔ راجپوت سردار نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس کے ساتھیوں نے بندوقیں اور تلواریں پھینک دیں۔ لڑائی سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ پنڈارے راجپوت سواروں کو موت کے گھاٹ اُتار کر بھی اپنی ضد پوری کر سکتے تھے۔

گردیل کا رُخ جنوب کی طرف موڑ دیا گیا۔ نہتے راجپوت سواروں نے مہارانی کی سواری کے اردگرد جمگھٹا کر دیا اور پنڈارے اُنہیں اپنے گھیرے میں لیے چل دیئے۔ وہ بڑی تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ ابھی اڑھائی میل چلے تھے کہ چار پانچ سو پنڈارہ سواروں کا ایک بڑا دستہ قریبی جنگل سے نکل کر اُن کے ساتھ آملا۔ مہارانی بیجابائی اور راجپوت سوار اُنہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ پنڈارے مہارانی کی گرفتاری کا منصوبہ بنا کر اور پوری فوجی تیاری کے ساتھ آئے تھے اور واقعی ان کے سامنے کسی انکار کی گنجائش نہ تھی۔ بیجابائی کو مجبوراً اپنا سفر اور راستہ تبدیل کرنا پڑا تھا۔ اس کا خیال تھا شام تک کسی جگہ نواب سے ملاقات ہو گی لیکن یہ خیال درست ثابت نہ ہو سکا۔

شام کے وقت پنڈارے صرف ایک گھنٹہ کھانے کے لیے رُکے اور سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ رفتار بہت تیز تھی۔ گھنٹوں کی مسافت لمحوں میں طے ہو رہی تھی۔ سفر رات بھر جاری رہا اور دوسرے روز جا کر کہیں پنڈاروں کے خیمے نظر آئے۔

یہ پنڈارہ ریاست کی وہی سرحد تھی جہاں نواب کریم خاں نے چار سال قبل مہاراجہ

Marfat.com

سندھیا کے استقبال کی خاطر قیام کیا اور خیمے لگوائے تھے۔ اسی مقام پر چاند بائی اس کے خیمے سے رخصت ہوئی اور اب چار سال کے بعد مہارانی بیجا بائی نواب کے خیمے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑے احترام سے مہارانی کا استقبال کیا اور کہا۔ "ہمیں آپ کی گرفتاری پر خود افسوس ہے مگر آپ اس وقت تک ہماری مہمان رہیں گی جب تک مہاراج چاند بائی کو لوٹا نہیں دیتے۔"

بیجا بائی مہارانیوں کی سی شان کے ساتھ بولی۔ "کریم خاں بہادر ہو کر ایک عورت کو یرغمال بناتے ہو......"

"اس لیے کہ ایک عورت کی رہائی چاہتے ہیں اور آپ کو یرغمال نہیں مہمان بنایا ہے۔"

"مہمان اپنی مرضی سے آتے ہیں مگر تم نے زبردستی کی ہے۔"

"یہ ہماری مجبوری ہے۔ آپ کو میزبانی قبول کرنی چاہیے۔"

"مہاراج کو تمہاری میزبانی گوارہ نہ ہوگی۔"

"اسی لیے تو یہ جرأت کی ہے۔"

"مگر اس میزبانی سے تمہیں کیا مل جائے گا۔"

"شاید آپ نہیں جانتیں آپ کے چترگڑھ پہنچتے ہی مہاراجہ چاند بائی سے لگن رچانے والے ہیں۔ آپ سے چوری چوری سب تیاریاں ہو چکی ہیں۔"

بیجا بائی دنگ رہ گئی۔ "نہیں ..... وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔"

"اب نہیں کر سکیں گے۔" کریم خاں مطمئن لہجے میں بولا۔ "آپ کی گرفتاری کی خبر پہنچے گی تو یقیناً لگن روک دیں گے۔"

مہارانی نجانے کس سوچ میں کھو گئی تھی۔ نواب کہنے لگا۔ "ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے۔ مگر اس طرح نہیں۔ شاید آپ ہماری مجبوریوں کو سمجھ سکیں۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے کیوں کہ محاذ پر سپاہی ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مہاراجہ کے غرور کا سر نیچا نہیں ہو جاتا۔ اگر آپ ہماری بہن بن کر رہیں گی تو ہمیں خوشی ہوگی۔ مہمان بن کر رہنا چاہیں تو آپ کی مرضی۔"

یہ کہہ کر کریم خاں نے ملاقات ختم کر دی اور حکم دیا کہ مہارانی کا احترام ملحوظ رکھا جائے اور ہر وہ چیز حاضر کی جائے جس کی وہ خواہش کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ چند سواروں کے ہمراہ شمال مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔

نواب کریم خاں روہیلہ، نواب چیتو اور نامدار خاں نے تین اطراف سے مہاراجہ سندھیا کی سلطنت کو اپنی تاخت کا نشانہ بنایا تھا۔ یہ محض سرحدی تاخت نہ تھی۔ پنڈارے "انتقام"۔ انتقام کے نعرے لگاتے زبردست دھاوے کرتے اور مرہٹہ لشکروں میں بھونچال ڈال دیتے تھے۔ یہ پنڈاروں کی توہین کا انتقام تھا جنہیں مہاراجہ سندھیا ختم کر دینا چاہتا تھا اور اس جنگِ انتقام میں مہاراجہ اس قیمتی شے سے بھی محروم ہو گیا تھا، جسے "ناموس" کہتے ہیں۔ مہارانی بیجا بائی کے اغوا و گرفتاری کی خبر بارود کے دھماکے کی طرح دور دور سنی گئی۔ گوالیار میں تو کہرام بپا ہو گیا اور مہارانی بیجا بائی کے چتر گڑھ کی طرف روانہ ہوتے ہی چاند بائی سے لگن کی جو تیاریاں شروع ہو گئی تھیں فوراً روک دی گئیں۔

دولت راؤ سندھیا مشتعل ہو کر گرجنے لگا اور نواب کریم خاں کو تباہ کر دینے پہ تیار ہو گیا۔ نواب نے اس کی عزت اور غیرت کے منہ پہ اس زور کا طمانچہ مارا تھا کہ ہوش تک اڑ گئے۔ لوگ جانتے تھے۔ مہاراجہ بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کر چکا ہے۔ راجپوت سرداروں کے نزدیک سندھیا چاند بائی کو چھین کر لایا اور اب اس کے ساتھ لگن رچا کر کریم خاں کو ذلیل کرنا چاہتا تھا مگر اس نے بھی گہرا وار کیا اور مہاراجہ کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ چوٹ برابر کی تھی۔

گوالیار میں ہنگامی دربار منعقد ہوا۔ مرہٹہ، راجپوت، جاٹ سردار اکٹھے ہوئے۔ مہاراجہ کے وزیر، مشیر، دبیر سبھی پنڈاروں کے خلاف مشتعل اور انہیں نیست و نابود

کر دینا چاہتے تھے۔ کریم خاں اپنی بساط سے بڑھ کر پاؤں پھیلانا چاہتا تھا اور اب سیاسی مصلحت کا تقاضا یہی تھا اس کے دست و بازو کاٹ دیئے جائیں۔ اچانک ایک راجپوت سردار نے سوال کیا۔

"پنڈارے ماضی میں مرہٹوں کے دست و بازو بن کر ہر جنگ میں ہمارا ساتھ دیتے رہے۔ آج وہ ہمارے دشمن کیوں بن گئے؟"

سب خاموش ہو گئے۔ کسی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ اسی سردار نے پھر پوچھا۔ "مہاراجہ چار سال پہلے پنڈاروں سے دوستی کرنے گئے تھے مگر نواب کریم خاں کو گرفتار کر کے لوٹے..... کیوں۔ کیا دوستی زنجیر پہنا کر کی جاتی ہے؟"

دوبارہ سناٹا چھا گیا۔ صرف ایک آواز گونج رہی تھی۔

"اگر کریم خاں گوالیار کی جیل سے رہا ہونے کے بعد گوالیار پر حملہ نہ کرتا، تو لوگ اس کے خون پر شک کرتے۔ اسے دھوکے سے بلا کر گرفتار کیا گیا تھا مگر اس نے بہادروں کی طرح للکارا ہے اور اب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں مگر یہ سوچ لینا چاہیے کہ لڑنے والی دونوں طاقتیں ہندوستانی ہیں۔ ہندوستانی لڑ رہے ہیں، ہندوستانی مر رہے ہیں اور انگریز تماشہ دیکھ رہا ہے۔ ہم پنڈاروں کے خلاف یہ جنگ ضرور جیت لیں گے مگر یہ جیت بہت مہنگی پڑے گی۔ کریم خاں ہمیں اس قابل نہیں چھوڑے گا کہ ہم اپنے اصل دشمن انگریز کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ جنگ ہندوستان میں مرہٹہ سلطنت کی تباہی پر ختم ہو گی کیونکہ فرنگی ہماری تاک میں ہے اور جب ہم پنڈاروں سے لڑتے لڑتے کمزور ہو جائیں گے وہ یک لخت ہم پر ٹوٹ پڑے گا۔"

راجپوت سردار خاموش ہو گیا۔ سب لوگوں کی نظریں مہاراجہ سندھیا پر مرتکز ہو گئیں جس کے چہرے پر افسردگی نے سایہ ڈال دیا تھا۔ اگر چار سال قبل اس نے مہارانی بیجا بائی کے مشورے پر عمل کر کے نواب کریم خاں کو اپنا دوست بنا لیا ہوتا تو آج حالات کا رخ کچھ اور ہوتا مگر اس نے تو منشی نین کنول کی بات مان کر افرنگی کو خوش کرنے کی کوشش کی اور آج واقعات نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی کہ مہاراجہ دولت راؤ سندھیا

Marfat.com

سیاسی معاملات میں دوسروں کی عقل استعمال کرتا اور نقصان اُٹھاتا تھا۔اس وقت وہ بڑا نڈھال اور مضمحل دِکھائی دے رہا تھا اور وہ تمام غلطیاں ایک ایک کرکے اس کے تصوّر سے گزر رہی تھیں جو چار سال کے عرصہ میں سرزد ہوئی تھیں۔ اچانک وہ کھڑا ہو کر اعلان کرنے لگا۔

"ہم کریم خاں کی طرف ایک سفارت روانہ کریں گے۔ دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے اس کی آزادی اور خودمختاری کی سند لکھ دیں گے"۔

سندھیا ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ کسی پہلو چین نہیں تھا۔ کریم خاں سے دوستی کا مطلب چاند بائی کی واپسی تھی۔ جب تک وہ چاند بائی کو واپس نہیں کرے گا بیجابائی کی واپسی کا کوئی امکان نہ تھا۔ وہ سارے خوشنما سپنے ٹوٹ پھوٹ گئے جو اس کے جیون کی چاندنی بن کر جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ ستاروں کی چال بدل جانے کا انتظار کر رہا تھا مگر یہ چال ایسی بگڑی تھی کہ لینے کے دینے پڑ گئے۔ اب تو بیاہ رچانے کی بجائے عزت بچانے کا سوال تھا۔ اس نے چاند بائی کو واپس بھیج دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تڑپ کر بستر سے اُٹھا اور حکم دیا کہ امباجی کو اسی وقت حاضر کیا جائے۔

راج منتری کی آمد میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ رات کے بلاوے پر حیران تھا۔ سندھیا نے اس کی حیرت میں مزید اضافہ کر دیا۔

"امباجی! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کل تمہی سفارت لے کر کریم خاں کی طرف جاؤ گے اور تمہارے ساتھ چاند بائی بھی جائے گی"۔

امباجی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چاند بائی کو اقتدار دلانے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ مہارانی بیجابائی کی واپسی کے لیے چاند بائی کی واپسی ضروری ہے۔

Marfat.com

دوسرے روز جو سفارتی وفد بندیل کھنڈ کی طرف روانہ ہوا اس کی قیادت مرہٹہ مدارالمہام کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک پالکی بھی جا رہی تھی جس میں چاندبائی سوار تھی اور اس پالکی کی حفاظت کے لیے مہاراجہ نے خاص کے وہی سوار بھیجے تھے جو چار سال پہلے امباجی کی قیادت میں چاندبائی کی پالکی لے کر آئے تھے۔ جب امباجی بندیل کھنڈ کی سرحد پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نواب کریم خاں کے خیمے ٹھیک اسی مقام پر نصب تھے جہاں چار سال پہلے نصب کیے گئے تھے۔ وہی دن تھے، وہی موسم تھا، وہی جگہ تھی، وہی مہاراجہ سندھیا اور نواب کریم خاں کی بازی تھی۔

بساط کے سب مہرے وہی تھے۔ وہی امباجی، وہی چاندبائی، وہی پالکی، وہی مرہٹہ سوار، سب کچھ وہی تھا مگر چال بدل گئی، بازی پلٹ گئی تھی۔ چار سال قبل کریم خاں مات کے نقشے پر بیٹھا اور مہاراجہ جیت رہا تھا۔ آج مہاراجہ ہار کے خانے میں کھڑا اور نواب ہر چال میں اُسے شہ مات دے رہا تھا۔ قدرت نے ایک بار پھر وہی کھیل، وہی افسانہ دہرا دیا تھا۔ مگر کسی قدر تبدیلی کے ساتھ، مرہٹہ مدارالمہام چار سال قبل جس چاند کو بندیل کھنڈ کے آسمان سے توڑ کر لے گیا، آج اُسی کو لوٹانے آیا تھا۔

مرہٹہ سفارت اور مدارالمہام امباجی کی اطلاع ملی تو دستور کے مطابق نواب کا نائب نامدار خاں استقبال کے لیے آیا مگر امباجی کے ساتھ ایک پالکی اور اس پالکی میں چاندبائی کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ امباجی نے فوراً صفائی پیش کی۔

”نامدار خاں! مَیں گنگا کی قسم کھا کر کہتا ہوں چاندبائی کو جس حالت میں لے گیا تھا اُسی حالت میں واپس کرنے آیا ہوں“۔

”مَیں جانتا ہوں امباجی! مہاراجہ سندھیا نے نواب سے عہد شکنی کی مگر چاند کو جو وچن دیا تھا وہ نہیں توڑا“۔

پھر نامدار خاں، امباجی، چاندبائی اور دیگر ارکانِ وفد کو جن میں اکثریت راجپوتوں کی تھی اپنے ہمراہ لے کر نواب کے خیمے میں داخل ہوا۔ جہاں نواب چیتو، بہادر اور دوسرے پنڈارہ سردار تمکنت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کریم خاں نے امباجی کے ساتھ چاند کو دیکھا تو

Marfat.com

اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ نواب چیتو بھی اس چاند سی صورت کو دیکھ کر دل تھام کے رہ گیا۔ اس کی محبت، وفا اور قربانی کی داستان سن چکا تھا۔ چہرہ دیکھا تو سوچنے لگا اگر کسی سلطنت کی ملکہ ہوتی تو تاریخ کا ہر ورق اس کے نام سے روشن ہوتا۔

چاند بائی نے اپنے مخصوص انداز میں کورنش ادا کی۔ اس کے ساتھ اماجی اور دیگر اراکین وفد کی گردنیں بھی جھک گئیں۔ جب اماجی نے سر اٹھایا تو بولا "نواب حضور! جیت آپ کی ہوئی، مہاراج ہار گئے۔ چاند آپ کی امانت تھی آپ کو لوٹا رہا ہوں اور یہ آس لے کر آیا ہوں کہ حضور بھی مہارانی بیجا بائی کو واپس کر دیں گے۔"

"مہارانی بیجا بائی پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔" نواب کریم خاں نے بہت پہلے کہے ہوئے الفاظ پھر دہرائے۔ "اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے تو ہم روک نہیں سکیں گے اگر یہاں رہنا چاہے تو بھائی کا گھر اس کے لیے تنگ نہیں۔"

اماجی اور سارے اراکین وفد نواب کے الفاظ سن کر دنگ رہ گئے۔ ان کا خیال تھا مہارانی قید ہوگی مگر یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ کریم خاں نے کہا۔ "مہارانی کے ساتھ گوالیار میں اس کی شان کے شایان سلوک نہیں ہوا اور ہم سمجھتے ہیں جب تک اس سلوک کی تلافی نہیں ہوگی وہ واپس جانے کی بجائے بھائی کے گھر قیام کو ترجیح دے گی۔"

مہارانی کو یہ خبر مل چکی تھی کہ گوالیار سے ایک سفارتی وفد آیا ہے۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ سفیر اماجی ہوگا اور ساتھ چاند بائی بھی ہوگی۔ جب چاند بائی کے آنے کی خبر ملی اپنے راجپوت محافظوں کے جھرمٹ میں خیمے سے نکلی اور ایک مہارانی کی سی شان کے ساتھ پنڈارہ دربار میں داخل ہوئی۔ کریم خاں نے خود آگے بڑھ استقبال کیا۔

وہ غصے میں بولی "کریم خاں! تم نے چاند بائی اور اماجی کے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"بخدا۔ ہمیں بھی ان کے آنے کی خبر نہ تھی۔ اماجی آپ کو لینے آئے ہیں۔"

بیجا بائی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "اور تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"ہم نے فیصلہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔"

Marfat.com

مہارانی مرہٹہ مدار المہام سے مخاطب ہوئی :" امباجی ! جا کر مہاراج سے کہہ دو کہ بیجا بائی غیروں میں نہیں اپنے بھائیوں کے گھر ہے ۔ انہیں میری عزت عزیز ہے تو خود لینے آئیں "۔

مہارانی کا یہ جواب سن کر مرہٹے اور راجپوت حیرت زدہ رہ گئے ۔ انہوں نے مہارانی کے الفاظ سے نواب کریم خاں کے اخلاق اور سلوک کا اندازہ لگایا ۔ وہ یہاں بھی آزاد با اختیار اور اپنی مرضی کی مالک تھی اور یہ روہیلے پٹھان کی اعلیٰ ظرفی کا ایسا مظاہرہ تھا جس نے مرہٹہ وفد کی گردنیں خم کر دیں ۔ پھر بیجا بائی آگے بڑھی اور اس نے چاند بائی کو گلے لگا لیا ۔ چاند کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں اس نے گلوگیر لہجے میں کریم خان سے التجا کی ۔

" نواب حضور ! مہاراجہ سندھیا اپنی غلطی پر خود شرمسار ہیں ۔ جب میں گوالیار سے رخصت ہوئی انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مہارانی بیجا بائی کے حکم و اختیار میں کوئی فرق نہیں آنے دیں گے ۔ وہ مہارانی کو دل سے چاہتے اور ان کے لیے بے حد پریشان ہیں ۔ میری التجا ہے کہ مہارانی کو جلد واپس بھیج دیا جائے "۔

" مگر مہارانی نے اپنی واپسی کی جو شرط لگائی ہے ۔ ہمیں اسے توڑنے کا اختیار نہیں مہاراج خود آئیں اور مہارانی کو لے جائیں "۔

امباجی اسی روز خالی ہاتھ لوٹ گیا ۔ البتہ مہارانی کے حکم پر خاصہ کے سوار اور وہ سردار جو امباجی کے ساتھ آئے وہیں رک گئے تھے ۔ پنڈاروں کی جنگِ انتقام ختم ہو گئی تھی ۔ مہاراجہ سندھیا نے سفارت کے ذریعے شاہی فرمان بھیج دیا تھا کہ وہ نواب کریم خاں کو ایک آزاد و خود مختار حکمران سمجھتے ہیں اور ان کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کریں گے مگر نواب کریم خاں کو شاید اب اس فرمان کی ضرورت نہیں رہی تھی ۔

چوتھے روز مہاراجہ سندھیا اپنے خدم و حشم کے ساتھ خود بندیل کھنڈ آیا اور نواب کریم خاں نے مہارانی بیجا بائی کو اس شان سے رخصت کیا کہ مہاراجہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔

گوالیار کے راج محلوں میں مہارانی بیجا بائی کا حکم و اختیار پھر بحال ہو گیا تھا ۔ اب بیجا بائی کے پیچھے راجپوتوں کے علاوہ پنڈاروں کی طاقت بھی تھی اور مہاراجہ اس حقیقت کو

Marfat.com

اچھی طرح سمجھتا تھا کہ بیجا بائی کی ناراضی کا مطلب کیا ہوگا۔"

نواب کریم خاں روہیلہ نے پنڈاروں کی آزادی کا پرچم لہرا دیا اور چاند بائی نے اپنے پاؤں میں پھر چاندی کا بچھوا پہن لیا جسے وہ گوالیار کے راج محل میں اتار کر پھینک چکی تھی۔

Marfat.com

تاریخی، ادبی، معلوماتی کتب کا مرکز

مکتبہ القریش

ہر قسم کی کتابیں ہم سے طلب فرمائیں

مکتبہ القریش چوک اردو بازار، لاہور

Marfat.com

Marfat.com

استفادہ

- تاریخ الکامل — ابن اثیر
- فال آف دی رومن ایمپائر — گبن
- قسطنطنیہ — پیاڑنٹ
- سفرنامہ یورپ — منشی محبوب عالم
- تاریخ سیوریہ — مرتضیٰ میکش
- دولت عثمانیہ تاریخ و حکایہ — قراجناری

Marfat.com

بحیرہ روم کے ایشیائی ساحل " اناطولی " پر قیصر اینڈرونیکس اعظم کی مشرقی ولایت نیکومیڈیا کا یونانی الاصل حکمران اچانک فوت ہو گیا۔

اس خبر نے قیصر کے دل پہ ایک نیا چرکہ لگایا۔ صدمے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مرنے والے نے اپنا کوئی ولی عہد نہیں چھوڑا تھا صرف ایک نوجوان شہزادی تھی جسے آنجہانی باپ کی وصیت کے مطابق حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں اور پریشانی کا دوسرا سبب عثمانی ترکوں کا خطرہ تھا جو اناطولیہ کی سرزمین پہ نئی فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ اس موقع پہ کسی بہادر اور جواں ہمت حکمران کی ضرورت تھی جو بڑھتے ہوئے خطرے کا مقابلہ کر سکتا۔ بیوہ ملکہ بلاکونی (بلاقونیہ) کو اپنے شوہر کی وفات کا گہرا رنج پہنچا مگر شاہی وصیت کی رو سے ضروری تھا کہ بیٹی کو تخت و تاج سونپ دے۔ تخت نشینی اور تاج پوشی کی تقریب کا اعلان کر دیا گیا مگر بلاکونی نے قیصر کو پیغام بھیجا تھا:۔

" شہزادی کی تخت نشینی کی رسم عظیم قیصر کی نگرانی میں ادا ہونی چاہئے۔

Marfat.com

اگر قیصر خود تشریف نہ لا سکیں تو اپنے کسی مشیر خاص کو روانہ کر دیں مگر اس کے ہمراہ قیصری فوج بھی ہونی چاہیئے تاکہ دشمن کو خبر ہو جائے کہ عظیم قیصر نیکو میڈیا کی حفاظت کا عزم رکھتے ہیں اور وہ ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔"

وفات کی خبر کے ساتھ ملکہ بلاکونی کا یہ مراسلہ بھی قیصر کی خدمت میں پہنچا دیا گیا اور اعیانِ سلطنت جواب کے منتظر تھے۔

سطح مرتفع اناطولیہ پر پھیلی ہوئی رومی قیصروں کی مشرقی ولایات جن کا سلسلہ کبھی قونیہ کی سلجوقی سلطنت اور آرمینیا کی سرحدوں تک پھیلا تھا۔ ایک عرصہ سے آلِ عثمان کی ترکتازیوں کا شکار اور یکے بعد دیگرے قیصری قبضے سے نکلتی جا رہی تھیں۔ ارطغرل اور اس کے فرزند عثمان کے بعد اب ترک سلطان اُورخان رومی ولایات کے لیے خطرہ بن گیا تھا، کچھ ہی عرصہ قبل ترکوں نے اناطولیہ کے مرکزِ صلیب بروصہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے حاکم ارنس کی جان بخش دی تھی۔ بروصہ دس سال کے طویل محاصرے کے بعد ہاتھ سے نکلا۔ شہزادہ اینڈرونیکس نکولس کے مشورے پر جو اُن دِنوں وہاں موجود تھا ارنس نے شہر ترکوں کے حوالے کر دیا اور خود قسطنطنیہ آ گیا تھا۔ سقوط بروصہ کے بعد دینِ صلیب کے ہزاروں پرستار جن کی قیادت بطریق اور راہب کر رہے تھے عظیم قیصر کے نام کی دہائی دیتے اور نوحے پڑھتے قسطنطنیہ میں داخل ہوئے تھے۔

اناطولیہ کے میدانوں میں بہت تھوڑی ریاستیں رہ گئی تھیں جن پر قیصری پرچم لہراتے تھے۔ اُن میں رومیلیا اور نیکو میڈیا خاص طور پر قابلِ ذکر تھیں کیونکہ اُن کی حفاظت پر خود قسطنطنیہ اور رومی سلطنت کے دفاع کا انحصار تھا جس پر ترک سواروں کے گھوڑوں کی دھمک سے لرزہ طاری تھا۔ اس حالت میں جب ترک بروصہ پر قبضہ کر چکے اور ان کی پھیلتی ہوئی ریاست کے دارالحکومت بتدریج اناطولی ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے قیصری عظمت وحشمت کا تقاضا تھا کہ اناطولیہ کی بقیہ رومی ولایات کے دفاع پر خاص توجہ دی جائے اور گستاخ ترکوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔

ولایت نیکو میڈیا جسے ترکوں نے "اقلیم توچہ ایلی" کا نام دیا بحیرۂ روم کے ایشیائی ساحل پر رومیلیا ہی کی طرح قسطنطنیہ کی "حفاظتی لائن" سمجھی جاتی تھی جس کے یونانی حکمران کی ناگہانی موت نے قیصر کو بے حد غمگین و پریشان کر دیا تھا کیونکہ ابھی بلقانی ریاستوں میں پھیلی ہوئی شورش ختم نہ ہوئی تھی کہ مشرق کی جانب سے بھی اضطراب انگیز خبریں آنے لگیں۔ قیصر اینڈ رونیکس سوم جس نے محض افتخار کی خاطر اپنے نام کے ساتھ "اعظم" کے لفظ کا اضافہ کر لیا تھا۔ صورتِ حال کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے قسطنطنیہ کے قلعے کی بلند فصیل سے اناطولی ساحل کو تشویش کی نظروں سے دیکھا اور حکم دیا۔

"ہمارے مشیر جوزف کو نیکو میڈیا بھیج دیا جائے"۔

"مگر ملکہ بلاکونی نے پرنس نکولس کو بھیجنے کی سفارش کی ہے ——— آقائے بحر دنیا"۔ کسی نے قیصر کو توجہ دلائی۔

"پرنس نکولس؟ اس نے بروصہ کو ترکوں کے حوالے کر کے ہمارا اعتماد کھو دیا۔ کیا تم چاہتے ہو ازمید بھی ہاتھ سے نکل جائے؟" ازمید نیکو میڈیا کی ریاست کا دارالحکومت تھا۔

"ملکہ نے فوج بھیجنے کی درخواست بھی کی ہے"۔

"فوج نہیں جا سکتی"۔ عظیم قیصر نے غور و فکر کے بعد جواب دیا۔ "جب تک ہم سرویا اور بلغاریہ کی طرف سے مطمئن نہیں ہو جاتے ایک سپاہی بھی نہیں جائے گا۔ ادھر سے فارغ ہو کر نیکو میڈیا کی حفاظت کا انتظام کر دیں گے۔ فی الحال جوزف ہماری نیک تمنائیں لے کر رخصت ہو جائے"۔

"شہنشاہِ معظم! نیکو میڈیا کی حفاظت ضروری ہے"۔

"نہیں! قسطنطنیہ کی حفاظت ضروری ہے"۔ قیصر کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ "زار دوشان سروی اور بلغاریوی فوجوں کو پھر جمع کر رہا ہے اس موقع پر ہم اپنی مشرقی ولایات کی کوئی مدد نہیں کر سکتے مگر ملکہ بلاکونی اور اس کی بیٹی کو پیغام بھیج دیا جائے کہ ہماری فوجیں ازمید سے دور نہیں اگر ترکوں نے نیکو میڈیا کا رخ کیا تو ماں بیٹی رومی گھوڑوں کی تہلکہ انگیز ٹاپوں کی آواز سن لیں گی"۔

یہ عظیم قیصر کا آخری فیصلہ تھا جس میں ترمیم یا تبدیلی کا کسی کو اختیار نہ تھا چنانچہ اس حکم کے مطابق دربارِ قسطنطنیہ کا مشیر جوزف اپنے مختصر وفد کے ہمراہ آبنائے باسفورس کو عبور کر کے اناطولی ساحل پر آ ترا جسے ترک "سقوطری" کہتے ہیں، اور گھوڑے پر سوار ہو کر نیکومیڈیا کے دارالحکومت ازمید کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ شہزادی کی تقریبِ تخت نشینی میں شریک ہو سکے۔

396

۷۲۶ ہجری مطابق ۱۳۲۶ عیسوی میں عثمان کی وفات کے بعد اُس کے چھوٹے لڑکے اُرخان نے اورنگ سلطانی پر جلوس کیا ——— وہ اپنے باپ کا تابوت بھی جو "صفت" میں فوت ہوا تھا بروصہ اُٹھا لایا۔

صوبہ بتھینہ کا صدر مقام بحیرہ مارمورا سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے۔ اسک شہر اور یانی یا ینگی شہری کے بعد بروصہ ترکوں کا تیسرا دارالحکومت تھا۔ وہ جوں جوں مغرب کی طرف بڑھے اپنے دارالحکومت بھی بدلتے چلے گئے۔ کوئی نہیں جانتا تھا اُن کی منزل کہاں ہے۔ اُن کے قدم کہاں رُکیں گے ؛ جب اُرخان نے بروصہ میں دربار لگایا تو عثمان کا بڑا لڑکا علاء الدین پاشا چھوٹے بھائی کے سامنے اُمرائے سلطنت کی صف میں کھڑا تھا، وہ تمام سلجوقی شہزادے اور سردار بھی موجود تھے جو سلجوقیہ کے آخری حکمران رکن الدین سوم کی ہلاکت کے بعد عثمان اور آلِ عثمان کے دربار ہی کو اپنی اُمیدوں کا مرکز سمجھ بیٹھے تھے۔ مولویہ کے شیخ چلپی آفندی نے عثمان کی تلوار اپنے ہاتھ سے نئے سلطان کی کمر میں باندھی اور کہا :-

"تیغِ عثمان ——— تیغِ جہاد ہے۔ یہ تلوار تاتاریوں اور رومیوں کے مقابلے میں بجلی کی طرح چمکتی رہی ہے۔ کہیں اس کی چمک ماند نہ پڑ جائے۔"

اُرخان نے تلوار میان سے نکال کر بحیرۂ روم کی طرف اشارہ کیا اور جواں سال ترک عبدالرحمٰن غازی کو حکم دیا۔

"رومیلیا کی سمت کوچ کرو۔ یہ ارضِ اناطولیہ میں قیصر کا آخری حصار ہے اس حصار کو توڑ کر گیلی پولی کی طرف بڑھو۔"

عبدالرحمٰن سقوطِ بروصہ سے قبل آقچہ خواجہ کے پرچم تلے یلیز والکے میدان میں قیصری فوج کو شکست دے چکا تھا۔ رومیلیا کی فتح کے لیے اُورخان نے اُسی کا انتخاب کیا۔ اُس نے گھوڑے کی باگ اُٹھائی، لشکر لے کر بگولے کی طرح بروصہ سے نکلا اور آندھی کی طرح لہراتا چلا گیا۔ بحیرہ رُوم کے کٹے پھٹے ساحل پر رومیلیا اور اُس سے ملحق نیکومیڈیا کی ریاستیں یونانی بہادروں سے خالی نہ تھیں۔ جگہ جگہ مضبوط قلعے اور اُن قلعوں کی حفاظت کرنے والے گرانڈیل شہسوار اپنی تلواروں کو موت کی آب داری لگا کر بیٹھے تھے۔ اِدھر تُرک سپہ سالار کی نبضوں میں بھی جوانی کا گرم خون اور معرکہ آرائی کے ولولوں کی آگ دہک رہی تھی۔ اس دلیری سے آگے بڑھا جیسے موت کے طوفانوں کو چیرتا، کاٹتا ہُوا نکل جائے گا۔

قیصر کے یونانی صوبیدار جو "تکفور" کہلاتے تھے۔ تُرک یلغار کو روکنے کے لیے قلعوں سے نکل آئے۔ رومیلیا کی فضا ترکوں کے نعروں اور یُونانیوں کے شور سے گونج اُٹھی قسطنطنیہ کی طرف قاصد دوڑائے اور قیصر کو پیغام بھجوایا۔ "ترک اپنے جلو میں موت کے ہنگامے لے کر چلتے ہیں۔ ایسی سپاہ بھیجیے جو موت کے فرشتوں سے لڑ سکے۔"

عظیم قیصر نے غلاطہ کے مینار سے بار بار اناطولیہ کی طرف نگاہِ حیرت سے دیکھا قسطنطنیہ کی بوڑھی سلطنت جو اپنی عمر کے ایک ہزار سال پُورے کر چکی تھی اور جس کے چہرے کو بڑھاپے کی جھریوں نے بدصورت بھی کر دیا تھا ترکوں کی جوانی اور شہ زوری کو دیکھ کر لرزہ براندام تھی۔ تُرک قدم بہ قدم یورپ کی طرف بڑھے آرہے تھے اور کوئی مدافعت اُنہیں روکنے میں کامیاب نہ ہوئی تھی۔ اُن کی چھوٹی سی ریاست جو ارطغرل اور عثمان کے ایک شجاعانہ معرکے کے نتیجے میں کوہ اولمبس کے قریب آرمینیا کی رومی سرحد پر "حفاظتی گارڈ" کی شکل میں قائم ہوئی تھی (تاکہ سلجوقیہ کے زوال پر قیصری فوجیں قونیہ تک پیش قدمی نہ کر سکیں) بہت محدود سے رقبے پر مشتمل تھی اور عظیم قیصر کے رومی سرداروں، نائٹوں اور بادشاہوں نے اُسے اتنی بھی اہمیت نہیں دی تھی جتنی ایک معمولی سرحدی چوکی کو دی جاتی ہے کیونکہ وہ قوت

کے نشہ میں سرشار اور سمجھتے تھے کہ جب چاہیں گے اِن خانماں برباد ترکوں کو اسک شہر سے مار بھگائیں گے۔ مگر حالات ان کی توقعات کے بالکل ہی برعکس ظہور میں آ رہے تھے اور تیغ عثمان کے مقابلے میں اُن کی تلواریں بے کار ثابت ہو چکی تھیں۔ ارطغرل کے فرزندوں نے اپنی ریاست سے نکل کر ارمنی بازاری، عیانہ گوپلی اور قندھاری پر قبضہ کر کے یونانی سرداروں کو دریائے سقاریہ کے اس پار بھگا دیا تھا۔ پھر چادرلق، لفکہ، کافنگی شہری، فیری حصار، علوباد، قطحی، اقصار، قراقین، یچی، انگوبجیسی، گونیک طرقلی، مارطونی، طویں بازاری، اکاری، تگین حصاری، یگراس، قرہ جیش الیوی، صفت، قرہ حصار ایسے شہروں اور قلعوں کو زیر کرتے بروصہ تک آ پہنچے اور قسطنطنیہ کی بوڑھی کھوسٹ مملکت کو دہلا رہے تھے کیونکہ بروصہ پر تسلط کے بعد ترک مملکت اسکدار کے ساحلی علاقہ سے آ ملی اور اس کی سرحدیں اناطولی ساحل کو چھونے لگی تھیں۔

اناطولیہ کے جنوب مغرب میں رومی ولایات کا سلسلہ ابھی قائم تھا مگر ترک لشکر نے عبدالرحمٰن کی قیادت میں رومیلیا کی جانب جو تاخت شروع کی اُس سے بحیرہ روم کے پورے ایشیائی ساحل کو خطرہ لاحق ہو گیا اور قسطنطنیہ میں بیٹھے ہوئے رومی مدبّر قیصر کو انتباہ کرنے لگے۔

"ترک لشکر رومیلیا کو تاخت و تاراج کر کے گیلی پولی کی طرف بڑھیں گے اور ڈارڈانلز (درہ دانیال) پر قبضہ کر کے قسطنطنیہ پر بحری گھیرا ڈال دیں گے۔ ان سرکشوں کو رومیلیا سے پرے دھکیل دو۔"

اساقفہ و بطارقہ کے علاوہ ماضی میں جھانکنے والے تاریخ نویسوں نے بھی قیصر کو یاد دلایا کہ قسطنطنیہ کی فتح مسلمانوں کی سب سے بڑی خواہش ہے اور اسلامی لشکر خلیفہ سوئم کے زمانے ہی سے شہر قیصر کو زیر کرنے کے لیے جہاد میں مصروف رہے ہیں۔ امیر معاویہ، عبدالملک بن مروان، ولید و سلیمان اور ہشام بن عبدالملک کے بعد عباسی خلیفہ مہدی، ہارون الرشید، مامون، معتصم، معتضد اور مقتدر ایسے حکمرانوں نے ارضِ روم پر معرکے لڑنے اور قسطنطنیہ تک پہنچنے کے لیے لشکر بھیجے تھے۔ کئی صدیوں تک اس شہر کی خاطر

خونریز جنگیں ہوتی رہی ہیں - اب اگرچہ عباسیہ کے ساتھ چنگیز و ہلاکو کے تاتاریوں نے سلجوقیہ کو بھی قبروں کی لحد میں اتار دیا ہے مگر یہ ترک جو کبھی صحرائے ہامان میں گھوڑے چراتے اور مویشی پالتے تھے حکمرانی کرنے کے ولولے لے کر اٹھے ہیں اور قلعوں کی فصیلیں گراتے قسطنطنیہ کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ عظیم قیصر' زمین پر خداوند کا سایہ' اور محافظ صلیب " ہے۔ اسے ان 'بے دینوں' کے خلاف خود کو 'کروسیڈ کا پرچم اٹھانا چاہیے۔"

قیصر اینڈرونیکس اعظم نے یہ سب مشورے سن لیے اور معاملے کی ہر صورت پر غور کر لیا تھا مگر ایسے وقت میں جب بلقانی ریاستوں میں قیصر کے خلاف شورش برپا تھی اور زار سٹیفن دوشان نے اس کی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی وہ اپنے لشکروں کو ایشیائی ولایات کی طرف بھیج کر یورپی حریفوں کا نشانہ بننے پر تیار نہ تھا - معاملہ صرف سرویا، بلغاریہ اور یوگوسلاویہ کی بغاوت کا نہیں تھا۔ قسطنطنیہ کے شاہی محلات اور یونان کی ریاستوں میں بھی اقتدار کی سازشیں ہو رہی تھیں اور ریاست ڈیموٹیکا کا حکمران جونز کانتاکوزین اینڈرونیکس چہارم کی حکومت کے لیے بساط بچھا رہا تھا۔ تخت و دیہیم کی باہمی آویزشوں نے اس عظیم رومی سلطنت کو نحیف و کمزور کر دیا تھا جس پر کبھی قسطنطین کبیر، جسٹینین، تھیوڈوسس اور آرکیڈیس جیسے عظیم قیصروں نے اقبال مندی کے پرچم لہرائے اور مشرق و مغرب پر اپنی ہیبت طاری کر دی تھی۔

روم کے عظیم قیصروں اور فتح نصیب ہرقلوں کا دور گزر چکا اور اب قسطنطنیہ یونانی الاصل قیصروں کا آخری زمانہ دیکھ رہا تھا جن کے حوصلے پست اور عقل ضعیف تھی - وہ اپنے جرنیلوں، مشیروں اور مذہبی رہنماؤں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتے اور نمائشی عظمت کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر کبھی کبھار میدانِ جنگ میں نظر آ جاتے لیکن شعورِ مملکت سے بیگانہ تھے۔ قیصر اینڈرونیکس سوم کو بھی یہی فکر دامن گیر تھی کہ جب تک زندہ ہے تاجِ قیصری سر پر قائم رہے - اس نے ترکوں کی نئی یلغار کے بارے میں رومی مدبروں، اساقفہ و بطارقہ اور مورخ نویسوں کے مشورے مسترد کر دیے کیونکہ جانتا تھا - اگر ایشیا کی سرزمین پر نکل گیا تو شاید یورپ کے ساحل پر کبھی واپس نہ آ سکے اور اس کے بقیہ ایام زندگی کی سرحد تاریک

قید خانے میں گل سڑ جائیں گے، کئی قیصر قید یا جلاوطن ہوتے تھے لیکن یہ کمزوری اُس نے کسی پر ظاہر نہ ہونے دی تھی اور اپنے مشرقی صوبیداروں کو پیغام بھیجا کہ ——

"گھوڑوں اور مویشیوں کے ریوڑ ہانکنے والے ترکوں سے کیوں ڈرتے ہو، متحد ہو کر ان کا مقابلہ کرو اور قیصر کی عنایات کے منتظر رہو"۔

مگر قیصر کی عنایات کے بدلے اُن پر ترک تمو رین برقِ اجل گراتی رہیں جب عبدالرحمٰن نے رومیلیا کی سرحد میں داخل ہو کر کئی شہر اور قلعے فتح کر لیے تو ایک دن اچانک خبر ملی کہ نیکومیڈیا کی ریاست کا والی فوت ہو گیا اور اب اُس کی بیٹی کو اورنگِ حکومت پر بٹھایا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی پہنچی کہ قیصر اینڈرونیکس کا مشیر جوزف از مید پہنچ گیا مگر اُس کے پیچھے قیصری سپاہ کا کوئی دستہ دکھائی نہیں دیتا کیوں کہ قیصر نے فوج بھیجنے سے انکار کر دیا اور ادھر ملکہ بلاتونیہ نے شہزادی کی تخت نشینی ملتوی کر دی ہے۔ یہ سب اطلاعات خرمنِ قیا کی ریاست کے حکمران مائیکل کیونہ کا ایک بھتیجا لے کر آیا تھا مائیکل کا پورا خاندان جسے ترک "مائیکل اوغلی" کہتے تھے انتہائی وفادار ثابت ہوا تھا بعد ازاں اس نے اسلام بھی قبول کر لیا۔

عبدالرحمٰن نے ان اطلاعات کو پوری توجہ اور دلچسپی سے سنا پھر پوچھا ——

"تخت نشینی کیوں ملتوی کر دی؟"

"بیٹی تاجپوشی چاہتی تھی مگر ملکہ راضی نہیں۔ اُس نے قسطنطنیہ کی طرف قاصد دوڑایا ہے کہ جب تک ریاست کی حفاظت کے لیے عظیم قیصر کی فوج نہیں آئے گی شہزادی تخت پر جلوس نہیں کر سکتی"۔

"کیا قیصر فوج بھیج دے گا؟"

"ضرور بھیج دے گا۔ اُس کے مشیر نے رومیلیا اور نیکومیڈیا کے دفاع کو مایوس کن قرار دیا اور قیصر کو لکھا ہے کہ مقامی حکمران ترکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر ان ریاستوں کی سلامتی منظور ہے تو مدد روانہ کی جائے"۔

عبدالرحمٰن کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اچانک پوچھنے لگا:

Marfat.com

"ازمید کی حفاظت کے لیے اس وقت کتنی فوج ہے ؟"

"ترک لشکر سے دوگنی ضرور ہوگی۔"

عبدالرحمٰن نے فوراً اپنے باش کاتب کو فوجی مشیروں اور سرداروں کی طرف دوڑایا اور مجلس مشاورت طلب کرلی۔ رات کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ جب ترک سوار سپہ سالار کے خیمے میں اکٹھے ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے ایک عجیب و غریب تجویز پیش کرکے انہیں حیران کر دیا۔

"ازمید کا والی فوت ہو چکا اور تخت نشینی کی تقریب اُس وقت تک ملتوی کر دی گئی ہے جب تک قیصری فوج نہ پہنچ جائے۔ میں چاہتا ہوں مدد آنے سے پہلے ہی ازمید پر حملہ کر دیا جائے"

اسی تجویز پر اُس نے رائے طلب کی تھی۔

"مگر یہ ایک احمقی چال ہے اگر قیصری فوج آنے تک ازمید فتح نہ ہو سکا اور محاصرے کے دوران ریاست کو مدد پہنچ گئی تو ہم دوہری مصیبت میں پھنس جائیں گے"۔

ترک لشکر رومیلیا کے ایک قلعے کا محاصرہ کیے بیٹھا تھا۔ کراخی بک نے بتایا۔

"اس وقت محاصرہ اٹھانا بھی خطرناک ہوگا قلعہ سر ہونے والا ہے اگر محاصرہ اُٹھا لیا، تو دشمن عقب سے ہم پر ٹوٹ پڑے گا۔"

ایبجی خواجہ کی رائے تھی: "قیصری فوج جلد ازمید نہیں پہنچ سکے گی۔ ہم اس قلعہ کو سر کرنے کے بعد اپنے گھوڑوں کی باگیں نیکومیڈیا کی طرف موڑ لیں گے اور ازمید پر قسمت آزمائی کریں گے۔"

یہ ایک صائب مشورہ تھا جسے سب نے پسند کیا۔ محاصرہ اٹھانا خلافِ مصلحت سمجھا گیا مگر عبدالرحمٰن نے ازمید کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے "مائیکل اوغلی" کے دو سواروں کو نیکومیڈیا کی طرف بھیج دیا۔

ادھر قلعے کے محصورین نے بڑی شدید مدافعت کی اور اُس کی تسخیر میں کئی دن لگ گئے۔ اس دوران میں "مائیکل اوغلی" نے یہ حیرت انگیز خبر سنائی کہ رومی فوج ازمید پہنچ گئی

ہے اور ٹھیک سات روز کے بعد ریاست میں جشنِ تخت نشینی منایا جائے گا کیونکہ جب قیصر اینڈرونیکس اعظم تک اپنے مشیر کا پیغام اور ملکہ کا احتجاج پہنچا کہ مشرقی ولایات شدید خطرے سے دوچار ہیں تو اس کے اندر عظیم قیصروں کی رُوح اچانک بیدار ہو گئی اور اس وقت جب وہ باب تہیو کو عبور کر کے قصر بلاچرمی کے قریب سے گزر رہا تھا ناگہاں کچھ سوچ کر "سنگ قسطنطین" کے قریب رُک گیا۔ قسطنطین کبیر جس کے نام پر قسطنطینہ کا عظیم شہر آباد ہوا تھا جب کسی مہم پر نکلتا تو اس پتھر پہ پاؤں رکھ کر گھوڑے پر سوار ہوتا تھا جو سنگِ قسطنطین کے نام سے مشہور ہُوا۔ اس کے پاس کھڑے ہو کر اینڈرونیکس سوم نے بھی اپنے آپ کو "اعظم" محسوس کیا پھر یک لخت پتھر پہ پاؤں ٹکا کر حکم دیا تھا کہ ——— "نیکو میڈیا کی حفاظت کے لیے رومی فوج ازمید روانہ کر دی جائے" ———

اس طرح ازمید کے دفاع کا انتظام بھی ہو گیا اور شہزادی کے جشنِ تخت نشینی کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔

عبدالرحمٰن نے یہ خبر سُننے کے بعد بھی ارادہ تبدیل نہیں کیا اور اپنے سرداروں اور سالاروں کو بتایا کہ ترکوں کی ہیبت سے ریاستی فوج کے حوصلے پست ہو چکے اور خود لڑنے کی بجائے وہ قیصری سپاہیوں پر زیادہ اعتماد کرتی ہے۔ اس نے گرج کر کہا۔

"آؤ دیکھیں قیصر کے سپاہی ہماری تلواروں کے زخم سینے پر کھاتے ہیں، یا پشت پر؟"

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رومیلیا سے اس کی لگام نیکو میڈیا کی طرف موڑ دی۔ ترک پھریرے شہبازوں کی طرح ہوا میں پرواز کرنے لگے ———:

ملکہ بلاکرنا جسے بعض مؤرخین بلاقرنیہ بھی لکھتے ہیں اگر شہزادی کی ماں اور عمر کی

Marfat.com

چالیس بہاریں دیکھ چکی تھی مگر اس کے حسن میں ڈھلتے سورج کی سی تمازت اور سرخی تھی۔ ملکہ کی حیثیت میں زندگی کے بہترین ایام دوسروں پر حکم چلاتے گذارے تھے اور اگر شوہر بیٹی کے حق میں وصیت نہ کر گیا ہوتا تو اس کی بجائے اپنی تخت نشینی اور حکمرانی کا جشن مناتی تاجپوشی کے بعد حکم و اختیار کا مرکز شہزادی کی ذات بن گئی۔ بلاکونی چاہتی تھی کہ بیٹی کو اپنی ہدایات کے تابع رکھے اور پس پردہ رہ کر حکومت کرتی رہے مگر جوانی حکم دینا جانتی ہے حکم سننا اور ماننا اس پر گراں گزرتا ہے۔ شہزادی ماں کی ذاتی مصلحت و حکمت کو نظر انداز کر کے صرف نیکو میڈیا کے بہتر مستقبل کی تدبیریں سوچ رہی تھی۔ رسم تخت نشینی کے بعد ماں نے اسے سفر قسطنطنیہ اور فرزند قیصر نکولس سے ملاقات کا مشورہ دیا تھا۔ چاہتی تھی اگر شہزادی کا حسن نکولس کو عشق کی زنجیر پہنا سکے تو قیصر کے محلات میں اس کا درجہ کچھ اور بلند ہو جائے گا مگر بیٹی نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ اسے شہزادہ نکولس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اپنے اقتدار کے تحفظ کی خاطر بیوہ ملکہ نے دوسرا مہرہ آگے بڑھایا اور شہزادی کو سمجھایا۔

"مرد کے طاقتور بازو ہی تخت و تاج کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اگر تم کہو تو میں جنرل ڈوڈو سے بات چھیڑوں۔ کسی نہ کسی سے تو تمہیں شادی کرنی ہے۔ ڈوڈو تمہارے لیے جان کی بازی بھی لگا سکتا ہے"۔

شہزادی نے حیرت پاش نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ "عورت کے لیے شادی بے شک ضروری ہے ماں! مگر وطن کی حفاظت اس سے بھی ضروری ہے"۔

"اسی لیے تو میں نے تمہارے لیے ڈوڈو کا انتخاب کیا ہے"۔

"مگر اس انتخاب کا حق آپ کو نہیں مجھے ہے"۔

"کیا تمہارا انتخاب مجھ سے مختلف ہو گا؟"

"شاید ———"

"میں تمہیں سوچنے کا موقع دوں گی۔ وہ ایک جرنیل ہے اور اس کا ہاتھ تھام کر تم نیکو میڈیا کے دفاع اور اپنے آپ کو مضبوط کر سکتی ہو"۔

Marfat.com

"جرنیل کا کام صرف میدانِ جنگ میں لڑنا ہے ماں! ریاست اور اپنے بارے میں سوچنا میری ذمہ داری ہے اور میں یہ ذمہ داری ڈونو کو نہیں سونپ سکتی"۔

یہ کہہ کر شہزادی نے ایک خود مختار ملکہ کی سی شان کے ساتھ قدم اُٹھایا اور بلاکونی کو مایوس و متحیر چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ یہ پہلا موقع تھا جب سابق ملکہ نے خود کو پایۂ اعتبار سے گرتے دیکھا اور محسوس کیا کہ اس کا اقتدار ختم ہو چکا ہے۔ وہ بیٹی کو اپنی مرضی کی زنجیر نہیں پہنا سکتی۔ جنرل ڈونو کا نام اسی لیے پیش کیا تھا کہ اسے فوج میں سپہ سالار کے عہدے تک پہنچانے میں بلاکونی ہی کا ہاتھ تھا اور سمجھتی تھی اگر اُس پر ایک اور احسان کر دیا جائے تو ڈونو ساری عمر کے لیے اس کا "غلام" بن جائے گا۔ اُس کے ذریعے وہ بیٹی کو بھی اپنی مرضی کا پابند بنا سکے گی لیکن شہزادی نے جو اب نیکو میڈیا کی خود مختار ملکہ تھی وہ تمام کڑیاں ہی توڑ ڈالیں جو زنجیر بن کر اس کے پاؤں سے لپٹ سکتی تھیں۔

بلاکونی بیٹی کی سرکشی پر دانت پیس کر رہ گئی۔

"گستاخ لڑکی ——— اُڑنا سیکھ گئی مگر یہ نہیں جانتی کہ پَر کاٹے بھی جا سکتے ہیں"۔ فوراً ہی بلاکونی نے اپنے ذہن میں بچھی ہوئی بساط کے مہرے تبدیل کر دیئے اور جس خانے میں پہلے بیٹی کو کھڑا کر رہی تھی وہاں خود کھڑی ہو کر سوچنے لگی اگر ڈونو مان جائے تو اب بھی جیت اُسی کی ہو گی۔ اس نے شہزادی کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا جو اس سے سرکشی پر اُتر آئی تھی اور محلات کے مخنث داروغہ کو طلب کیا۔

"جنرل ڈونو کے پاس جاؤ اور کہو میں، ملکہ بلاکونی اُس سے ملنا چاہتی ہوں"۔ اس نے یہ حکم بڑی مدھم آواز میں دیا مگر ——— ملکہ ——— کا لفظ خاص لہجے میں ادا کیا تھا۔ جب داروغہ پلٹنے لگا تو اُس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی ——— "اور یاد رہے کسی کو اس ملاقات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ ڈونو کو "تارس محل" میں آنے کی دعوت دو اور خود اس کی رہنمائی کرو"۔

ساتھ ہی سونے کا ایک سکّہ اُس کی طرف اُچھال دیا۔ "یہ تمہارا پہلا انعام ہے"۔ داروغہ نے سکّہ دبوچ لیا اور گردن جھکا کر چلا گیا۔ بلاکونی جلدی سے کمرہ آرائش

Marfat.com

میں داخل ہوگئی۔ قدِ آدم آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ جوانی کے ڈھلتے سورج میں ابھی اتنی گرمی اور حسن کے گھٹتے چاند میں ابھی اتنی کشش ضرور باقی تھی کہ اپنے ملاقاتی کو بے چین کر سکے۔ پھر بھی اس نے تھوڑی سی مزید آرائش ضروری سمجھی اور خود کو سنوارنے میں مصروف ہو گئی۔ کوئی پریشانی اور جلدی نہیں تھی۔ جنرل ڈوڈو پیغامِ ملاقات پر بھاگا آئے گا۔ اگر اسے کچھ دیر انتظار بھی کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ تھوڑا سا انتظار تو اس کے شوقِ ملاقات کو اور بڑھا دے گا۔

یہی سوچ کر اس نے آرائشِ جمال اور تبدیلیٔ لباس میں کافی وقت صرف کر دیا اور جب مخنث داروغہ نے آکر اطلاع دی کہ وہ جنرل ڈوڈو کو مارس محل میں چھوڑ آیا ہے تو بلاکونی نے اُسے ہاتھ کھولنے کا حکم دیا اور اس کی ہتھیلی پر سونے کی دوسری مہر رکھ دی "یہ تمہارا دوسرا انعام ہے۔ اب میرے ساتھ چلو"۔

دونوں آگے پیچھے چلتے قصرِ شاہی کے عقبی دروازے سے مارس محل میں داخل ہوئے۔ اُس نے داروغہ کو اُسی دروازے کے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا اور اس کے ہاتھ میں سونے کا تیسرا سکہ تھما کر آگے بڑھ گئی۔

جنرل ڈوڈو کمرۂ ملاقات میں منتظر تھا۔ اُس نے بڑے تپاک سے ملکہ کا استقبال کیا اور سوچنے لگا کہ بادشاہ کی وفات کے بعد وہ کچھ اور جوان، پُرکشش اور خوبصورت ہو گئی ہے۔ بہرحال وہ اسکی محسنہ اور سابق ملکہ تھی جس کا احترام اس پر فرض تھا مگر خود بلاکونی کچھ بے تکلفی چاہتی تھی۔ جب وہ بیٹھ گئے تو ملکہ نے کہا ——— "جنرل ڈوڈو! ذرا قریب آجاؤ میں تم سے کچھ راز کی باتیں کرنا چاہتی ہوں"۔

ڈوڈو قریب آ بیٹھا تو بلاکونی نے گفتگو کی کتابِ اسرار کھولی۔

"تخت نشینی ہو چکی اور قیصر کا مشیر شہزادی کے سر پہ تاجِ شاہی رکھ کر قسطنطنیہ لوٹ گیا۔ مجھے خوشی ہے مرنے والے کی وصیت پوری ہو گئی مگر شہزادی نوجوان بھی ہے اور ناسمجھ بھی۔ اندیشہ ہے کہیں ایسی غلطی نہ کر بیٹھے جو ہمارے مستقبل کے لیے خطرہ بن جائے"۔

جنرل ڈوڈو ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا رہا مگر کچھ پلے نہ پڑا کہ سابق ملکہ

Marfat.com

چاہتی کیا ہے ، گول مول سا جواب دیا۔ "نوجوانی نادان ضرور ہوتی ہے مگر آپ کی بیٹی آپ کی نگرانی میں غلطی کیوں کرنے لگی ؟"

"وہ نادان ہی نہیں گستاخ بھی ہے ڈوڈو ــــــ ! کیا تم نے جشن تخت نشینی کے روز نہیں دیکھا کہ اس نے عظیم قیصر کے مشیرِ خاص جوزف اور رومی جرنیل کی ذرا بھی پروا نہیں کی تھی ؟"

"کیوں نہیں ! قیصر کے نمائندوں کے ساتھ شہزادی صاحبہ کا سلوک واقعی توہین آمیز تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" شاید ڈوڈو اب اُس کی بات کا مطلب سمجھنے لگا تھا۔ "میں تو ڈر گیا تھا کہیں معزز سفیر ناراض نہ ہو جائیں مگر آپ نے بگڑے ہوئے معاملے کو سنبھال لیا۔"

بلاکونی نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور نیا پانسہ پھینکا "لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں میں نے بیٹی کے لیے تخت چھوڑ کر غلطی کی ہے مگر میں کیا کرتی ۔ بادشاہ نے میرے حقوق کا خیال نہیں رکھا اور صرف بیٹی کے لیے وصیت کی تھی ۔"

"یہ بات تو میں بھی کہوں گا ' تخت پر جلوس آپ ہی کو زیب دیتا تھا ۔"

"اگر میں بادشاہ کی وصیت ضائع کر دیتی جس کا علم صرف چند لوگوں کو تھا تو کیا تم میری خاطر ان لوگوں پر قابو نہیں پا سکتے تھے ؟"

"مگر آپ نے مجھے اس خدمت کا موقع ہی کب دیا ؟"

بلاکونی نے بے اختیار جنرل کا ہاتھ پکڑ لیا۔" ڈوڈو ــــــ ! میں اب بھی تمہیں یہ موقع دے سکتی ہوں "۔

ملکہ کے نرم و گداز ہاتھ کی گرمی نے جنرل ڈوڈو کی نبضوں میں آگ سی بھر دی۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ قسمت اس طرح بھی مہربان ہو سکتی ہے ۔ وہ بلاکونی کی باتوں کے ساتھ اب اس کے جسم میں بھی ایک عجیب سی کشش محسوس کر رہا تھا۔ اچانک بلاکونی نے اُسے نئے تحیّر سے دو چار کر دیا اور ساتھ لگ کر اپنی باہیں اُس کے گلے میں ڈال دیں ــــــ "ڈوڈو ــــــ ! تمہیں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ تخت پر میرے ساتھ بیٹھنے کی صلاحیت رکھتے ہو"۔

ملکہ کے اس سلوک اور ان الفاظ نے "کاک ٹیل" سے بھی بڑھ کر کام دیا۔ عورت

کے جسم کی گداز حرارت اور اقتدار کا نشہ - بلاکونی نے دونوں منتر بیک وقت پھونکے تھے - جنرل ڈونو دیوانہ ہو گیا اور اس کا بازو ملکہ کی کمر کے گرد سخت ہوتا چلا گیا۔ "میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

بلاکونی نے خود سپردگی کی حالت میں اپنے تپتے ہوئے سرخ ہونٹ اس کے ہونٹوں سے قریب کر دیئے اور جنرل ڈونو نے اس کے پہلے حکم کی تعمیل کی۔ ملکہ کا قرب اور جسم تو اُسے مل گیا تھا مگر نہیں جانتا تھا تخت کس طرح ملے گا کیونکہ اُن کے درمیان شہزادی حائل تھی اور اسے تخت سے الگ کرنا آسان نہ تھا۔ شہزادی کی تخت نشینی کی تقریب عظیم قیصر کے مشیرِ خاص اور رومی فوج کے سپہ سالار کی نگرانی میں منعقد ہوئی تھی اور شہزادی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا مطلب قیصر سے بغاوت تھی۔ جنرل ڈونو اس خیال سے پریشان ہو رہا تھا۔ کیا بلاکونی قیصر کے خلاف بغاوت چاہتی ہے۔ مگر چالاک عورت اس کے ذہن میں اُبھرنے والے خیالات کو بھانپ گئی تھی۔ بولی:

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ڈونو! شہزادی ایک دن اچانک ازمید سے غائب ہو جائے گی اور کچھ عرصہ بحیرہ ایجیئن کے کسی جزیرے پر قیدِ تنہائی میں رہے گی۔ ہم قیصر کو یقین دلا دیں گے اُسے ترکوں نے اغوا کر لیا یا قتل کر دیا ہے۔ پھر نیکومیڈیا کا تخت خود بخود ہمارے قدموں تک پہنچ جائے گا۔"

ڈونو کی ساری پریشانیاں ختم ہو گئیں۔ بلاکونی کی تجویز نے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ——— اب وہ اس کی قربت سے مسرور و مطمئن نظر آ رہا تھا کہنے لگا ——— "حکومت کرنے کے لیے آپ جیسا دماغ ہونا چاہیئے۔"

"مگر دماغ کے ساتھ عورت کو مرد کے مضبوط بازوؤں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔"

"آج سے میرے بازو آپ کے ہیں اور آپ کا یہ خوب صورت جسم میرا ہے۔"

"پھر مجھے اپنے بازوؤں میں لے لو۔"

جنرل ڈونو نے اس کے دوسرے حکم کی تعمیل کی اور حسین و گداز ریشمیں بدن کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ تجربہ کار بلاکونی محسوس کر رہی تھی کہ ڈونو کا جسم بڑا سخت، بازو مضبوط

Marfat.com

اور عورت کو اپنی گرفت میں لینے کا انداز بڑا پُرجوش اور وحشیانہ ہے۔ وہ بے حد مطمئن تھی کہ اس نے اپنے مقصد کے لیے ایک صحیح آدمی کا انتخاب کیا ہے۔

مخنث خواجہ سرا تنہائی کی اس ملاقات کا مقصد جاننا چاہتا تھا۔ وہ دروازہ سے ہٹ کر دبے پاؤں اُس کمرے کی دیوار تک پہنچ گیا جہاں سے ان کی ساری گفتگو سُن رہا تھا۔ شہزادی کے اغوا و قید کے ذکر نے اُس کے جسم میں عجیب سی سنسنی پیدا کردی تھی پھر جسم و بازو کی بات چلی تو بڑی آہستگی سے دروازہ پر پلٹ آیا اور یہی اس نے عقل مندی کی تھی کیونکہ چند ہی لمحوں کے بعد ملکہ کمرے سے نکل آئی اور اُسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرکے اُسی عقبی دروازے میں داخل ہو گئی تھی۔ داروغہ بلاکونی کے کمرۂ خاص تک ساتھ ہی رہا۔ رخصت کرنے سے قبل ملکہ نے اس کے ہاتھ پر سونے کا چوتھا سکہ رکھ دیا۔

"یہ آج کا آخری انعام ہے۔"

داروغہ محلات کمر تک جھکا پھر کمرے سے نکل گیا اور بلاکونی ایک بار قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے سراپا کا جائزہ لینے لگی۔ اُس کا یہی حسین جسم جنرل ڈوڈو کیلئے پھندا بن گیا تھا۔

عبدالرحمٰن اپنی روایتی برق رفتاری کے ساتھ نیکومیڈیا کی سرحد میں داخل ہوا ابھی ازمید میں جشنِ تخت نشینی پر چند ہی روز گزرے تھے اور قیصر کی امدادی فوج قلعہ کی بارکوں میں کمر کھول کر آرام کر رہی تھی کہ ریاست کے راستے پر ترک شہسواروں کے گھوڑے دھول اڑاتے گزرنے لگے۔

عبدالرحمٰن نے اندھا دھند آگے بڑھ کر ازمید پر حملہ کرنے کی غلطی نہیں کی "مائیکل اوغلی" نے جو اطلاع دی تھی اُس کے مطابق قیصری فوج قلعے میں آ رہی تھی اور شہر کے قرب و جوار

میں ایسی کمین گاہیں نہیں تھیں، جہاں چھاپہ مار دستے چھپ کر بیٹھ سکتے پھر بھی اس نے احتیاطاً نو دس میل ادھر ہی پڑاؤ ڈال دیا تاکہ صورتِ حال کا صحیح جائزہ لینے کے بعد شہر پر دھاوا کرے۔

ریاست میں داخل ہوتے ہی غل مچ گیا کہ "ترک آگئے" مقامی باشندوں میں خوف وہراس کی لہر پھیل گئی۔ لوگوں نے گھروں کے دروازے بند کر لیے بعض ازمیدہ کی طرف بھاگ گئے۔ غیر ملکی حملہ کے دوران لوٹ مار، پکڑ دھکڑ، دھونس دھاندلی اگرچہ تاریخی روایت بن گئی تھی مگر ترکوں نے نہ کسی کو پکڑا۔ نہ کسی کا گھر لوٹا۔ نہ کسی کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی۔ اس کے برعکس وہ مقامی باشندوں سے خُلق ومحبت کے ساتھ پیش آئے اور انہیں اپنے روزمرہ کے کام جاری رکھنے کی تاکید کی۔

جب دو تین دن میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا۔ دُور ونزدیک کسی عورت کی چیخ سُنائی نہ دی، کسی دروازے پر خطرے کی دستک نہ اُبھری تو لوگ بڑے حیران ہوئے اور گھروں کے دروازے کھول کر باہر آگئے۔ اُنہیں حیرت اس بات پہ ہو رہی تھی کہ جب قیصری فوجیں کسی علاقے سے گزرتیں تو کھیت اجڑ جاتے اور اکا دکا عورتیں اُٹھا لی جاتی تھیں مگر ترکوں نے اُن کے کسی معاملے میں دخل نہیں دیا۔ بلکہ بالکل بے تعلق سے ہو گئے تھے ——— اب وہ اُنہیں "شریف دُشمن" کے نام سے یاد کرنے لگے۔

عبدالرحمٰن نے دو تین گشتی ٹولیاں ادھر اُدھر بھیج دیں تاکہ مقامی حالات کی خبر لا سکیں اور خود "مائیکل اوفلی" کے ہمراہ چند سواروں کی معیّت میں ازمیدلی طرف چل دیا۔ دارالحکومت پر حملہ کرنے سے پہلے وہ بعض ضروری مقامات خود دیکھ لینا چاہتا تھا اور یہ احتیاط بھی مدِ نظر رکھی تھی کہ کسی کو اس کے سپہ سالار ہونے کا شبہ نہ ہو سکے۔ سواروں کے قافلے میں جن کی تعداد مختصر تھی وہ ایک عام سوار کی حیثیت سے شامل تھا۔ اور سرداری ورہنمائی کی ذمہ داری "مائیکل اوفلی" نے سنبھال رکھی تھی۔

شہر کو تین چار میل پرے چھوڑ کر یہ گشتی دستہ مغرب کی طرف مڑ لیا۔ عبدالرحمٰن کے

Marfat.com

کے نزدیک یہ سمت حملہ کے لیے زیادہ موزوں معلوم ہوتی تھی لہذا اُسی جانب سے شہر اور قلعہ کے کمزور مقامات کو بھانپنے کے لیے آگے بڑھا۔ اسی سمت سے سمندرہ کے دارالحکومت ہرتی اور کوہ حصار کو راستہ نکلتا تھا لیکن جونہی گشتی دستہ ایک برساتی نالے کی اُونچی منڈیر سے گزر کر اس شاہراہ کی طرف بڑھا جو ازمیدا در ہرتی کو ملاتی تھی ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ اس شاہراہ پر چار پانچ نامعلوم سوار ہرتی کی جانب اُڑے جارہے تھے۔ ایک سوار نے جس کا سردار معلوم ہوتا تھا کسی خوش لباس نازنین کو زبردستی اپنے گھوڑے پر بٹھا رکھا تھا جو چیخ بھی رہی تھی اور مسلسل مزاحمت بھی کررہی تھی۔ ترک سوار یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے مگر بھاگتے ہوئے سواروں کے عقب میں ایک اور نظارہ اس سے بھی زیادہ بھیانک اور حیرت انگیز تھا۔ اُسی شاہراہ پر درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کے قریب نامعلوم سواروں کے ساتھیوں اور ازمیدی فوج کے سپاہیوں کے درمیان باقاعدہ لڑائی ختم ہو رہی تھی۔ نامعلوم حملہ آور جو بیشتر ازمیدی سپاہیوں کو قتل کرچکے تھے مزاحمت کرنے والے رہے سہے سپاہیوں کو بھی ٹھکانے لگا کر اپنے فرار ہونے والے ساتھیوں کی طرف پلٹ رہے تھے جو خوش پوش حسینہ کو زبردستی اُٹھا لیے جاتے تھے۔ مغلوب گروہ کے صرف تین چار سپاہی شہر کی جانب بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوسکے۔ باقی سب کھیت رہے۔

عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کو واقعہ کی نوعیت سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ نامعلوم سواروں نے ازمیدکی کسی امیرزادی کو زبردستی اغوا کرلیا تھا اور دو گروہوں کے درمیان خونیں کشمکش یقیناً اُسی اغوا کا نتیجہ تھی۔ اگر یہ لڑائی محض دو حریفوں کی ہوتی تو ترک سواروں کو مداخلت کی ضرورت نہ تھی مگر معاملہ ایک عورت کے زبردستی اغوا کا تھا۔ جو مدد کے لیے چلا رہی تھی۔ لہذا یہ جانے بغیر کہ نامعلوم سوار کون ہیں اور کسی امیرزادی کو اغوا کرنے کا مقصد کیا ہے۔ عبدالرحمٰن کی ترک غیرت جوش میں آئی۔ اس لیے آنِ واحد میں مظلوم عورت کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور ترکوں کو نامعلوم سواروں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

عبدالرحمٰن کے ساتھ ترک سوار نالے کو چھوڑ کر اس طرح شاہراہ کی طرف جھپٹے جیسے تیر کمانوں سے نکلتے ہیں۔ انہوں نے بجلی کی مانند لپک کر اگلی جانب سے سواروں کا راستہ کاٹا۔

یہ ایک عجیب و غریب صورتِ حال تھی غالب گروہ جو ازمیدی سپاہیوں کو خاک و خون میں لوٹا کر اور امیر زادی کو اغوا کر کے نکلا جارہا تھا اچانک ترک سواروں کی کھنچی ہوئی تلواروں کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ مقابلہ برابر کا تھا کیونکہ یہاں بھی فریقین کی تعداد ایک جیسی تھی۔ غالب گروہ کا سردار جو ایک ہاتھ سے عورت کو سنبھال رہا تھا۔ یہاں سے بھی نکل جانا چاہتا تھا اُس نے اپنے ساتھیوں کو ترکوں سے نمٹنے کا حکم دیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ عبدالرحمٰن نے اس کا ارادہ بھانپ لیا اور ترکوں کو نامعلوم سواروں کے مقابلے میں چھوڑ کر تنہا سردار کے تعاقب میں نکلا۔ سردار ڈیڑھ دو فرلانگ سے زیادہ نہ بھاگ سکا تھا کہ عبدالرحمٰن سر پر پہنچ گیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے بازو کاٹ دیا۔ وہ تیورا کر گھوڑے سے اُلٹ گیا ساتھ ہی عورت بھی گری۔ عبدالرحمٰن نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی، کود کر نیچے آیا اور نازنین کو سنبھالنے لگا۔

نامعلوم سواروں نے اپنے سردار کو گرتے اور مرتے دیکھ لیا تھا۔ اب وہ ترک تلواروں کے زخم کھا کر ایک طرف فرار ہونے لگے۔ "مائیکل ادغلی" کے حکم پر اُن کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

ازمیدی نازنین نے احسان مند نگاہوں سے عبدالرحمٰن کی طرف دیکھا۔ شکریہ ادا کیا اور اپنی خوب صورت گردن اُٹھا کر پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

"ایک ترک سپاہی۔"

"ترک.....؟" وہ کسی ہرنی کی طرح بدک گئی۔

"مگر آپ کون ہیں۔ وہ لوگ کون تھے جو آپ کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے.....؟"

نوجوان حسینہ جو لباس اور لب و لہجہ سے کسی بڑے خاندان کی لڑکی معلوم ہوتی تھی جواب دینے کی بجائے عبدالرحمٰن کو نگاہِ شوق سے دیکھنے لگی۔ پھر مسکرا کر بولی ——

Marfat.com

"کیا سب ترک تمہاری طرح بہادر اور خوبصورت ہوتے ہیں ؟"

عبدالرحمٰن نے نگاہ جھکا لی۔" یہ میرے سوال کا جواب نہیں ۔ مَیں نے کچھ اور پوچھا تھا۔" وہ اُس کی ٹوٹی پھوٹی رومن زبان سے لطف اُٹھاتی ہوئی بولی۔

"حملہ آوروں کے بارے میں جاننا چاہتے ہو۔ تو کچھ نہیں بتا سکتی کیونکہ میں خود بھی نہیں جانتی ۔ میرے بارے میں کچھ معلوم کرنے کا شوق رکھتے ہو تو شاید یہ بات تمہارے لیے دلچسپی کا باعث ہو گی کہ مَیں نیکومیڈیا کے تخت و تاج کی وارث اور حکمران ہوں۔"

یہ جان کر کہ وہ ازمید کی شہزادی سے مخاطب ہے، جو کچھ عرصہ قبل اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوئی تھی عبدالرحمٰن دنگ رہ گیا ۔ مگر اپنی حیرت ظاہر نہ ہونے دی ۔" پھر تو مَیں ازمید کی ملکہ کو سلام پیش کرتا ہوں۔"

" اگر تم دربار ازمید میں حاضر ہو کر سلام کرتے تو مُنہ مانگا انعام پاتے مگر اس وقت مَیں تمہیں کچھ نہیں دے سکتی ۔" پھر شہزادی نے اپنے گلے سے جواہرات کا ہار اُتار کر اس کی طرف بڑھایا ۔" فی الحال میری طرف سے یہ انعام قبول کرو ۔ تم نے میری جان بچائی ہے۔"

عبدالرحمٰن ایک قدم پیچھے ہٹ گیا ۔" جان انعام کے لیے نہیں بچائی ۔"

شہزادی ایک قدم آگے بڑھ آئی ۔" مگر یہ جواہرات معمولی نہیں ۔"

" یہ آپ کا زیور ہے آپ ہی کے گلے میں اچھا لگے گا ۔"

" تم اسے اپنا زیور سمجھو ۔"

" سپاہی کا زیور صرف لوہے کی تلوار ہے ۔" پھر کچھ سوچ کر بولا ۔" اگر مَیں نے تمہارے گلے کا زیور قبول کر لیا تو ترک سپہ سالار مجھے معاف نہیں کرے گا ۔ ترک عورتوں کی عزت بچاتے ہیں اُن کے زیور پہ ہاتھ نہیں ڈالتے ۔"

شہزادی کی دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی وہ عبدالرحمٰن کو عجیب سی نظروں سے دیکھ کر کہنے لگی ـــــــ " پھر یہ ہار اپنے ہاتھ سے میرے گلے میں ڈال دو ۔"

عبدالرحمٰن ایک لمحہ جھجکا پھر شہزادی کے ہاتھ سے ہار لے کر اس کی گردن میں ڈال دیا ۔ شہزادی تڑپ کر بولی ۔" اب اپنے سپہ سالار سے ملو تو کہنا کہ اس کا ایک قرض میری

Marfat.com

گردن پر ہے"۔

اسی اثناء میں ترک سوار بھی وہاں پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن فوراً، مائیکل اوغلیؒ سے مخاطب ہوا۔

"سردار ——— ! یہ نکومیڈیا کی حکمران شہزادی ہیں۔ انہیں عزت کے ساتھ ازمید پہنچانا ہمارا فرض ہے"۔

یہ بات سب کے لیے حیرت انگیز ثابت ہوئی کہ نکومیڈیا کی حکمران شہزادی اپنی ہی ریاست میں اغوا کی جارہی تھی۔ مائیکل اوغلی نے پوچھا "وہ لوگ آپ کو زبردستی کیوں اُٹھا لے جانا چاہتے تھے؟"

شہزادی بتانے لگی "وہ کون تھے، کیوں اغوا کرنا چاہتے تھے، مجھے کچھ علم نہیں۔ میں تو سمندرہ کے والی پرنس کالوجینس سے ملنے نکلی تھی۔ یہاں سے تھوڑی دُور خیدی کا ایک مقام ہے۔ وہیں ہماری ملاقات طے ہوئی تھی۔ محافظ دستہ میرے ساتھ تھا مگر رستے ہی میں نامعلوم سواروں نے اچانک حملہ کر کے محافظ دستہ کے افسر کو قتل کر دیا اور چند آدمی مجھے زبردستی گھوڑے پر بٹھا کر بھاگ نکلے۔ تمہارے سپاہی نے مجھے بچایا اور تم نے اپنے سواروں سمیت حملہ آوروں کو بھگا دیا جس کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں موقع ملا تو اس مہربانی کا بدلہ چکانے کی کوشش کروں گی"

اب مائیکل اوغلی عبدالرحمٰن سے مخاطب ہوا۔

"یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے ہمارے سپہ سالار کو بھی دلچسپی ہو سکتی ہے کیوں نہ ازمید کی بجائے شہزادی کو اُن کے پاس پہنچا دیا جائے؟"

شہزادی کا رنگ اُڑ گیا مگر عبدالرحمٰن کا جواب اطمینان بخش تھا "سپہ سالار اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ ہم ایک عورت کو گرفتار کر لائے ہیں"۔

"یہ محض عورت نہیں نکومیڈیا کی ملکہ ہیں"۔

"اسی لیے انہیں ازمید پہنچانا چاہیے۔ ترک عورتوں کو یرغمال نہیں بناتے ہم لڑ کر جیتیں گے"۔

Marfat.com

شہزادی نے ایک بار پھر عبدالرحمٰن کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔ اس کی گفتگو میں بہادری کا جوہر تھا۔ مائیکل اوغلی کہنے لگا۔ "اگر شہزادی صاحبہ اس بات کی ضمانت دے سکیں کہ اُن ترک سواروں پر حملہ نہیں ہوگا جو انہیں اپنی حفاظت میں چھوڑنے جائیں گے تو مَیں ان کی واپسی کا انتظام کر دیتا ہوں"۔

شہزادی نے انجیل مقدس کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ اپنے محسنوں کو بصد عزت واپس بھیج دے گی۔ مائیکل اوغلی نے عبدالرحمٰن ہی سے کہا کہ وہ اپنے ہمراہ چار سپاہی لے جائے اور شہزادی کو ازمید تک پہنچا آئے پھر فوراً ہی شہزادی کے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر دیا گیا اور پانچ ترک محافظوں کی نگرانی میں شہزادی ازمید کی طرف روانہ ہوئی مائیکل اوغلی نے عبدالرحمٰن کو ایک عام سپاہی کی حیثیت میں اس لیے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ شہر کے اُن مقامات کو اچھی طرح دیکھ سکے جو حملہ کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

شہزادی اور عبدالرحمٰن کے گھوڑے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اچانک وہ کہنے لگی۔ "تم ایک بہادر محسن ہو۔ مگر مَیں نے ابھی تک تمہارا نام نہیں پوچھا"۔

"عبدالرحمٰن کہتے ہیں مجھے"۔

شہزادی مسکرا دی۔ "سُنا ہے ترک سپہ سالار کا بھی یہی نام ہے"۔

"ہاں ——— بہت سے ترک یہی نام پسند کرتے ہیں"۔

کچھ دیر خاموشی سے سفر ہوتا رہا۔ پھر سوال عبدالرحمٰن نے کیا۔

"سمندرہ کے حکمران کالوجی نس سے ملاقات کس سلسلے میں طے پائی تھی؟"

شہزادی نے چونک کر دیکھا۔ "جب غیر ملکی ہم پر حملہ آور ہوں تو دو پڑوسی حکمرانوں کی ملاقات کس سلسلے میں ہو سکتی ہے؟"

"مگر کالوجی نس ایک بدعہد حکمران ہے اس پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا ممکن ہے اغوا کرنے والے سوار اُسی نے بھیجے ہوں"۔

شہزادی نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ "وہ مجھ سے نہیں میری والدہ ملکہ بلا کوئی سے ملنا چاہتا تھا۔ مگر معاملہ ریاست کے دفاع کا تھا۔ اس لیے ماں نے مجھے بھیج دیا کیونکہ

اب مَیں ہی قانونی حکمران ہوں مگر تم کالوجی نس کو کب سے جانتے ہو ؟"

"وہ تُرک سلطان سے بھی فریب کر چکا ہے۔ ترک بدعہد اور جھوٹے آدمی پر اعتماد نہیں کرتے"۔

شہر قریب آگیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی ——— "ہم یہیں سے لوٹ جائیں گے"۔

"مَیں تمہیں اپنا مہمان بنانا چاہتی ہوں عبدالرحمٰن !" شہزادی نے ملتجی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

"مگر یہ بات روانگی سے پہلے طے نہیں ہوئی تھی۔ ہم جلدی واپس نہ گئے تو سردار پریشان ہوگا"۔

"اگر واپسی کا قول نہ دے چکی ہوتی تو تم جیسے بہادر کو کبھی واپس نہ بھیجتی ———"

"ہوسکتا ہے بہت جلد پھر ملاقات ہو"۔

"مَیں تمہارے سپہ سالار سے درخواست کروں گی کہ ازمید پر حملہ کرنے والی تُرک فوج میں تمہیں شامل نہ کیا جائے"۔

"وہ کس لیے ؟"

"مَیں تمہاری زندگی چاہتی ہوں اور میدانِ جنگ میں سپاہی کی تلوار کسی محسن اور دشمن کا چہرہ نہیں پہچانتی ———"

عبدالرحمٰن کا قہقہہ بلند ہوا۔ "مَیں تمہارا پیغام اپنے سپہ سالار تک پہنچادوں گا"۔

"اور مَیں تمہارا یہ احسان بھی یاد رکھوں گی"۔

پھر شہزادی گھوڑا دوڑاتی ازمید کی طرف بڑھ گئی۔ عبدالرحمٰن چند لمحے کھڑا شہر اور قلعے کا جائزہ لیتا رہا پھر اُس نے بھی گھوڑے کی باگ موڑی اور اپنے سواروں کے ہمراہ پلٹ آیا۔

شہزادی قلعہ میں داخل ہو رہی تھی اور جنرل ڈوڈنو اپنے دستۂ خاص کے ساتھ قلعہ سے نکل رہا تھا۔ جب دونوں کا آمنا سامنا قلعہ کے برجی دروازے پر ہوا، جنرل ڈوڈنو اُسے واپس آتے دیکھ کر ہکا بکا سا رہ گیا۔ پھر فوراً اس نے چہرے پر خوشی کے تاثرات پیدا کر لیے اور بولا۔

"شہزادی صاحبہ! شکر ہے آپ لوٹ آئیں۔ میں آپ ہی کی تلاش میں جا رہا تھا۔" جنرل ڈوڈنو گیا۔ محافظ دستہ کے دو سوار بھی تھے جو نامعلوم حملہ آوروں سے جان بچا کر بھاگے تھے۔ "آپ کے محافظ سواروں نے اطلاع دی تھی کہ رستے میں حضور پر کسی دشمن نے حملہ کر دیا تھا۔"

"ہاں ——— ! حملہ ہوا اور مجھے گرفتار بھی کر لیا گیا ———"

شہزادی نے مصلحتاً ترکوں کی امدادِ غیبی کا ذکر مناسب نہ سمجھا اور جنرل سے کہا، "آپ کو حملہ آوروں کا کھوج لگا کر زندہ یا مُردہ میرے سامنے پیش کرنا ہوگا۔"

"آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی۔" جنرل ڈوڈنو نے جواب دیا۔ "میں حضور کے دشمنوں کا کھوج لگانے جا رہا ہوں۔ آپ فوراً ملکہ سے ملیں وہ حملہ کی خبر سن کر بہت زیادہ پریشان ہیں۔"

جنرل ڈوڈنو دستۂ خاص کے ہمراہ قلعہ سے نکلتا چلا گیا اور شہزادی نے شاہی محلات کا رُخ کیا۔ یہاں ہر طرف کہرام بپا تھا اور ہر فرد کی زبان پر ایک ہی فقرہ تھا کہ، "ترک سوار شہزادی صاحبہ کو پکڑ کر لے گئے۔" مگر شہزادی کو آتے دیکھا تو ہر غلام، ہر کنیز، ہر خواجہ سرا شکر کا کلمہ پڑھنے اور خداوند کے فضل کا ذکر کرنے لگا۔ فوراً ہی دو تین کنیزیں ملکہ بلاکونی کو اطلاع دینے بھاگ گئیں کہ شہزادی صاحبہ آگئی ہیں۔ یہ ایک عجیب "مژدہ" تھا جسے سن کر بلاکونی لپکتی جھپکتی آئی اور آتے ہی بیٹی سے لپٹ گئی۔

"اوہ بیٹی! تمہیں زندہ و سلامت دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ ورنہ جب تمہارے زخمی محافظوں نے آکر حملہ اور اغوا کی خبر سنائی میری جان ہی نکل گئی تھی۔ تم ٹھیک تو ہونا؟"

Marfat.com

"بچ گئی ہوں۔ مگر بیس محافظ قتل ہو گئے"۔
بلاکوفی نے بیس محافظوں کے قتل کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"سنا ہے حملہ آور ترک تھے"۔
"ترک ـــــ ، نہیں ـــــ ترک کسی عورت پہ حملہ نہیں کرتے"۔
"پھر وہ کون بدبخت تھے ؟"
"پرنس کالوجی نس کے آدمی"۔
"پرنس کالوجی نس" کا نام کسی ارادے کے بغیر شہزادی کی زبان سے نکل گیا۔ اس کے متعلق اپنے ترک محسن کی بات ذہن میں رہ گئی تھی۔ مگر یہ نام سنتے ہی ملکہ بلاکوفی کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا۔ گھبرا کے بولی "شاید تمہیں دھوکا ہوا ہے"۔
"جنرل ڈوڈو حملہ آوروں کی تلاش میں گیا ہے اگر وہ نہ مل سکے تو اُن کے سردار کی لاش ضرور مل جائے گی"۔
شام سے پہلے جنرل ڈوڈو قلعہ میں لوٹ آیا۔ حملہ آوروں کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا مگر محافظ دستہ کے ہلاک ہونے والے سپاہیوں اور تین نامعلوم حملہ آوروں کی لاشوں کے ساتھ اُن کے سردار کی لاش بھی قلعہ میں پہنچ گئی۔ ایک آدمی نے اُسے شناخت کر لیا۔ وہ سمندر کی ریاست کا ایک بدنام لٹیرا تھا اور پرنس کالوجی نس بھی اُس سے بعض کام لیا کرتا تھا۔ اس انکشاف سے ملکہ بلاکوفی کے چہرے پہ ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اُس نے اُسی رات جنرل ڈوڈو کو پھر تارس محل میں بلایا۔ قاصد اب بھی مخنث خواجہ سرا تھا۔
ملکہ بلاکوفی اور جنرل ڈوڈو ہارے ہوئے جواریوں کی طرح ملے۔ اقتدار کی بھوکی عورت غمزدہ لہجے میں بولی۔ "شہزادی کو غائب کرنے کا منصوبہ ناکام ہو گیا"۔
"آپ کو پرنس کالوجی نس سے مدد نہیں لینی چاہیے تھی"۔
"میں نے اُسے خون خرابہ سے منع کیا تھا۔ شہزادی کے بارے میں بھی تاکید کر دی تھی کہ اُسے کوئی تکلیف نہ ہو صرف کچھ عرصہ قید تنہائی میں رکھو"۔
"مگر اس کے بھیجے ہوئے آدمی خون خرابے سے باز نہ رہ سکے اُن کے سردار کی لاش

Marfat.com

بھی شناخت کر لی گئی "

" تم اس لاش کو کسی گڑھے میں کیوں نہ پھینک آئے ؟"

" لاش بالکل غیر متوقع طور پر ملی، مجبوراً لانی پڑی مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی شہزادی کو اس کے ہاتھ سے بچایا کس نے ؟ وہ تو اُسے لے کر نکل گیا تھا "

" بچانے والا وہی ہوگا جس نے سردار کو قتل کیا مگر وہ کچھ نہیں بتاتی کہ کون تھا ؟"

" اب آپ کا کیا ارادہ ہے ؟"

" مجھے صرف تخت و تاج سے دلچسپی ہے ۔ بیٹی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتی ۔ اب کچھ سوچ کر فیصلہ کروں گی "

" میرے لیے کیا حکم ہے ؟"

" ڈونو ! تم میری ضرورت بن چکے ہو "

عبدالرحمٰن نے بچشم خود ازمید کے شہر اور قلعہ کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا ۔ وہ مقامات بھی ذہن نشین کر لیے تھے جہاں سے حملہ مفید ہو سکتا تھا پھر علی بک، کراخی بک اور افیجی خواجہ جیسے ترک سرداروں کو اپنے گشتی مشاہدے کی تفصیلات سنائیں ۔ مائیکل اور علی کی معلومات سے آگاہ کیا اور جنگ کا نقشہ تیار کر لیا ۔ ازمید کے دفاع کا انحصار قیصری فوج پر تھا ۔ وہ اسی پر ضرب لگانا چاہتا تھا ۔ اُس نے میمنہ پر علی بک، میسرہ پر کراخی بک کو متعین کیا اور افیجی خواجہ کو اپنے ساتھ قلب میں رکھا ۔ حملہ کی تیاریوں میں دو روز مزید صرف ہو گئے اور تیسرے دن جب سورج ابھی اناطولیہ کے پہاڑوں سے تانک جھانک کر رہا تھا ترک پھر یرے حرکت میں آ گئے ۔

لشکر کی تعداد زیادہ نہ تھی مگر مختلف سمتوں میں دستوں کی ترتیب اور روانگی

Marfat.com

کا نظارہ ایسا تھا کہ اس پر ایک لشکر جرار کا گمان ہوتا تھا۔ ڈھولکوں کی تال اور نفیریوں کے شور میں منزلِ فنا کا نغمہ گونج اٹھا۔ سوار اور پیادہ دستے اس نغمے کی دھن پر دیوانہ وار آگے بڑھ رہے تھے۔ منزلِ فنا کا یہ نغمہ رقاص درویشوں اور ترک سپاہیوں میں یکساں مقبول تھا جو ان کے دلوں میں ایک نئی تڑپ، حوصلوں میں ایک نئی دیوانگی پیدا کر دیتا وہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے تھے۔

ابھی ہراول دستہ مائیکل اوغلی کی قیادت میں شہر کے حاشیے پر پہنچا تھا کہ قلعہ کا دروازہ کھلا اور رومی فوج قیصری پرچم لہراتی اور ڈھول تاشوں کی لے پر جھومتی قلعہ سے باہر نکل آئی۔ جنرل ڈونو کی کمان میں مقامی سپاہ صرف فصیل کی حفاظت پر تعین کی گئی تھی۔ حکمران شہزادی اپی ماں بلاکوتی کے ساتھ فصیل پر پہنچ گئی تاکہ جنگ کا نظارہ کر سکے اور فوج کو مناسب ہدایات بھی دیتی رہے۔ جب اس نے فصیل کی ایک برجی سے ترک دستوں کو آگے بڑھتے دیکھا تو اپنے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی اور دل میں ایک نامعلوم سی دہشت محسوس کی مگر دوسرے لمحے قیصری فوج کی کثرت، اڑتے پرچموں اور چمکتے دمکتے ہتھیاروں پر نظر ڈالی تو اپنے آپ کو مطمئن کرنے لگی کہ اگر ترکوں کی ساری فوج وہی ہے جو سامنے دکھائی دے رہا ہے تو پھر گھبرانے کی ضرورت نہیں قیصری فوج اور مقامی سپاہ اس سے تعداد میں تین چار گنا ہوگی یہی کثرت وجہ سکون تھی مگر نجانے کیا بات تھی؛ اور کوئی بات تھی ضرور! کہ دل کو دھڑکا سا لگا تھا اور اس کے تصور میں بار بار وہی منظر گھوم جاتا جب اس نے ترک سوار عبدالرحمٰن کو سمندر کے لٹیرے پر کسی چیتے کی طرح جھپٹتے اور پوری ہیبت کے ساتھ کندھے تک اس کا بازو کاٹتے دیکھا تھا۔ حالانکہ عام حالات میں وہ ایک سیدھا سادا اور خوبرو سپاہی لگتا تھا۔ اچانک وہ پریشان ہو گئی۔ قلعہ سے بہت دور شہر کے حاشیے پر ہراول دستوں میں جھڑپ ہونے لگی تھی اور اتنی دوری کے باوجود اس نے لباس سے ترک دستہ کے سالار مائیکل اوغلی کو پہچان لیا جو اسے سپہ سالار کے پاس لے جانا چاہتا تھا۔

ہراول دستوں کی پہلی جھڑپ کے ساتھ کچھ اور بھی ہوا۔ ترک میمنہ اور میسرہ کے

سوار بڑی تیزی کے ساتھ دائیں بائیں پھیل گئے اُن کے ساتھ وہ نیزہ بردار پیادہ دستے تھے جو دُشمن پر پہلی ضرب لگاتے اور اُسے یکہ تاز سواروں کے منہ میں دھکیل دیتے۔ عبدالرحمٰن زرہ بکتر سے آراستہ اور سر پر فولادی خود اوڑھے ترکوں کے بڑے پرچم کے نیچے قلب میں نمودار ہوا وہ اس فوجی لباس میں کچھ بدلا بدلا اور پہلے سے کہیں زیادہ وجیہہ اور خونخوار نظر آتا تھا۔ بہت جلد وہ ہراول دستہ کے عقب میں پہنچ گیا۔ شہزادی نے فصیل کی بُرجی سے تُرک لشکر کی اس تیز نقل و حرکت کو دیکھا اور قلب پر بھی نگاہ ڈالی جہاں تُرک سپہ سالار اپنا گھوڑا کداتا ہوا سواروں کو ہدایات دے رہا تھا۔ مگر اُس کی ساری توجہ ہراول دستوں کی لڑائی پر مرکوز تھی وہ تُرک ہراول میں اپنے محسن سوار کو تلاش کر رہی تھی جو مائیکل اوغلی کا سپاہی تھا اور اُسی کے دستے میں ہونا چاہیئے تھا لیکن ہزار کوشش کے باوجود اپنے محسن کی صورت یا جھلک بھی نہ دیکھ سکی اور اس خیال سے کچھ مطمئن سی ہو گئی کہ شاید تُرک سپہ سالار نے اُسے میدانِ جنگ میں نہیں بھیجا۔

ہراول دستوں کی جھڑپ شدت اختیار کر گئی۔ اچانک رومی دستہ پیچھے ہٹتا نظر آیا پھر اُس میں بھگدڑ مچ گئی مگر اس کے ساتھ ہی رومی میسرہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تاکہ ہراول کو تباہی سے بچا سکے اُدھر ترک میمنہ نے بجلی ایسی سُرعت سے حرکت کی ۔ ترکوں اور رومیوں کا دوسرا تصادم بڑا ہولناک تھا۔ میدانِ جنگ ڈھول تاشوں اور نفیریوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ ناگہاں تُرک سپہ سالار نے تلوار کو جنبش دی اور اپنے میسرہ کو حملہ کا اشارہ کیا۔ تُرک پیادے اور سوار منزلِ فنا کے نغمے کی دھن پر رُومی میمنہ پر جھپٹے اور میدان کے دونوں بازوؤں میں جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔

ابھی اجل کا کھیل شروع ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یک لخت تُرک منجنیقیں اور دبابے حرکت میں آگئے جو قلب کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ قلعہ پر سنگباری ہونے لگی ۔ رُومی منجنیقیں ان کے مقابلے میں بہت ہلکی اور کمزور تھیں مگر اب قلعہ سے بھی ترک لشکر پر پتھر برسائے جانے لگے ۔ دونوں قلب خاموش کھڑے تھے۔ ترکوں کے میمنہ نے رومی میسرہ کو پیچھے دھکیل دیا تو عبدالرحمٰن نے اپنے قلب کو آگے بڑھایا۔ رو سالار

Marfat.com

نے بھی جنبش کی۔ سورج سر پر پہنچ گیا تھا۔ جب دونوں فوجیں بڑی وحشت کے ساتھ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئیں، ترک منجنیقیں اور دبابے بھی آگے بڑھ آئے اور بڑے بڑے پتھر قلعہ کی فصیل پر ٹوٹ رہے تھے۔ اُن پتھروں کے درمیان ہانڈیوں میں نفت کی آگ اور جلتے ہوئے شہتیر بھی گرنے لگے۔ ایک فوجی افسر بھاگا بھاگا شہزادی کے پاس پہنچا، اور عرض گذار ہوا۔

"حضور! یہاں سے ہٹ جائیں۔ یہ جنرل ڈوکا کا پیغام ہے"۔

"جنرل ڈوکا سے کہو وہ اپنا کام کرے اور جب ترک فصیل کے قریب آجائیں تو اُن پر "آتشِ یونانی" برسائے"۔

شہزادی بکستو فصیل کی برجی میں بیٹھی جنگ کا تماشہ دیکھتی رہی، یونانی آگ" برسانے والے گوپھیے زیادہ دُور تک مار نہ کر سکتے تھے اور جب تک ترک قلعہ کی دیواروں کے قریب نہ پہنچ جاتے اُن سے کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔

رُومی لشکر بڑی جوانمردی سے ترکوں کو روکے کھڑا تھا جو فصیل کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دائیں بائیں بھی شدید جنگ جاری تھی۔ اِدھر اُدھر تیر گر رہے تھے۔ دھول اُڑ رہی تھی۔ لوہا لوہے سے بج رہا تھا۔ جسم چھد رہے تھے۔ گردنیں کٹ رہی تھیں۔ سوار گر رہے تھے۔ گھوڑے بدک اور بھاگ رہے تھے، ناگہاں ترک قلب کے نیزہ برداروں نے رومی سواروں کے ایک دستہ پر تباہ کن ضرب لگا کر اُسے ترک سالار کے منہ میں دھکیل دیا۔ عبدالرحمٰن کے یکتا نہ سوار شاید اسی تاک میں تھے۔ چیتوں کی طرح جھپٹ پڑے۔ رُومی قلب تباہی سے دوچار ہو گیا۔ دوسری طرف سے فیجی خواجہ کے سواروں نے ضرب لگائی۔ قیصری سوار اپنے پیادوں سمیت پیچھے ہٹے۔ ترکوں نے بڑھ کر اور دبایا۔ خود عبدالرحمٰن رومی سواروں کو کاٹتا ہوا قیصری پرچم کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں رومی سپہ سالار بدن پر فولاد پہنے، سر پر پتیل کی مضبوط تری ٹوپی سجائے جس کے وسط میں رنگین پروں کی کلغی تھی آہن پوش سواروں کے حلقے میں کھڑا تھا۔ اُدھر فیجی خواجہ نے حملہ کیا اِدھر عبدالرحمٰن نے علم اُٹھانے والے کا بازو کاٹ کر پھینک دیا۔

Marfat.com

قیصری پرچم زمین پر گرا جس کے گرتے ہی ترکوں نے "اللہ اکبر" کا غلغلہ انداز نعرہ بلند کیا اور "یا نصیر" کا وِرد کرتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

پرچم گرتے ہی رومی فوج میں ضعف و بزدلی کے آثار پیدا ہوگئے۔ میسرہ کے دستوں میں بھگدڑ مچ گئی کہ شاید قیصر کا بھیجا ہوا سپہ سالار مارا گیا مگر وہ گھوڑے پر سوار اپنے قلب کو جمے رہنے کی ہدایت دے رہا تھا جب کہ سواروں کے حوصلے ٹوٹ رہے تھے۔

فصیل کی برجی سے شہزادی نے ایک لرزا دینے والا منظر دیکھا۔ ترک سپہ سالار کسی درندے کی طرح ایک صف کو چیرتا ہوا بڑھا اور رومی سپہ سالار پر جھپٹا۔ یکہ تاز سوار اس کے پیچھے تھے جنہوں نے آتے ہی آہن پوش سواروں میں تباہی مچادی اور موت کو قریب آتے دیکھ کر قیصر کا بھیجا ہوا جرنیل اپنے آہن پوش محافظوں کے ہمراہ بڑی تیزی سے قلعہ کی طرف پلٹا۔ سپہ سالار کو نکلتے دیکھ کر میمنہ اور میسرہ کے دستے بھی بھاگے۔ ترکوں نے ان کا تعاقب کیا مگر اچانک عبدالرحمٰن نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اب وہ فصیل سے اس قدر قریب تھا کہ زرہ و جوشن اور فولادی خود کے باوجود شہزادی نے اسے پہچان لیا۔ فرطِ حیرت سے کرسی چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ نبضوں میں خون تیزی سے سنسنانے لگا جس محسن کو آج تک ایک معمولی سپاہی سمجھتی رہی وہی ترک فوج کا سپہ سالار عبدالرحمٰن تھا۔

شہزادی نے ایک اور نظارہ بھی کیا۔ شہر کے حاشیے سے تھوڑے ہی فاصلے پر خیموں کا ایک نیا شہر آباد ہوگیا تھا اور عبدالرحمٰن ترک لشکر کے ہمراہ اسی شہر کی طرف لوٹ رہا تھا۔ دن بھر قلعہ کے سامنے جنگ بھی ہوتی رہی اور ترک اپنا پڑاؤ بھی تبدیل کرتے رہے جس کی طرف کسی کو توجہ دینے کا موقع نہ ملا اور یہ ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ تھا جس نے شہزادی پر واضح کردیا کہ ترک نیکومیڈیا کی شکارگاہ میں داخل ہوچکے اور رومی فوجیں اُن کا شکار ہیں جو قلعہ کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئیں مگر وہ ہزار لاشیں اپنے پیچھے چھوڑ آئی تھیں۔

میدانِ جنگ میں بکھری ہوئی لاشیں شہزادی کے ذہن میں قبرستان کی ہزاروں

Marfat.com

ملبوں کی طرح کھڑی ہوگئیں۔اُس نے خوف سے ایک جھرجھری لی اور بُرجی کا زینہ اُترنے لگی۔وفادار غلام انطونیو جو نئے محافظ دستہ کا افسر مقرر ہوا اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ملکہ بلاکونی جانے کب لوٹ گئی تھی۔

پہلے دن کی جنگ بڑی مایوس کن تھی اور اس کا نتیجہ رُوح فرسا تھا۔شہزادی نے فوراً جنگی کونسل کا اجلاس بُلایا اور فوجی ماہروں سے گفتگو کی۔رُومی سپہ سالار نے میدانِ جنگ سے فرار کا عُذر پیش کرتے ہوئے کہا "میں نے ایک جنگی چال سوچی تھی کہ ترک لشکر ہمارا تعاقب کرتا ہُوا قلعے میں گھُس آئے اور اُسے گھیر کر ہلاک کر دیا جائے لیکن ترک سپہ سالار نے اپنے سواروں کو تعاقب سے روک دیا اور میری چال کامیاب نہ ہوسکی"۔

"اگر یہ چال تھی تو ترک سپہ سالار زیادہ ہوشیار اور عقلمند ثابت ہوا"۔
کسی نے سپہ سالار پر طنز کی۔"آپ کی چال نے ہماری فوج کے حوصلے پست کر دیئے"۔

جنرل ڈوڈونے خیال ظاہر کیا۔"اگر پرنس کالوجی نس اور شہزادی صاحبہ کی ملاقات ہو جاتی اور سمندرہ کی فوج نے عقب سے ترکوں پر حملہ کیا ہوتا تو جنگ کا نقشہ بدل جاتا"۔
شہزادی مشتعل ہوگئی۔"جنرل ڈوڈو! مت بھُولو کالوجی نس کی ملاقات میرے اغوا کا بہانہ تھا۔اُس نے دھوکے سے بُلا کر مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔وہ بدعہد، مکار اور ناقابلِ اعتبار آدمی ہے"۔

"معافی چاہتا ہوں شہزادی صاحبہ"! ڈوڈونے فوراً پینترا بدلا۔"اگر سمندرہ سے مدد نہ آئے تو بھی ہم قلعہ میں محفوظ ہیں"۔

Marfat.com

"ہمیں قلعہ ہی میں بیٹھ کر دفاع کرنا چاہیے۔ ترکوں کے ساتھ کھلے میدان میں جنگ کرنا خطرناک ثابت ہو گی۔"

اور اس فیصلہ کے بعد جنگی کونسل کا اجلاس ختم ہو گیا۔ شہزادی دِل میں بہت سے دھڑکے لے کر اپنے قصر کی طرف روانہ ہوئی۔ وہ اس حقیقت کو جھٹلانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتی تھی کہ ترک سپہ سالار نے رومیوں پہ اپنی فوجی برتری ثابت کر دی وہ میدانِ جنگ سے کامیاب لوٹا، بلکہ اس کی بے مثل بہادری نے شہزادی کے دِل میں ایک نئی چبھن ایک نئی کسک پیدا کر دی تھی وفادار انطونیو اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ قصر کی ایک راہداری عبور کرتے ہوئے شاہی محلات کے مخنث داروغہ کی آواز سن کر وہ دونوں چونکے اور رُک گئے راہداری کے موڑ پہ وہ شہزادی کی کنیز خاص فلپانا کو دھمکا رہا تھا ——— "اگر تُو نے آج ہی رات یہ کام نہ کیا تو کوڑوں سے تیری کھال اُدھیڑ دی جائے گی۔"

کنیز خوفزدہ تھی، معاملہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ شہزادی نے انطونیو کو اشارہ کیا اور اس نے دبے پاؤں راہداری کا موڑ کاٹ کر مخنث خواجہ سرا کو اچانک دبوچ لیا جو انطونیو کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور جب شہزادی سامنے آئی تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ کنیز نے اپنی بند مٹھی کھول کر ایک ڈبیہ دکھائی اور کانپتی ہوئی آواز میں بتایا "اس ڈبیہ میں بے ہوشی کی دوا ہے۔ داروغہ نے کہا تھا میں یہ دوا شہزادی صاحبہ کے کھانے میں ملا دوں اور یہ ملکہ بلاکونی کا حکم ہے۔"

اس انکشاف پر شہزادی نقشِ حیرت بن گئی۔ مخنث خواجہ سرا نے زبان بند کر لی اور کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ اچانک شہزادی ایک طرف مڑی اور فیصلہ کن لہجے میں بولی "انطونیو! ان دونوں کو لے کر میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

وہ قصر کے اس نیم تاریک حصّہ کی طرف چل دی جدھر کنیزوں کے حجرے تھے لیکن اُن حجروں سے اُدھر ایک اور کمرہ تھا جس کے استعمال سے شاید داروغہ بھی واقف نہ تھا۔ شہزادی نے کمرے میں داخل ہو کر ایک خفیہ دروازہ کھولا۔ اس دروازے کی سیڑھیاں ایک تہ خانے میں اُترتی تھیں۔ شہزادی کے حکم پہ کنیز نے کمرے سے ایک شمع اُٹھائی اور سب

Marfat.com

تہ خانے میں اُتر گئے - دروازہ بند کر دیا گیا مخنث داروغہ تہ خانے کو دیکھ کر کانپ اُٹھا اُس عقوبت خانہ میں ایذا رسانی کا ہر سامان موجود تھا - شہزادی گرج کر بولی -

"تمہیں یہ دوا کس نے دی تھی، ملکہ بلاکونی یا کسی اور نے ؟"

خواجہ سرا نے شاید فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی زبان نہیں کھولے گا - شہزادی کے حکم پر انطونیو نے دیوار سے چمڑے کا کوڑا اُتار لیا اور داروغہ پر ٹوٹ پڑا - چیخیں بلند ہوئیں اور تہ خانے کی فضا میں گونج کر رہ گئیں مگر مخنث خواجہ سرا زیادہ دیر تک سزا برداشت نہ کر سکا - کوڑے نے اُس کا جسم اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا - آخر شہزادی کے قدموں پر سر رکھ کر اُس نے شارس محل میں ملکہ بلاکونی اور جنرل ڈونو کی خفیہ ملاقاتوں اور شہزادی کو اغوا کر کے کسی جزیرے میں قید کرنے کی سازش کا انکشاف کر دیا یہ بھی بتایا کہ پرنس کالوجینس نے ملکہ ہی کے پیغام پر اُنہیں اغوا کرنے کی کوشش کی اور بے ہوشی کی دوا بھی اُسی نے فراہم کی تھی کیونکہ ملکہ نے بیٹی کو اپنی قید میں رکھنے اور جنرل ڈونو کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا -

یہ ایک لرزہ خیز انکشاف تھا - شہزادی دنگ رہ گئی - سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تخت و تاج کی خاطر ماں بیٹی کی دشمن بن جائے گی - کنیز بے گناہ تھی - مخنث خواجہ سرا کی بھی جان بخشی کر دی، اپنی شاہی مہر کی انگوٹھی انطونیو کے سپرد کی اور ایک عجیب و غریب حکم دیا -

"ان دونوں کو قلعہ کے خفیہ دروازے سے لیکر نکل جاؤ اور ترک سپہ سالار عبدالرحمن کے حوالے کر آؤ - کہنا قلعے میں ان کی زندگی خطرے میں ہے "۔

"مگر ترک ہمارے دشمن ہیں!"

"دوست ——— ملکہ بلاکونی اور جنرل ڈونو بھی نہیں !!"

شہزادی نے بتایا: "مجھے کالوجینس کے لٹیرے سے ترک سپہ سالار نے بچایا تھا - اب اُسی پر اعتماد کر رہی ہوں اور نہیں چاہتی کہ ازمید کے کسی شخص کو اس واقعہ کا پتہ چلے ملکہ اور جنرل ڈونو کو بھی معلوم نہیں ہونا چاہیئے کہ داروغہ اور کنیز پر کیا گزری - وہ یہی سمجھیں گے کہ خوف کے مارے دونوں کہیں بھاگ گئے اور روپوش ہو گئے ہیں - بس اب جاؤ عبدالرحمن

کو میری مُہر دکھاؤ گے تو سمجھ جائے گا کہ اسے کیا کرنا چاہئیے ——"

پھر اُسی رات انطونیو دار دغا اور کنیز کو لے کر قلعہ کے خفیہ دروازے سے نکل گیا اور شہزادی نے وہ رات جاگ کر گزار دی۔ خیال تھا شاید جنرل ڈوتو کے آدمی اُسے "حالتِ بے ہوشی" میں اُٹھانے آجائیں لیکن رات کسی واقعہ کے بغیر گذر گئی۔ انہیں محنت خواجہ بسرا کی طرف سے کسی آخری اطلاع کا انتظار تھا جو فراہم نہ ہو سکی۔

دُوسرے دن کے سُورج نے ترکوں کو پھر میدانِ جنگ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ لیکن فوج کی تعداد کم تھی اور کمان بھی عبدالرحمٰن کی بجائے اُفیجی خواجہ کر رہا تھا۔ ڈھولوں اور نفیریوں کے آہنگ میں تُرک رواں دواں تھے۔ اُن کے عقب میں دُور تک کوئی اور فوجی نقل و حرکت نہ تھی۔ رومی سپہ سالار سوچنے لگا۔ اس قلیل سی سپاہ کا باہر نکل کر مقابلہ کرے یا اُسے فصیل کے قریب آنے دے۔ اچانک اس نے قلعہ کا دروازہ کھولنے اور فوج کو میدانِ جنگ میں نکلنے کا حکم دیا۔ شاید تُرکوں کے چند دستوں کو دیکھ کر کل کی ناکامی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

رُومی سپاہ کو قلعہ سے نکلتے دیکھ کر اُفیجی خواجہ نے پیش قدمی روک دی۔ رُومی ٹڈی دَل کی صُورت میں نکلے اور آناً فاناً فریقین کے تینوں حلقے ایک دُوسرے کے سامنے صف بستہ ہو گئے۔ جنرل ڈوتو جنگ کا نقشہ سوچ کر آیا تھا۔ آتے ہی تینوں محاذوں پر حملہ کر دیا۔ حملہ اچانک اور خلافِ توقع ہُوا تھا۔ تُرک میمنہ اور قلب معمولی مدافعت کے بعد پیچھے ہٹتے نظر آئے۔ یہ دیکھ کر رُومی سپہ سالار مسرت سے اُچھل پڑا اور مزید دباؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ رُومی تلواریں مارتے ہوئے آگے بڑھے اور تُرک دونوں محاذوں سے پسپائی اختیار کرتے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ صرف ان کا میسرہ میدان میں ڈٹا رہا۔ رُومی میمنہ اور قلب کے دستوں کو دھکیلتے ہوئے بہت دُور لے گئے تھے۔ اچانک ہرقی کو جانے والی شاہراہ پر تُرک سوار اور

Marfat.com

پیادے بھوتوں کی طرح نمودار ہوئے جن کی کمان خود عبدالرحمٰن کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رُومی عقب سے نرغہ میں آ گئے۔ اُدھر پسپا ہونے والے تُرک دستوں نے بھی یک لخت قدم جمائے اور دُشمن پر جھپٹ پڑے۔

سپہ سالار جو تُرکوں کی "پسپائی" کو اُن کی کمزوری پر محمول کر کے اندھا دُھند آگے بڑھ گیا حیران تھا کہ تُرک سوار اور پیادے عقب میں کہاں سے نکل آئے؛ وہ جوشِ انتقام میں ترکوں کی چال پر لگ گیا تھا جو اُسے دھوکہ دے کر اتنی دُور تک لے گئے تھے کہ عبدالرحمٰن کے سواروں اور پیادوں کو جو مُنہ اندھیرے ہی ہرقی کی شاہراہ پر درختوں کے جھنڈ میں جا چھُپے تھے رومی لشکر کو عقب سے گھیر لینے کا موقع مِل گیا۔ سپہ سالار کو اپنی حماقت کا احساس اُس وقت ہُوا جب تُرکوں نے رُومیوں کو دونوں اطراف سے تلواروں اور نیزوں کی باڑھ پر رکھ لیا اور بے دریغ قتل کرنے لگے۔ آن کی آن میں سینکڑوں سوار اور پیادے خاک وخون میں لوٹ گئے رومی فرار کی راہ تلاش کرنے لگے لیکن راستہ نہیں مِل رہا تھا کیونکہ عبدالرحمٰن نے عقب سے اس طرح گھیرا ڈالا تھا کہ تُرک سوار اور پیادے اپنے میسرہ سے جا ملے اور رومیوں کی راہِ فرار مسدود کر دی تھی۔ رُومی گھرے ہوئے شکار کی طرح بدحواس ہو کر تلواروں کا لقمہ بنتے رہے۔ یہ ہنگامہ جدل وقتل دیر تک جاری نہ رہ سکا آخر رُومی سپہ سالار نے واپسی کا راستہ نکال ہی لیا اور بچی کھچی سپاہ کو لے کر بھاگ نِکلا مگر عبدالرحمٰن نے پیچھا کیا اور زخم لگائے بغیر نہ جانے دیا۔ اس نے بھاگتے ہوئے جنرل کی ران پہ تلوار چلائی تھی۔ ترکوں نے قلعہ کی فصیل تک رومیوں کا تعاقب کیا اور اُن کے وہ گھوڑے جو سواروں سے محروم ہو گئے تھے گھیر کر لے گئے۔

رُومی سپہ سالار پانچ ہزار سپاہیوں کا نذرانہ دے کر اور اپنی ران پر ایک لمبا اور گہرا گھاؤ کھا کر لوٹا تھا۔ اس پر عبدالرحمٰن کی ایسی ہیبت طاری ہوئی تھی کہ قلعہ میں پہنچ کر بھی حواس درست نہ ہوئے۔ رومی سپاہیوں نے لہولہان جنرل کو پکڑ کر گھوڑے سے اُتارا۔

شہزادی اور بلا کوفی نے آج بھی قلعہ کی بُرجی سے اس ہولناک جنگ کا نظارہ کیا اور ترکوں کی جنگی چال اور حیرت انگیز فوجی صلاحیت پر دنگ رہ گئیں۔ رومیوں کی

Marfat.com

شکست نے اُنہیں مایوس کر دیا تھا۔ جب وہ بُرجی سے اُتر کر نیچے آئیں تو شہزادی نے اچانک سوال کیا "کیا قیصر کی بھیجی ہوئی فوج ازمید کی حفاظت کر سکے گی ماں!"

"آثار اچھے نظر نہیں آتے بیٹی! نجانے کیا ہونے والا ہے؟"

ملکہ بلاکونی کبھی کبھی نظر چرا کر اُسے دیکھ لیتی لیکن شہزادی کا سلوک حسبِ معمول تھا۔ جیسے جانتی ہی نہ ہو کہ ماں اُس کے خلاف کیا سازشیں کر رہی ہے مگر ملکہ کے دل میں صبح سے دھڑکا لگا تھا کیونکہ دو تین بار مخنّث خواجہ سرا کے بارے میں پتہ کرا چکی تھی اور ہر بار یہی جواب ملا تھا کہ وہ رات سے غائب ہے۔ حیران تھی، وہ اچانک کہاں چلا گیا آخر چلتے چلتے پُوچھ ہی لیا۔ "محلات کا داروغہ صبح سے کہیں نظر نہیں آیا ایک کام کہا تھا میں نے اُس سے"۔

"پھر آپ ہی کے کام گیا ہو گا ماں! مَیں نے بھی آج اُسے نہیں دیکھا ملکہ میری کنیز فلپانا بھی رات ہی سے غائب ہے"۔

"فلپانا غائب ہے" ملکہ تشویش انگیز لہجے میں بولی "دونوں کہیں بھاگ تو نہیں گئے!"

پھر خود ہی بڑبڑاتی رہی۔ "ضرور اُس خواجہ سرا نے کنیز کو کوئی اُلٹی پٹی پڑھائی ہو گی اور اُسے بھی اپنے ساتھ لے گیا ہو گا۔ بزدل ..... ڈرپوک ..... میں اُسے معاف نہیں کروں گی"۔ بلاکونی سمجھ رہی تھی شاہی محلات کا مخنّث داروغہ شریکِ جرم ہونے کے خوف سے کہیں بھاگ گیا یا روپوش ہو گیا ہے۔ وہ اپنی دُوسری ناکامی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی، مگر شہزادی کسی اور ہی خیال میں گم تھی۔ آج اس نے عبدالرحمٰن کی جنگی صلاحیت اور شجاعت کا جو نظارہ کیا اور رُومی سپہ سالار کو جس طرح میدان سے بھاگتے اور زخم کھاتے دیکھا وہ اس امر کا ثبوت تھا کہ قیصر کی فوج نیکومیڈیا کی حفاظت کرنے سے عاری ہو چکی ہے اس کے ساتھ خود شہزادی نے بھی تاریخ کا ایک ورق اُلٹ دیا اور جب ملکہ بلاکونی اپنے قصر کی طرف لوٹ گئی تو پلٹ کر انطونیو سے مخاطب ہوئی جو حسبِ معمول حفاظت کا فرض ادا کر رہا تھا۔

"انطونیو ——— !" شہزادی کا لہجہ سرگوشیانہ تھا ——— "آج رات پھر

Marfat.com

تمہیں تُرک لشکر گاہ میں جانا اور عبدالرحمٰن سے ملنا ہوگا"۔

وفادار انطونیو نے سر خم کر دیا۔ وہ خود بھی تُرک سپہ سالار کے حسنِ سلوک سے بے حد متاثر تھا۔ رات جب وہ وار وقہ محلات اور کنیز کو لے کر پہنچا تو عبدالرحمٰن نے دشمن ہونے کے باوجود دوستانہ برتاؤ کیا تھا۔ شہزادی کی آواز کچھ اور مدھم ہو گئی تھی "تُرک سپہ سالار سے کہنا آدھی رات کو میں قلعہ کے خفیہ دروازے پر اس کا انتظار کروں گی۔ وہ اپنے سرداروں اور جانبازوں کے ساتھ خاموشی کے ساتھ آئے قلعہ کی چابیاں اس کے حوالے کر دی جائیں گی"۔

انطونیو نے سر اٹھا کر حیرت پاش نظروں سے مالکہ کی طرف دیکھا۔ ان نظروں میں کئی سوال تڑپ رہے تھے۔ شہزادی نے کہا "حیران کیوں ہوتے ہو۔ میں ازمید کی قبروں میں اضافہ نہیں چاہتی"۔

اور جب رات ڈھل رہی تھی۔ شہزادی نے قلعہ کے خفیہ دروازے پر اپنے دو معتمد فوجی افسروں کے ساتھ تُرک سپہ سالار کا استقبال کیا۔ شہزادی نے اپنی آواز میں دل کی دھڑکنیں بھی شامل کر دیں۔ "عبدالرحمٰن! اس شرط پر خود کو تمہارے حوالے کر رہی ہوں کہ ازمید کے لوگوں کو امان دی جائے۔ رومی سپہ سالار اپنی فوج لے کر قلعہ سے نکل جائے گا۔ وہ قسطنطنیہ کا رُخ کرے یا کسی اور ولایت میں چلا جائے تم اس کا راستہ نہیں روکو گے"۔

عبدالرحمٰن نے شرط منظور کر لی مگر شہزادی نے "قلعہ" کی بجائے "خود" کو اس کے حوالے کر دینے کی جو لطیف بات کہہ دی تھی عبدالرحمٰن کا فوجی دماغ اس کی لطافت اور نزاکت کو نہ سمجھ سکا۔ اس نے قلعہ کی چابیاں سنبھالیں اور اپنے سرداروں اور بہادروں کے ساتھ شہزادی کے پیچھے پیچھے خفیہ دروازے میں داخل ہو گیا۔ تُرک سپہ سالار صرف ایک ہزار بہادروں کے ساتھ آیا تھا۔ قلعہ کی حفاظت کا انتظام شہزادی کے معتمد فوجی افسروں کے ہاتھ میں تھا اس لیے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ رات کے اندھیرے میں قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اَنیجی خواجہ اور کرامی بک جو تُرک لشکر کے ساتھ دُور

Marfat.com

کھڑے تھے۔ روشنی کا اشارہ ملتے ہی آگے بڑھے اور قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے جب بیشتر رومی سپاہی ابھی بارکوں میں محوِ خواب تھے ازمید کے قلعے پر فوج کا قبضہ مکمل ہو گیا قیصر کے زخمی سپہ سالار اور جنرل ڈوتو کے کمروں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔

ملکہ بلاکونی بیدار ہو چکی اور ایک کنیز سے یہ حیرت ناک خبر سن رہی تھی ——" ترکوں نے راتوں رات قلعہ پر قبضہ کر لیا" کہ عین اُسی وقت شہزادی عبدالرحمٰن اور مائیکل اوغلی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور بولی۔" یہ درست ہے ماں! میں نے امن و امان کی شرط پر قلعہ ترکوں کے حوالے کر دیا۔ اس وقت سپہ سالار عبدالرحمٰن میرے ساتھ ہیں"۔

ملکہ نے وحشت زدہ نگاہوں سے ترک جرنیل کو دیکھا اور بیٹی سے مخاطب ہوئی:" تو نے ہمیں ذلیل و رسوا کر دیا۔ گستاخ لڑکی!"

" اور ماں —— ! شاہی محلات کا داروغہ اور میری کنیز فلیپانا رات ہی سے عبدالرحمٰن کی قید میں ہیں اور بے ہوشی کی وہ دوا بھی ترک سپہ سالار کے قبضہ میں ہے جسے آپ نے میرے کھانے میں ملانے کی ہدایت کی تھی"۔

یہ الفاظ سنتے ہی بلاکونی کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور غش کھا کر مسہری پر گر گئی۔

رومی سپہ سالار نے اگرچہ ترکوں کے قبضہ کی وحشت اثر خبر گہرے رنج کے ساتھ سُنی اور شہزادی کے فیصلے پر بَل کھا کر رہ گیا لیکن یہ اطلاع یقیناً اطمینان بخش تھی کہ اسے اپنے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف لوٹ جانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ میدان جنگ میں ہلاک ہونے کی بجائے بچ کر نکل جانے کو بہتر جانا تھا۔ چنانچہ اُسی روز رومی فوج کا انخلاء شروع ہو گیا اور وہ سامانِ رسد کے ساتھ اپنے زخمی سپہ سالار کو بھی ایک تختِ رواں پر لٹا کر لے گئی کیونکہ جنرل چلنے پھرنے بلکہ گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل بھی نہیں تھا۔

Marfat.com

ترکوں نے ازمید کے شہریوں کو امان دی اور اعلان کر دیا " لوگ اپنے روزمرہ کے کام کسی خوف وخطر کے بغیر انجام دیں۔ ہر شخص آزاد اور ہر گھر کی عزت محفوظ ہے۔"

لوگ گھروں سے نکل کر اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے سن لیا اور دیکھ لیا تھا کہ قیصری فوج قلعے کا دفاع نہیں کر سکتی۔ شہزادی کو کشت وخون پسند نہ تھا۔ اُس نے ہتھیار ڈالے بغیر ترکوں سے دوستی کر لی اور لوگوں کو امان دینے کی شرط منظور کرائی تھی۔ کسی شخص نے اس فیصلے پر اعتراض نہیں کیا۔ اناطولیہ کے آسمان پر قیصر اینڈرونیکس اعظم کا ستارۂ اقبال غروب ہو رہا تھا۔

شہزادی اس بات پر خوش تھی کہ عبدالرحمٰن نے اُس کی توقع سے بڑھ کر مروت اور دوستی کا ثبوت دیا۔ دوسرے روز اس نے ترک سپہ سالار کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا انتظام کیا۔ اس دعوت میں جو رات کے پہلے پہر تک جاری رہی ترک سرداروں کے علاوہ ازمید کے فوجی افسروں، امراء و روٴساء اور معزز شہریوں نے بھی شرکت کی شہزادی جس نے آج آرائشِ جمال میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی ناگہاں محفل سے اُٹھ کر باہر آگئی اس نے پائیں باغ میں کھڑے ہو کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ستارۂ ناہید طلوع ہو چکا اور خنک رات میں ربودگی کی وہ کیفیت جواں ہو رہی تھی جو محبت کرنے والے دلوں کو تسکین دیتی ہے۔ اُس نے ایک کنیز کو طلب کیا اُس کے ذریعے عبدالرحمٰن کو پیغام بھیجا کہ پائیں باغ سے ملحقہ کمرۂ راحت میں کوئی اُس کا انتظار کر رہا ہے اور خود دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی اُسی کمرے کی طرف چل دی جہاں ترک سپہ سالار سے ملاقاتِ تنہائی کا اہتمام کیا گیا تھا۔

دعوت ختم ہو چکی اور حاضرین ازمید کے مغنیوں سے نیکومیڈیا کا ایک لوک گیت سن رہے تھے جس نے ایوان میں کیف آور سماں پیدا کر دیا تھا کہ عبدالرحمٰن کو شہزادی کا پیغامِ ملاقات ملا وہ اسے ایک روایتی پیغام سمجھا۔ یہ رواج نجانے کب سے چلا آ رہا تھا کہ مفتوح ملکوں اور ریاستوں کی شہزادیاں اور حکمرانوں کی بیویاں فاتحین کا سامانِ نشاط سمجھی جاتی تھیں۔ بعض اوقات انہیں زبردستی شریکِ عیش کیا جاتا۔ بعض اوقات فاتحوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ خود ہی اُن کی دعوت کا اہتمام کرتی اور تنہائی کی ملاقات

کا موقع دیتی تھیں۔ عبدالرحمٰن اس عجیب صورتِ حال سے پریشان ہو گیا۔ شہزادی کا دل بھی توڑنا نہیں چاہتا تھا اور تنہائی کی ملاقات سے بھی گریزاں تھا۔ اس نے جواب بھجوایا۔

"شہزادی سے کہو ابھی انتظار کرے۔"

پھر یک لخت محفل سے اٹھا اور اپنے سرداروں کو لے کر نکل گیا۔ کسی کو محفل چھوڑ دینے کا سبب بھی نہیں بتایا۔ شہزادی کو خبر ملی تو دل مسوس کر رہ گئی۔ یہ بات اس کی توقع کے خلاف ہوئی تھی پھر سوچنے لگی انتظار کرنے کا پیغام بھجوایا ہے تو ٹھہر کے آئے گا مگر یہ انتظار طویل ہونے لگا اور اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ وہ تو اسی روز عبدالرحمٰن پر دل نچھاور کر چکی تھی جب اس نے سمندر کے لٹیرے کو قتل کر کے غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کیا اور اسے بچایا تھا۔ اس بہادر سپاہی کے لیے ایک عجیب سی کسک محسوس کرنے لگی لیکن میدانِ جنگ میں اس کی سپہ سالاری کا راز کھلا تو دل کی دھڑکنیں تیز اور بیقراریاں بڑھ گئیں۔ دراصل قلعہ کا قبضہ بھی محبت کا نذرانہ تھا مگر عبدالرحمٰن نے محبت کی اس قربانی کو عورتوں کی کمزوری پر محمول کیا۔ شہزادی نے کچھ اور سلوک کیا عبدالرحمٰن کچھ اور سمجھا۔ اب اس کی دعوتِ ملاقات کو بھی "پیغامِ نشاط" سمجھ کر چلا گیا تھا کیونکہ ترکوں کی شرافت کسی عورت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا نہ جانتی تھی۔

گرفتارِ محبت شہزادی انتظار کرتی رہی اور اس کی آمد کی گھڑیاں گنتی رہی۔ رات بھیگتی رہی۔ آسمانوں کے صحرا میں ستاروں کے کارواں گذرتے رہے مگر وہ نہیں آیا حتّٰی کہ سحری کا دھندلکا آ لگا اور وہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کمرۂ خواب میں چلی گئی۔ عبدالرحمٰن کے سلوک نے اس کے دل کا چین اور آنکھوں سے نیند لوٹ لی تھی ——— بستر پر کروٹیں بدلتی اور سوچتی رہی کہ کیا کر بیٹھی ہے۔ ایک غیر کو اپنا کیوں سمجھ لیا تھا۔ ابھی سورج کی کرنوں نے دریچے سے جھانکا ہی تھا کہ کنیز نے مائیکل اوغلی کے آنے کی اطلاع دی وہ ترک سپہ سالار کا پیغام لے کر آیا تھا۔ شہزادی نے چند لمحوں کے بعد حاضری کی اجازت دی۔ مائیکل اوغلی نے عبدالرحمٰن کا سلام پہنچایا اور بتایا۔

"وہ رات کے واقعہ پر معافی چاہتے اور آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ مجھے بھیجا ہے

Marfat.com

کہ ساتھ ہی لیتا آؤں"۔

یہ سُن کر شہزادی کی ساری کسلمندی جاتی رہی۔ تمام وسوسے اور اندیشے جو رات بھر دِل کو ڈستے رہے تھے، دُور ہو گئے۔ خیال آیا اس نے ساری رات تڑپا پایا ہے مگر میں شکایت کا موقع نہیں دوں گی پھر کنیز کو ساتھ لیا اور مائیکل اوغلی کے ساتھ چل دی۔

عبدالرحمٰن کمرے میں تنہا تھا۔ شہزادی داخل ہوئی تو اُٹھ کر احترام کیا اور اپنے قریب بیٹھنے کو جگہ دی۔ وہ دل سے شہزادی کی عزت کرتا اور چاہتا تھا اُسے عورت کے بلند مقام سے گرنے نہ دے۔ مگر جس پیغام ملاقات کو عورت کی توہین سمجھا اُس کا مضمون تو "محبت کی تقدیس" کا جھونکا تھا جو اُس کے دِل کے دریچے پر دستک نہ دے سکا۔ بولا: "مجھے افسوس ہے۔ رات آپ نے بلایا اور میں چلا آیا۔ دراصل میری کچھ ذمہ داریاں ہیں"۔

"رات کی بات کیوں کرتے ہو عبدالرحمٰن! رات بیت چکی ہے اب تو یہ معلوم کرنے آئی ہوں کہ صبح کا سُورج میرے لیے کیا پیغام لے کر آیا ہے"۔

"میں نے آپ کو بروصہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

"شہزادی دنگ رہ گئی "بروصہ کیوں؟"

"وہاں آپ سلطان معظم کی بیٹی بن کر رہیں گی۔ آپ کا وقار اور مرتبہ بلند ہو گا"

"مجھے اپنے پاس کیوں نہیں رکھ لیتے؟" شہزادی نے پھر دبی زبان میں محبت کا مضمون چھیڑ دیا۔ عبدالرحمٰن نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ اُسے خاموش دیکھ کر کہنے لگی۔

"میں تمہارے قریب رہ کر زیادہ سکون محسوس کرتی ہوں"۔

"یہاں آپ کی زندگی خطرے میں ہے"۔

"تم میری حفاظت کر سکتے ہو"۔

"مگر آپ کی بہتر حفاظت بروصہ ہی میں ہو سکتی ہے"۔

شہزادی یک لخت کھڑی ہو گئی اور غصّے میں بولی: "بہت اچھا، مجھے بروصہ بھجوانے کا انتظام کر دو۔ اب میں اپنا مقدمہ سلطان معظم ہی کے حضور پیش کروں گی۔ مگر

Marfat.com

مائیکل اوغلی کو میرے ساتھ جانا ہوگا۔"
یہ کہہ کر وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ عبدالرحمٰن اس کی ناراضی کا سبب بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

مائیکل اوغلی کے حفاظتی دستہ کی نگرانی میں شہزادی کو بروصہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اُس نے روانگی کے وقت عبدالرحمٰن سے بات تک نہیں کی، سپہ سالار نے الوداع کہا تو مُنہ پھیر لیا۔

راستے میں مائیکل اوغلی نے شہزادی کو تُرک سُلطان اُورخاں سے ملاقات کے آداب اور ترکی زبان کے کچھ فقرے سکھا دیئے۔ وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ باتیں سُنتی اور یاد کرتی رہی۔ مائیکل اوغلی نے بتایا سُلطانِ معظم سے ملاقات کے وقت ان کی خیریت ان الفاظ میں پُوچھنی چاہیے۔

"مزاجِ سلطان ذاتِ عالی کزہ آئی سی انشاء اللہ۔"
(خُدا کرے سُلطان کی ذاتِ عالی کے مزاج اچھے ہوں)
جواب میں وہ "الحمدللہ آئی" (خُدا کا شکر ہے میں اچھا ہوں) کہیں گے۔
اگر وہ ترکی زبان بولنے پر حیران ہوں تو جواب میں یہ کہنا چاہئیے۔
"ذاتِ عالی! تحصیلِ یم لسان اہلِ ترکان اولدم" (ذاتِ عالی! میں نے ترکوں کی کچھ زبان سیکھ لی ہے) اور ملاقات کے آخر میں سُلطان کو ان الفاظ میں دُعا دینی چاہئیے۔
"عمر و اقبالِ ہمایوں سُلطان اولسون مزید" (سلطان کی عمر اور اقبالِ ہمایوں میں مزید ترقی ہو)
شہزادی کیلئے بروصہ کا سفر بھی نیا تھا اور سُلطان سے ملاقات بھی بڑی خیال انگیز

تھی وہ مائیکل اوغلی سے ترکوں کی تہذیب و معاشرت کے بارے میں مفید معلومات حاصل کرتی اور ترک خواتین کے بارے میں بھی دریافت کرتی رہی۔ یہ سن کر حیران ہوئی کہ ترک بیگمات جامے فراجے زیب تن کرتی ہیں اور پشماک اور چارشف اوڑھتی ہیں۔ چارشف ایک چھوٹی سی باریک چادر تھی جسے پچھلی سمت فراجے (بڑے کرتے) سے اس طرح ٹانک دیا جاتا کہ سر چھپ جاتا اور آدھی پیشانی بھی ڈھکی رہتی تھی۔ پشماک گاز کا ایک مہین رومال تھا جس سے چہرہ ڈھانپ لیا جاتا تھا مگر اس سے رنگ روپ، نقش و نگار صاف نظر آتے تھے۔ اس نے ترک عورتوں کے نام بھی پوچھے۔ خود سلطان کی بیگمات میں نیلوفر خانم کا نام بڑا خوب صورت اور مقام سب سے بلند تھا جو اصلاً ایک رومی عورت تھی مگر اورخاں کے نکاح میں آنے کے بعد ترک نام اور ترک لباس قبول کر کے ترکوں کی بلند اقبال ملکہ بن گئی تھی۔ شہزادی کو یہ سب باتیں کسی مشرقی افسانے کی طرح بڑی دلچسپ معلوم ہوئیں اور فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی ترک لباس میں ترک نام کے ساتھ سلطان سے ملاقات کرے گی۔ مائیکل اوغلی سے کہا۔

"میرے لیے کوئی ترک نام تجویز کرو۔"

"آپ کا نام تو گل خانم ہونا چاہیے"۔

اس نام میں پھولوں کا رنگ تھا، خوشبو اور صباحت تھی۔ شہزادی کو یہ نام اچھا لگا اور بروصہ پہنچنے سے پہلے نام کے ساتھ ترک لباس بھی پہن لیا۔

ازمید کی فتح کے ساتھ نیکومیڈیا کی حکمران شہزادی کی آمد بڑی مسرت انگیز تھی بروصہ کے شاہی محلات میں اس کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ خود اورخاں اور ملکہ نیلوفر خانم نے شہزادی کو خوش آمدید کہا اور اسے ترک لباس میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس نے دستور کے مطابق سلطان کو سلام کیا اور خیریت پوچھی۔

"مزاج سلطان ذات عالی کز آئی سی انشاء اللہ"۔

"الحمد للہ آئی" سلطان نے جواب دیا اور حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

شہزادی نے ایک دل چسپ سوال کر کے اورخاں کو مزید حیران کر دیا۔

Marfat.com

"سلطانِ عالی! کیا اس لباس میں مَیں آپ کی بیٹی نہیں لگتی؟"

"کیوں نہیں! بیٹی ہر لباس میں بیٹی ہوتی ہے۔"

اور بروصہ کے شاہی محلات میں اُسی وقت اعلان کر دیا گیا کہ سلطانِ معظم نے نیکو میڈیا کی شہزادی کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے جس کا ترک نام "گل خانم" ہے۔ تمام بیگمات، شہزادیوں اور ترک سرداروں کی خواتین نے اسے مبارک باد دی۔ قیمتی نذرانے پیش کیے اس کے سامنے تحائف کے ڈھیر لگا دیے اور وہ اس پذیرائی پر یہ محسوس کرنے لگی کہ نیکو میڈیا کی چھوٹی سی ریاست سے نکل کر وہ ایک بڑی ترک سلطنت کی شہزادی بن گئی ہے۔

استقبال کا ہنگامہ ختم ہوا تو باپ بیٹی کی الگ ملاقات ہوئی اور شہزادی حرفِ مطلب زبان پر لائی۔ "سلطانِ عالی! مَیں آپ کے سپہ سالار عبدالرحمٰن کی شکایت لے کر آئی ہوں۔"

"کیا اُس نے کوئی گستاخی کی؟"

شہزادی اس سوال پر پریشان سی ہو گئی۔ آخر سوچ کر بولی "گستاخی نہیں کی۔ میرا دل دکھایا ہے اُس نے اور یہ گستاخی سے بڑا جرم ہے۔"

پھر وہ تمام واقعات جو پیش آئے تھے سناتی رہی۔ سلطان بڑی توجہ سے سنتا اور حیران ہوتا رہا۔ شہزادی نے کہا۔

"سلطانِ معظم! بے شک عبدالرحمٰن ایک بہادر جرنیل اور اس کی نبضوں کا خون دوپہر کے سورج کی طرح گرم ہے مگر ازمید کا قلعہ اُس کے زورِ بازو سے فتح ہونے والا نہیں تھا۔ ہمارے سپاہی جب محاصرے کی جنگ لڑتے ہیں تو آتشِ یونانی" حملہ آور دل کے جسموں کو کھا جاتی ہے۔ مَیں نے ترکوں کو اس آگ سے بچایا اور عبدالرحمٰن کو خود بلا کر قلعہ اُس کے حوالے کر دیا۔ مَیں اس پر شرمندہ نہیں کیوں کہ ترکوں کی طرح مَیں نے اپنے سپاہیوں اور ازمید کے شہریوں کی جانیں بھی بچائی ہیں۔ سلطانِ عالی! رومی اور ترک درختوں کی طرح ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور اُن کے درمیان موت کو رقص نہیں کرنا چاہیے۔

Marfat.com

جو ماؤں سے اُن کے بیٹے اور بہنوں سے بھائی چھین لیتی ہے مگر عبدالرحمٰن نے میری اس قربانی کو غلط معنی پہنائے اور جب مَیں نے اپنے دِل کی بات کہنے کے لیے اُسے تنہائی میں بُلایا تو اُس نے مجھے رُوم و یُونان کی اُن عورتوں میں شمار کر لیا جو فاتحوں کی تفریح کا کھلونا بنتی ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ عظیم قیصر صرف ماضی کی عظمتوں کا سایہ بن کر رہ گئے ہیں اور موت نے وہ راستے کھول دیئے ہیں جس کے پیٹ میں وہ اپنا آخری بستر بچھائیں گے کیونکہ اب اناطولیہ کی ہوائیں ترکوں کا نام لے کر چلتی ہیں مگر عبدالرحمٰن کو یہ اختیار کس نے دیا کہ وہ ایک عورت کی قربانی پر اپنی فتح کا محل تو تعمیر کرے لیکن اس بدنصیب پر اپنی محبت کے دروازے بند کر دے ——؟"

اب کچھ مزید کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ سلطان اُورخاں نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ ازمید کی فتح کے پیچھے در اصل ایک محبت بھرا دِل تڑپ رہا ہے جس کی بے قرار دھڑکنوں کو سُننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی، بے چین ہو کر بولا۔

"گل خانم —— ! عبدالرحمٰن نے اگر تمہاری آنکھوں میں محبت کی شمعیں جلتی دیکھ کر بھی اُن کی روشنی سے انکار کر دیا تو قصور اُس کا نہیں ہمارا ہے کیونکہ ہر ترک سپاہی اور سرِ عسکر ہمارے حکم کا پابند ہے کہ جنگ ہو یا فتح رومیوں کی طرح کسی عورت کے حُسن اور جسم کی توہین نہ کی جائے"۔

"مگر سُلطانِ عالی —— ! میرا مطلب ......"

"ہم تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھتے ہیں"۔ سلطان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اور تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے ہمیں ایک ایسے انسانی جذبے کی طرف توجہ دلائی ہے جسے ہم بھول گئے تھے۔ اب عبدالرحمٰن سے باز پرس تو نہیں کر سکتے لیکن اُسے بروصہ میں طلب کر کے یہ ضرور پوچھیں گے کہ وہ ہماری بیٹی کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟"

شہزادی نے شرما کر گردن خم کر دی۔ جو بات آج تک اپنی زبان پر نہ لا سکی وہ سلطان اُورخاں نے کہہ دی اور دریافت کیا۔ "تمہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں"؟

"سلطانِ عالی! مَیں خود یہی چاہتی ہوں کہ عبدالرحمٰن کو بُلا کر پوچھ لیا جائے کہ

Marfat.com

اس کی تلوار تو چلتی ہے دِل بھی دھڑکتا ہے یا نہیں ؟"

پھر اُسی روز سلطان نے ایک تیز رفتار قاصد ازمید کی طرف روانہ کیا اور عبدالرحمٰن کو پیغام بھیجا کہ وہ بلاتاخیر بروصہ میں حاضر ہو

عبدالرحمٰن طلبی کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھا۔ قاصد سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا مگر اس نے بروصہ پہنچنے میں زیادہ دِن نہیں لگائے آتے ہی مائیکل اوغلی سے ملا تاکہ اچانک اور فوری بلاوے کا سبب جان سکے مگر وہ بھی اصل بات سے بے خبر تھا۔ حاضری کا حکم شہزادی کی آمد کے ساتھ ہی جاری ہُوا تھا۔ اس لیے خیال آیا شاید ازمید کے قبضہ اور نکومیڈیا میں مزید پیش قدمی کے بارے میں بعض ہدایات دینے کے لیے طلب کیا گیا ہے۔ اس قسم کے معاملے عموماً مجلسِ حرب میں زیرِ بحث آتے اور سلطان کی طرف سے اس کا بڑا بھائی علاؤالدین پاشا یا پھر امیر لو قرہ خلیل ضروری ہدایات دیا کرتے تھے مگر عبدالرحمٰن کو پتہ چلا کہ اُسے براہِ راست سلطان کی خدمت میں پیش ہونا ہے۔

ضباط (پولیس) کا ناظمِ اعلیٰ خیرالدین پاشا اُسے اپنے ساتھ لے کر شاہی محل پہنچا اور قزلہ آغاسی کو اطلاع کرائی۔ شاہی محلات کے داروغہ کبیر کو حکم تھا کہ جونہی عبدالرحمٰن آئے اُسے بابِ عالی میں پیش کیا جائے۔ وہ اُسے لے کر سلطان کے کمرۂ خاص کی طرف چل دیا۔ عبدالرحمٰن نے اس غیر معمولی صورتِ حال کو محسوس کیا۔ اگر اسے کسی فوجی مشورے کے لیے طلب کیا جاتا تو یہ معاملہ مجلسِ حرب کا تھا سلطانِ معظم کوئی خاص ہدایت دینا چاہتے تو بھی حاضری سلاملق باشی کے ذریعے ہوتی اور باش کاتب سلطان کو اس کی آمد سے مطلع کرتا لیکن یہاں تو پولیس کے ناظم اعلیٰ نے کسی مجرم کی طرح اُسے قزلہ آغاسی کے حوالے کر دیا اور کمرۂ خاص تک لے آیا تھا۔ اسی بات پر حیران و پریشان تھا کہ نہ جانے بے خبری میں کونسا

Marfat.com

جُرم کر بیٹھا کہ اس کی پیشی آغا سی کے ذریعے ہو رہی ہے۔ خبر سُنتے ہی فوراً حاضری کی اجازت مِل گئی اور وہ دل میں کئی وسوسے لیے کمرۂ خاص میں داخل ہُوا۔

سلطان تنہا تھا۔ جب عبدالرحمٰن مخصوص سلام کر چکا تو سلطان نے قزلر آغا سی کو رخصت کر دیا اور اسے اپنے قریب بُلا کر مخاطب ہُوا۔

"عبدالرحمٰن! —— ہم سمجھتے تھے ازمید کا قلعہ تم نے اپنے زورِ بازو سے فتح کیا ہے مگر ہمیں معلوم ہُوا ہے کہ قلعہ فتح نہیں ہُوا رات کے اندھیرے میں تمہیں بطور تحفہ پیش کیا گیا تھا۔ ہم اس کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔"

"یہ درست ہے سلطانِ معظم کہ قلعہ مجھے پیش کیا گیا لیکن رومی ہمارے حملوں سے خوفزدہ تھے۔ ہم نے دو مرتبہ اُنہیں میدانِ جنگ میں شکست دی تھی۔"

"اگر جنگ مطلوب ہوتی تو رومی قلعہ بند ہو کر لڑ سکتے تھے۔"

"اس صورت میں بھی ہماری کامیابی یقینی تھی کیونکہ قلعے کے اندر ملکہ بلاتونیہ اور اس کی بیٹی کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ میں نے شہزادی کا اعتماد حاصل کر لیا جو اصل حکمران تھی اور قلعہ پر قبضہ کے بعد بھی اُس کے اختیارات میں مداخلت نہیں کی۔"

"پھر اُسے بروصہ کیوں بھیج دیا؟"

عبدالرحمٰن یکلخت خاموش ہو گیا، یا تو اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب تھا نہیں یا جواب دینا مناسب نہ سمجھتا تھا، مگر اس کی خاموشی نے سُلطان کو پریشان و بے چین کر دیا۔ اپنی بے چینی کو چھپانے کے لیے اُس نے مُنہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور کہا۔

"عبدالرحمٰن! ہمیں تم سے کسی غلط بیانی کی توقع ہو سکتی ہے نہ اس امر کا اندیشہ ہے کہ کوئی بھی بات خواہ وہ اہم ہو یا معمولی ہم سے چھپاؤ گے۔ ہم حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں اور اسی لیے تمہیں بروصہ طلب کیا ہے۔"

عبدالرحمٰن ایک لمحہ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اگر سُلطان عالی کو حقیقت سے دلچسپی ہے تو پہلے میرا استعفےٰ قبول کر لیا جائے۔"

"استعفےٰ کیوں؟"

Marfat.com

"شاید میرا جواب سُنکر آپ کا قانون مجھے مجرم سمجھے اس لیے سر عسکر کے عہدہ سے مستعفی ہوتا ہوں"۔

"اس کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے پہلے تم حقیقت بیان کرو"۔

عبدالرحمٰن نے معاملے کی صورت پر غور کیا پھر کہنے لگا:

"حقیقت یہ ہے حضرت لری! جب شہزادی نے مجھ پر اعتماد کر کے قلعہ میں بلایا تو یہی خیال تھا شاید وہ میری مدد سے ملکہ بلاتونیہ اور جنرل ڈونو کی سازش کو ناکام بنانا اور حکومت پر اپنا قبضہ مستحکم کرنا چاہتی ہے مگر جب میں آدھی رات کو قلعہ میں پہنچا تو وہاں نیکومیڈیا کی شہزادی کی جگہ میری ملاقات ایک ایسی عورت سے ہوئی جس نے اپنے سوا کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا تھا۔ اس نے کسی تردد کے بغیر قلعہ کی چابیاں میرے حوالے کر دیں اور وہ بات مجھ پر آشکارا ہو گئی جسے میں پہلے نہیں سمجھتا تھا۔ یعنی آنقدم! عورت کی محبت بہادر سے بہادر سپاہی کا دل نرم اور خون پانی کر دیتی ہے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ شہزادی نے قلعہ ہار کر مجھے جیت لیا ہے اور یہ وہ بات تھی جس نے میرا قرار لوٹ لیا۔ میرے دل میں محبت کی چنگاری سلگنے لگی۔ میں جتنا شہزادی سے دور رہنے کی کوشش کرتا اتنی ہی یہ آگ اور بھڑکتی۔ پھر یہ سوچ کر کہ کہیں اس آگ میں میری تلوار کا لوہا پگھل نہ جائے ——— میں نے اسے بروصہ روانہ کر دیا"

"تو تم شہزادی سے اپنی محبت کا اقرار کرتے ہو"۔

"اگر آپ کے قانون میں محبت جرم ہے تو میں اقبالِ جرم کرتا ہوں ———"

سلطان نے پلٹ کر کہا۔ "عبدالرحمٰن! ہم تمہیں جرمِ محبت کی سزا دیں گے"۔

پھر اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر ایک پردہ ہٹایا ——— "اور یہ ہے تمہاری حسین سزا ———"

عبدالرحمٰن نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو خود تصویرِ حیرت بن گیا۔ پردے کے پیچھے نیکومیڈیا کی حسین شہزادی ترک لباس میں قیامت کا روپ دھارے کھڑی تھی۔ عبدالرحمٰن کے ہونٹ تھرتھرائے۔ "شہزادی ———!!"

Marfat.com

جواب سلطان نے دیا۔ "یہ ہماری بیٹی گل خانم ہے۔ ہم نے تمہارا استعفٰی نامنظور کیا اور گل خانم تمہیں سونپ دی۔"

یہ کہہ کر سلطان دروازے سے باہر نکل گیا اور کمرے میں وہی دونوں رہ گئے۔ دونوں کے دل دھڑک رہے تھے لیکن ہونٹوں پہ خاموشی تھی۔ آخر شہزادی نے اس خاموشی کو توڑا اور اُس کی طرف قدم بڑھا کر بولی:

"عبدالرحمٰن —— ! تمہارے اقرارِ محبت نے مجھے زندگی بخش دی ہے۔ مگر تم از میدیں خاموش کیوں رہے؟"

"آپ بھی .... نہیں!" وہ مسکرایا۔ "تم بھی حقیقت سُننا چاہتی ہو؟" اُس نے پہلی بار شہزادی کو "تم" کے لفظ سے مخاطب کیا تھا وہ اس اندازِ تخاطب پر خود رفتہ سی ہو گئی۔ "ہاں وہ حقیقت جو تم بیان کرو گے یقیناً خوب صُورت ہو گی۔"

"تو سنو! میدان محبت کا ہو یا جنگ کا۔ ایک بہادر سپاہی میدان میں کبھی اپنی شکست قبول نہیں کرتا۔"

"اسی لیے تو مَیں نے تمہارے سامنے خود کو ہار دیا تھا۔"

"اور یہی ہار تمہاری جیت بن گئی۔" پھر عبدالرحمٰن نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور چند لمحوں کے لیے زمانے کی گردش تھم گئی۔

دوسرے روز قاضی جندرہ نے اُمرائے سلطنت کی موجودگی میں اُن کا نکاح پڑھا۔ سلطان ہی کو شہزادی کا باپ اور ولی تسلیم کیا گیا۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی اور شاہی محل میں ہی ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔

ملکہ بلاکونی کو جو ابھی تک اپنے کمرے میں اسیر تھی جب اس شادی کی خبر ملی تو

Marfat.com

اس کے دل میں ایک نئی امید نے کروٹ لی۔ رومی جنرل ازمید سے نکل کر سمندرہ کے دارالحکومت ہرقی میں ٹھہر گیا اور قیصر کے نئے حکم کا منتظر تھا۔ ملکہ بلاکوتی نے خفیہ طور پر اُسے پیغام بھجوایا کہ عبدالرحمٰن نے شہزادی کو بروصہ بھیج دیا اور خود بھی اُس کے پیچھے چلا گیا ہے۔ تم ازمید کی طرف لوٹ آؤ اور قلعے کا محاصرہ کر لو۔ جنرل ڈونو کی سپاہ قلعہ میں بغاوت کر دے گی اس طرح ہم ازمید پر دوبارہ قبضہ کر کے ترکوں کو نیکومیڈیا سے نکال دیں گے۔

اسیری کی حالت میں بھی بلاکوتی کی خدمت پر رومی کنیزیں متعین تھیں۔ ترکوں کے نزدیک ازمید کا معاملہ ختم ہو چکا تھا کیونکہ اہلِ شہر اُن کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ لیکن وہ اس سازش سے بے خبر تھے جو ملکہ بلاکوتی کے ذہن میں پرورش پا رہی تھی۔

اچانک ایک دن قلعہ کے سامنے قیصری پرچم نمودار ہوئے۔ رومی سپہ سالار اپنی فوج کے ساتھ لوٹ آیا تھا اور اس کے ہمراہ سمندرہ کا حکمران کالوجنیس بھی لشکر سمیت میدان میں نکل آیا تھا۔ ترک پریشان ہو گئے۔ اس پریشانی میں وہ ملکہ بلاکوتی کو بالکل نظر انداز کر گئے جو اُسی رات نہ صرف اپنے کمرے سے نکل گئی بلکہ اُس نے جنرل ڈونو کو بھی قید سے چھڑا لیا اور جب صبح کا سورج طلوع ہوا تو ازمیدی سپاہ نے قلعہ کے اندر بغاوت کا پرچم بلند کر دیا۔

ازمید میں اعتماد کی فضا یک لخت بے اعتمادی میں تبدیل ہو گئی۔ قلعہ کے اندر جنرل ڈونو کی قیادت میں ازمیدی سپاہ اور قلعہ کے باہر قیصر کے لشکر نے ترکوں کو عجیب و غریب صورتِ حال سے دوچار کر دیا۔ اب قلعہ اُن کے لیے ایک ایسا پنجرہ بن گیا تھا جہاں ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

اخیجی خواجہ نے ترک سرداروں کے ساتھ مشورہ کیا اور فوری طور پر پنجرے سے باہر نکل جانے کا فیصلہ کیا پھر وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ قلعہ کے عقبی دروازہ سے نکل گئے۔ کسی کو اُن کا تعاقب کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ رومی لشکر قلعہ میں پھر داخل ہو گیا اور جنرل ڈونو نے قیصر کے سپہ سالار کا استقبال کیا۔

قلعہ میں قبضہ کا جشن منایا گیا۔ اس جشن میں نیکومیڈیا کا تاجِ حکومت ملکہ

Marfat.com

بلاکونی کے سر پر رکھ دیا گیا۔ تقدیر اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پہلے گئی تھی اور اب جنرل ٹوونو اس کا محافظ بھی تھا اور شریکِ حکومت بھی۔

ترکوں نے ازمید سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا اور بروصہ کی طرف قاصد دوڑایا۔ سلطان کا حکم پہنچا کہ شہر سے دُور نیکومیڈیا کی سرحد پر آ جاؤ۔ عبدالرحمٰن اور گل خانم نے کئی بار گذارش کی کہ انہیں نیکومیڈیا کی طرف روانگی کی اجازت دی جائے مگر سلطان نئی ترک سلطنت کے آئینی اور تنظیمی امور میں اس قدر مصروف تھا کہ ان کی درخواست پر توجہ نہ دے سکا مگر وہ نیکومیڈیا کے معاملات سے غافل نہیں تھا۔

ایک دن باقی کاتب نے رپورٹ پیش کی کہ ——— "قیصر اینڈرونیکس سوم نے ملکہ بلاکونی کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور شہزادی کو حقِ وراثت سے محروم کر دیا ہے۔ ازمید اور نیکومیڈیا کی حفاظت کے لیے قسطنطنیہ سے نئی فوج بھی روانہ کر دی ہے۔"

ترک سلطان یہ رپورٹ پڑھ کر بڑبڑایا ——— "قیصر اپنی زندگی کا ثبوت دے رہا ہے مگر قبروں میں اس کے اجداد کی ہڈیاں گل چکی ہیں اور اسے بھی اپنا بستر لاشوں پر بچھانا ہوگا۔"

پھر سلطان اچانک کھڑا ہو گیا اور حکم دیا ——— "نیکومیڈیا کے لیے ہمارا گھوڑا تیار کیا جائے۔"

دوسرے دن وہ عبدالرحمٰن اور گل خانم کے ہمراہ نیکومیڈیا کی طرف اُڑا جا رہا تھا اور عقب میں وہ سوار اور پیادے تھے جو صرف اس کی کمان میں لڑتے تھے۔

ریاست کی سرحد پر انیجی خاجہ نے ترک سرداروں کے ساتھ سلطان کا استقبال کیا۔ اس نے ایک روز سفر کی تھکان اتاری پھر آگے بڑھ کر ازمید کا محاصرہ ڈال دیا۔ ازمید میں غل مچ گیا کہ ——— "ترک آ گئے" حالانکہ وہ اس طرح گئے تھے، جیسے لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

سلطان نے ترک سرداروں کو ادھر اُدھر روانہ کر دیا کہ قلعہ اور شہر کا رشتہ

Marfat.com

مواصلات کاٹ دیں۔ وہ اپنے دستوں کو لے کر اس طرح گھوم گئے جیسے موت کسی شہر کا طواف کرتی ہے۔ اب کسی طرف سے شہر کو مدد مل سکتی تھی نہ رسد۔ صرف سمندر کا راستہ کھلا تھا۔ جب اہلِ قلعہ کو معلوم ہوا کہ سلطان اُلدرخان نے بہ نفسِ نفیس جنگ کا جھنڈا کھڑا کیا ہے تو اُن کی نبضوں میں خوف سرسرانے لگا۔

کئی روز کے جاں سوز محاصرہ کے بعد جنرل ڈونو قلعہ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ سلطان نے عبدالرحمٰن ہی کو مقابلے پر بھیجا اور شام کے غروب ہوتے ہوئے سورج کے ساتھ جب رومی اور ازمیدی سپاہ شکست اٹھا کر قلعے کی طرف بھاگی تو جنرل ڈونو کا سر عبدالرحمٰن کے نیزے پر بلند ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ کئی ہزار سوار اور پیادے موت کا لقمہ بن گئے تھے۔

جنرل ڈونو کی ہلاکت نے ملکہ بلاکونی کو لرزا دیا، اب اُسے اپنی موت بھی نظر آ رہی تھی کیونکہ نیکومیڈیا کی اصل حکمران عبدالرحمٰن کے ساتھ ازمید کی طرف لوٹ آئی تھی اس نے سلطان کی طرف صلح کا پیغام بھیجا اور درخواست کی "اگر مجھے قسطنطنیہ جانے کی اجازت دے دی جائے تو میں قلعہ آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہوں"۔

سلطان نے شہزادی کو اختیار دیا ——— "تم چاہو تو اپنی ماں کی درخواست قبول کر سکتی ہو ورنہ اس مرتبہ ہم ازمید کو بزورِ تیغ فتح کریں گے"۔

ملکہ بلاکونی کا قاصد شہزادی کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا اور امان طلب کی۔ شہزادی نے جو اب بھی گل خانم کے روپ میں تھی، ماں کی درخواست قبول کر لی اور کہا ——— "سلطانِ معظم! رومی اور ترک درختوں کی طرح ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، میں ان درختوں کی شاخیں کاٹنا نہیں چاہتی"۔

سلطان نے صلح منظور کر لی۔ دوسرے دن ملکہ بلاکونی بیٹی کو ملے بغیر بحری رستہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ قیصر کی فوج جس طرح قلعے میں داخل ہوئی اسی طرح باہر نکل گئی لیکن اس مرتبہ اُسے ہتھیاروں سے محروم کر دیا گیا تھا۔

عبدالرحمٰن شہزادی کی معیت میں فاتحانہ انداز میں قلعہ کے اندر داخل ہوا اور

Marfat.com

عقب میں وہی ترک سردار اپنے پرچم لیے چلے آرہے تھے جو کچھ عرصہ قبل قلعہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اہلِ شہر نے شہزادی کا خیر مقدم کیا۔ پھر ازمید میں ایک اور جشن منایا گیا جس میں ترک سلطان نے گل خانم اور عبدالرحمٰن کو باقاعدہ نیکومیڈیا کی حکومت کا پروانہ دیا اور اس ریاست سے قیصر اینڈرونیکس کا ہر حکم منسوخ کر دیا۔

غلاطہ کے مینار سے جب قیصر نے اناطولیہ کی طرف نظر دوڑائی تو اس کے پیکر میں اپنے اجداد کی روح لوٹتی اور گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

سلطان اورخان نے نیکومیڈیا سے نکل کر اپنے گھوڑے کی لگام سمندرہ کی طرف موڑ لی تھی۔ اب وہ کالوجی نس سے اپنا پرانا حساب چکانے والا تھا اور ترک پرچم اناطولیہ کے رومی ساحلوں کی طرف حرکت کر رہے تھے۔

Marfat.com

چاہِ بابل

دُنیا کی سب سے بڑی داستانِ عشق

تاریخ کے سینے سے کشید کی ہوئی ایک لافانی کہانی جسے مورخ، ادیب، شاعر اور صحافی
قمر اجنالوی نے ۲۵ سال کی ریسرچ کے بعد قلم بند کیا۔ زیرِ طبع ہے۔

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، لاہور

Marfat.com

نیش عقرب

Marfat.com

استفادہ

- تاریخ الکامل — ابن اثیر
- تاریخ ابن خلدون — علامہ ابن خلدون
- مورز ان اسپین — لین پول
- مسلمان عربوں کا عہدِ حکومت — آگسٹ ببیل

Marfat.com

محافظ سرداروں نے گھوڑوں پر نمدے کس لیے تھے - اچانک برف باری شروع ہو گئی - ملکہ نے شہزادے کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور اسے واپس محل میں لے آئی لیکن اسی شام برف کی برچھیوں سے زخمی ایک قافلہ شاہی محل کے دروازے پہ آکے رُکا - ملکہ کو جب خبر ہوئی وہ شہزادے کے ہمراہ اُس خستہ حال قافلے کے خیر مقدم کے لیے بے تابانہ صدر دروازے تک آئی - شہزادی اپنی سواری سے باہر نکلی تو سب کو ایسا معلوم ہوا جیسے چاند زمین پر اُتر آیا ہو - نوجوان شہزادے نے جب شعلہ رُخ شہزادی کو دیکھا تو عقل و ہوش گم کر بیٹھا - اس سے شہزادی کا رسمی استقبال بھی نہ کیا گیا -

یہ ہسپانیہ کے ایک سرسبز و شاداب پہاڑی علاقے کی داستان ہے - یہاں ہر طرف چشمے گنگناتے اور آبشار گونجتے رہتے تھے - ساری فضا میں موسیقی اور خوشبو رچی ہوئی تھی - پھولوں اور اُونچے درختوں سے ڈھکی ہوئی یہ زمین حسین مناظر کے علاوہ اپنی دل افروز اور جاں سوز داستانوں کے لیے کوہِ قاف کی مثال تھی - شہزادے کو ایک اہم سفر درپیش تھا مگر اُس نے آسمان کی اس ادا کا شکریہ ادا کیا کہ عین وقت پر برف برسا کے اُس کے

راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور اس طرح اُسے ایک جہاں تاب چہرے کے منظر سے سرفراز کیا۔

ریاست نادار کی ایک طرف ریاست کسٹائل، دوسری جانب ریاست لیون واقع تھی۔ شہزادی کسٹائل سے اور شہزادہ لیون سے آئے تھے اور جہاں انہوں نے اتفاقاً ایک دوسرے کو پہلی بار دیکھا تھا اُس ریاست کا نام نادار تھا۔ لیون اور کسٹائل کے درمیان واقع ریاست نادار میں ملکہ تھیوڈا کا حکم چلتا تھا۔ شہزادی کی آمد غیر متوقع نہیں تھی لیکن شہزادے کی موجودگی ملکہ کے لیے الجھن کا سبب بن گئی تھی۔ برف باری نہ ہوتی تو شہزادہ چلا جاتا۔ اُدھر ملکہ کا خیال تھا کہ شہزادی کا قافلہ دیر سے نادار پہنچے گا اس وقت شہزادہ اپنی ریاست لیون کے لیے کوچ کر چکا ہوگا۔ مگر نہ وہ اس بُرے موسم میں شہزادے کو واپس بھیجنے کا فیصلہ کر سکتی تھی نہ شہزادی کا قافلہ روکنا اس کے بس میں تھا۔ شہزادی اور شہزادہ دونوں ایک ہی محل میں ٹھہرے اور ملکہ نے بطورِ خاص اس نزاکت کا خیال رکھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کم سے کم مل سکیں مگر ملکہ تھیوڈا کی تمام احتیاطی تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں۔ شہزادی سفر کی تھکن کے باوجود نادار کے مناظر دیکھنے کے لیے باہر نکل گئی، ملکہ اُسے نہ روک سکی۔ شہزادہ پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ ایک بار پھر دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور دونوں دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

شہزادے کا نام اُدرڈون تھا۔ وجیہہ، دراز قد اور باوقار، عموماً اُسے صرف ڈون کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔ شہزادی چھوٹی انفنٹا کہلاتی تھی۔ وہ حسن و جمال لطافت اور نزاکت کی مکمل تصویر تھی۔ لوگ اُسے اُس کی مشہور ماں کی رعایت سے چھوٹی انفنٹا کہتے تھے۔ برف باری ختم ہو گئی لیکن شہزادہ ڈون نے قافلے والوں کو کوچ کا حکم نہیں دیا۔ اُس نے غیر متوقع طور پر قیام طویل کر دیا۔ ملکہ تھیوڈا اپنے عزیز مہمان سے یہ درخواست نہیں کر سکتی تھی کہ اُسے اب جلد چلا جانا چاہیئے۔ جس بات کا ملکہ کو خدشہ تھا وہی ہوا۔ شہزادہ ڈون اور چھوٹی انفنٹا کی رفاقت رنگ لائی۔ پہلے وہ خدّام اور کنیزوں کے سامنے ایک دوسرے سے رسمی طور پر ملتے تھے، اب چھپ چھپ کے ملنے لگے۔

Marfat.com

اس وسیع و عریض محل میں دونوں معزز مہمانوں پہ گھومنے پھرنے کی کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔ انہیں یک جائی کے بہت سے مواقع میسر تھے۔ محل کے باہر رگوں میں سنسنی پیدا کرنے والے آبشار تھے۔ دُور تک پھیلی شکار گاہ تھی۔ دونوں گھوڑوں پہ سوار ہو کے بہت دُور جنگل میں نکل جاتے اور دُنیا و مافیہا کی فکروں سے آزاد ہو جاتے۔

یوں یہ کوئی ایسی انوکھی بات نہیں تھی۔ ایک شہزادی نے ایک شہزادے کو اور ایک شہزادے نے ایک شہزادی کو منتخب کر لیا تھا مگر دونوں اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھے کہ اُن کی راہ میں سنگین فصیلیں حائل ہیں۔ دونوں ریاستیں ایک دوسرے کی شدید دشمن تھیں۔ اچانک ریاست لیون سے شہزادے کی آمد میں تاخیر کا سبب جاننے کے لیے ایک قاصد آ چکا تھا اور اس کی فوری طلبی کا پیغام بھی لایا تھا۔ شہزادے کے پاس اب ریاست ناوار میں مزید قیام کا کوئی بہانہ نہیں تھا۔ ویسے بھی اُسے آج نہیں تو کل جانا ہی تھا۔

وِداع ہونے سے ایک رات پہلے جب وادی کا آبشار زور و شور سے بہہ رہا تھا اور پہاڑی ندی کی بے قرار لہریں ایک دوسری سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں شاہی محل کے گرم ایوان میں شہزادہ ڈون آتش دان کے قریب شہزادی انفسٹا کے سامنے بیٹھا تھا۔ آتش دان کے دہکتے انگاروں کی سرخی شہزادی کے رخساروں پہ تلملا رہی تھی ڈون پلکیں جھپکائے بغیر اُسے محویت سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں گم تھے، انہیں معلوم تھا کہ یہ اُن کی آخری ملاقات ہے۔ صبح ہوتے ہی وہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں گے۔

بہت دیر بعد ڈون کی خواب ناک آواز نے اس خاموشی کا طلسم توڑا "انفسٹا! کیا تم یہ رات اسی طرح خاموشی سے گزار دو گی۔ جو لمحے ملے ہیں اُنہیں غنیمت سمجھو، مجھ سے

Marfat.com

بات کرو۔"

"کیا بات کروں ڈون!" شہزادی کی سریلی آواز میں سوز تھا۔ "معلوم نہیں! ر
تم سے کب ملاقات ہو۔ سوچتی ہوں، اُس دن اچانک برف باری کیوں ہو گئی اور تم یہاں کیوں
رُک گئے۔ تم نے یہ کیا کر دیا؟"

"انفشا! یہ میری خوش قسمتی تھی۔ مَیں نے اُس دن بدلتے موسم کا شکریہ ادا کیا!"
شہزادہ ڈون سرشاری سے بولا۔ "مگر انفشا! ہمیں تو یہ خیال ہی نہیں رہا کہ جدائی کی گھڑی
بھی آجائے گی۔"

دونوں کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ شہزادے نے انفشا کو آغوش میں بھر لیا۔
"انفشا! جانِ عزیز، بھول مت جانا، مَیں تمہیں لینے کسٹائل ضرور آؤں گا۔ مجھے یاد رکھنا
قربت کے یہ لمحات بہت مختصر ہیں اور میرے پاس تم سے کہنے کے لیے بہت سی باتیں جمع
ہو چکی ہیں مگر اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مختصر مہلت میں کون سی بات کہوں، کون سی نہیں
بس میرا انتظار کرنا انفشا! مَیں جلد ہی ریاست کسٹائل پہنچ کے تمہارے والد کو ہموار کرنے کی
کوشش کروں گا۔ مجھے یقین ہے جب مَیں ایک بڑا مقصد اُن کے سامنے پیش کروں گا
وہ اس پر ضرور غور کریں گے، انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہونا بھی نہیں چاہیے انفشا!
ہسپانیہ آج کل عربوں کے چنگل میں ہے۔ اموی سلطان عبدالرحمٰن الناصر نے خلافت کا
دعویٰ کرکے اپنا اقتدار مضبوط کر لیا ہے، چنانچہ وقت کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے
کہ میری اور تمہاری ریاستیں اپنے اختلافات فراموش کر دیں اور اموی اقتدار کے خلاف
متحد ہو جائیں۔ مجھے تمہارے والد کے سامنے یہ وضاحت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے
گی کہ اس اتحاد کے لیے ہم دونوں کا باہمی تعلق کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔"

"ڈون!" انفشا نے خیال انگیز لہجے میں کہا۔ "تم ایک ذہین شہزادے ہو
جذبات میں حقائق سے منہ نہ موڑو۔ یہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے، اسے اتنا سیدھا سادا
کیوں خیال کرتے ہو؟"

ڈون نے کہا۔ "مجھے اپنے جذبے اور تمہارے عہد پر مکمل اعتماد ہے۔"

اور اس صورت میں یقین ہے کہ ہمارے راستے کی ہر پیچیدگی خود بخود سُلجھ جائے گی۔ تم میرے ساتھ ہو تو ہر رکاوٹ دُور ہو جائے گی ——" وہ جوش میں بولا۔

شہزادی ہنس پڑی۔ ڈُون کے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں بج اُٹھیں "تم مجھ پر خود جیسا اعتبار کر سکتے ہو لیکن بہتر ہے کہ ہم اپنی ریاستوں کے حالات بھی پیش نظر رکھیں۔ اس طرح ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

"کیا تمہارے ذہن میں کوئی تجویز ہے؟" ڈُون نے بے قراری سے پوچھا۔

شہزادی انفشا نے خود کو اُس کی آغوش سے آزاد کیا اور باوقار انداز میں کہنے لگی۔ "میری ریاست کسٹائل چھوٹی ہے مگر جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اس نے تمہاری ریاست لیون کی بالادستی کبھی قبول نہیں کی۔ مجھے صاف گوئی سے کہنے کی اجازت دو، خصوصاً میرے والد کے عہد میں کسٹائل نے باقاعدہ ایک خود مختار اور خود سر ریاست کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ میری اور تمہاری ریاستوں کے درمیان کشیدگی اور خانہ جنگی کا اصل سبب یہی ہے دوسری طرف تمہارے والد نے جب سے جنگ خندق میں سلطان عبدالرحمٰن کو شکست دی اور غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے، معاف کرنا اُس وقت سے وہ خاص طور پر کسٹائل کی خود مختاری ختم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ہماری ریاستوں کے درمیان اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے انفشا! مجھے معلوم ہے۔" ڈُون نے تیزی سے کہا۔ "میرا اور تمہارا رابطہ ندی کے دو کناروں کا رابطہ ہے اور ان کناروں کے درمیان پانی کے بجائے خون بہہ رہا ہے۔"

"ہاں ڈُون! دو بادل ٹکرا گئے ہیں اور ایک بجلی چمک گئی ہے۔ لیون اور کسٹائل کے درمیان تلواروں کا رقص ہوتا رہتا ہے۔ جب تک یہ وحشیانہ تماشا ختم نہ ہو جائے۔۔۔۔"

ڈُون نے اُس کا مخملیں ہاتھ اپنی مضبوط ہتھیلی میں بھر لیا اور اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ تماشا ضرور ختم ہوگا انفشا! ضرور ختم ہوگا۔ اپنے ڈُون پر اور اپنے آپ پر بھروسہ رکھو۔ مانا ہماری قوم اتنی مہذب اور اتنی متمدن نہیں کہ صرف میری اور تمہاری خاطر آسانی

سے اپنی دشمنی کے فاصلے کم کر دے ۔ مگر یقین رکھو، میں اپنے والد کی ضد توڑ دوں گا اور انہی کی اجازت سے تمہارا پیغام بن کے کسٹائل پہنچوں گا۔"

"ڈون! انفسٹا بے تابی سے اس کے بازوؤں میں سما گئی۔ تم کسٹائل آکے مجھے سراپا انتظار پاؤ گے۔ میں بھی اپنے والدین کو رضامند کرنے کی کوشش کروں گی۔ تمہیں شاید علم ہو۔ انہوں نے بھی ایک دوسرے سے محبت کی تھی اس لیے ممکن ہے کہ وہ ہمارے راستے کی دیوار نہ بنیں لیکن سیاسی حالات کی دیوار تو بدستور کھڑی ہے، اس کا کیا ہو گا؟"

"تمہارا ڈون ہر دیوار گرا دے گا انفسٹا! صرف ایک دیوار باقی رہے گی جو ہمارے اور عربوں کے درمیان حائل ہے۔" وہ دونوں دیوار میں چنی ہوئی اینٹوں کی طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

محبت کا یہ فیصلہ عجیب تھا کہ عربوں کے خلاف لیون اور کسٹائل کا باہمی اتحاد ہی دو دل یک جا کر سکتا ہے۔ ڈون کے محافظ سواروں نے گھوڑوں پر دوبارہ نمدے کس لیے تھے۔ ڈون اپنی میزبان ملکہ تھیوڈا سے رخصت ہونے کے لیے اس کے کمرے میں پہنچا تو ملکہ نے الوداعی گفتگو بے حد شفقت اور اپنائیت سے کی۔ پھر اسے ایک عجیب نصیحت کی ڈون ششدر رہ گیا۔ ملکہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"ڈون! تم لیون کے ولی عہد ہو جلد یا بدیر سلطنت کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں آنے والی ہے لہٰذا میں تمہیں نصیحت کرتی ہوں کہ جب تم اقتدار کی مسند سنبھالو، اس وقت قرطبہ کے سلطان کی طرف شمشیر کی بجائے دوستی کا ہاتھ بڑھانا۔"

ڈون کو ایسا محسوس ہوا جیسے ملکہ تھیوڈا نے اس کی گردن پر تلوار رکھ دی ہو۔ وہ حیرت زدہ ہو کے بولا۔" مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ قرطبہ کا سلطان ہمارا دشمن ہے اور دشمن

Marfat.com

کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا جاتا، شمشیر بڑھائی جاتی ہے"۔

ملکہ نے نوجوان شہزادے کی حیرت میں اور اضافہ کر دیا۔ "ڈون! ہم اندلس کی عرب سلطنت کے خلاف دو صدیوں سے برسرپیکار ہیں، بے شک ہم نے شمالی علاقوں میں اپنی کچھ ریاستیں قائم کر لی ہیں اور تمہارے باپ نے جنگِ خندق میں سلطان عبدالرحمٰن کے بعد بہت نام پیدا کیا ہے لیکن کیا اس شکست سے عربوں کے قدم اکھڑ گئے؟ کیا کسٹائل کے نواب نے تمہارے باپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا؟ بلکہ ہُوا یہ کہ سلطان کے لشکروں نے صرف ۲ سال میں ہمیں دو بار شکست دے کے اپنا حساب برابر کر لیا مگر لیون اور کسٹائل کے درمیان جس خانہ جنگی کا آغاز ہُوا تھا وہ بدستور جاری ہے"۔

ڈون نے ادب سے جواب دیا۔ "ملکۂ عالیہ! اب بہت جلد آپ سن لیں گی کہ لیون اور کسٹائل متحد ہو گئے ہیں اور اُن کی متحدہ فوجیں قرطبہ کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں"۔

ملکہ تھیوڈا نے شہزادے کو اس طرح دیکھا جیسے اُس نے کوئی مضحکہ خیز بات کہہ دی "اگر ایسا ہُوا تو خدشہ ہے کہ ہماری ہزاروں بیوہ عورتوں میں کچھ اور اضافہ ہو جائے گا۔ عربوں کو کمزور سمجھنا سراسر نادانی ہے۔ عبدالرحمان النّاصر نے اپنی سلطنت بے حد مضبوط کر لی ہے۔ وہ سلطنت گزشتہ دو صدیوں میں اتنی مضبوط کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس حالت میں اُس سے جنگ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ شہزادے! عربوں نے ہمارے لشکروں کو دو شکستیں دینے کے باوجود لیون کو پامال نہیں کیا۔ اس کی وجہ جانتے ہو؟ عبدالرحمٰن چاہتا ہے کہ ہم مختلف ریاستوں میں بٹے رہیں اور کبھی متحد نہ ہو سکیں۔ ویسے ایک بات سُن لو۔ عبدالرحمٰن ایک عادل حکمران ہے۔ اُس کی سلطنت میں قابل لوگ کسی نسلی یا مذہبی تفریق کے بغیر اہم عہدوں پر فائز ہیں اور وہ اپنی عیسائی رعایا سے بھی ویسی ہی محبت رکھتا ہے۔ جیسی مسلمانوں سے۔ لہٰذا اگر تم نے اس کی حمایت اور دوستی حاصل کر لی تو اپنی قوم پر بہت بڑا احسان کرو گے"۔

ڈون اِن باتوں کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ اُس کے دِل میں تو محبت کی بساط بچھی تھی اور وہ ہر قیمت پر انفسٹا کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ملکہ تھیوڈا کے ہاتھ پر بوسہ

Marfat.com

دیا اور یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ " ملکہ عالیہ! ضعیفی ہمیشہ مصلحت اندیش ہوتی ہے مگر میری رگوں میں ابھی جوان خون گردش کر رہا ہے۔ تاہم میں آپ کی باتوں پر غور ضرور کروں گا "

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے سواروں کی معیّت میں لیون کی طرف بڑھ رہا تھا حسین وجمیل انفسٹا برف پوش وادی میں کھڑی اس وقت تک اُسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

لیون پہنچنے کے بعد ملکہ تھیوڈا کی نصیحت ڈون کے دماغ میں برفانی ہواؤں کی طرح رقص کرتی رہی۔ عبدالرحمٰن الناصر کا نام اس کے ذہن پر کوڑے کی مانند ضربیں لگاتا رہا۔ کبھی کبھی وہ اپنا ذہن جھٹک کر دِل کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ دِل کی ہر دھڑکن انفسٹا کا نام لیتی تھی اور اس کے ہر تار سے محبّت کا نغمہ پھوٹتا تھا۔ ڈون بار بار اُن خیال آفریں لمحوں کی یاد میں کھو جاتا جو نادار کی رنگین اور سَرد فضا میں بسر ہوئے تھے۔ ایک طرف قبیلہ قریش کا باز عبدالرحمان اُس کے ذہن کے ویران خلا میں پرواز کر رہا تھا، دوسری طرف کسٹائل کی شعلہ رُخ دوشیزہ انفسٹا اپنی ناقابلِ فراموش یادوں کے ساتھ دِل کی محرابوں میں رقص کناں تھی۔ آخر ایک طویل ذہنی کش مکش کے بعد اُس نے عبدالرحمٰن کو بھول کر صرف شہزادی انفسٹا کو اپنے خیالات کا مرکز بنا لیا۔

انفسٹا کے شعلہ حُسن نے اُس کے دِل میں محبت کی وہ آگ بھڑکا دی تھی جسے ہسپانیہ کے عرب شاعر سوزِ عشق کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ ڈون نے اپنی محبوبہ کے لیے ایک عربی قصیدہ منتخب کیا اور اُسے اپنے خاص غلام کے ذریعے کسٹائل بھجوا دیا۔ عرب شاعر کی رنگین بیانی نے شہزادی انفسٹا کے دِل میں محبّت کے نئے خطوط کھینچ دیئے اور ایک خیال افروز رومانی شمع روشن کر دی۔ شہزادی نے بے تاب ہو کے اپنے محبوب کو پیغام بھیجا

کہ وہ جلد کسٹائل آئے اور اُس کے باپ سے ملاقات کرے۔ اُس نے یہ لکھا کہ "عربی قصیدے نے میرے دل میں قرطبہ دیکھنے کا شوق پیدا کر دیا ہے۔ سنا ہے عبدالرحمٰن الناصر نے اسے جنّت کی طرح خوب صورت بنا دیا ہے۔ قرطبہ کی سیاحت ہم دونوں ایک ساتھ کریں گے ڈون! آؤ نا"۔

ڈون کو یہ پیغام ملا تو وہ تڑپ اُٹھا اور اُس کے دِل میں بھی انفسٹا کے ساتھ قرطبہ گھومنے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ واقعی عبدالرحمٰن الناصر نے قرطبہ کو حسین قصروں، مصنوعی جھیلوں تالابوں اور خوش نما باغات سے رشکِ فردوس بنا دیا تھا۔ لیون، کسٹائل اور نادار کے باشندے اگرچہ اموی سلطنت کو اپنا دُشمن سمجھتے تھے لیکن جس طرح محبّت کا کوئی وطن نہیں ہوتا اُسی طرح شعر و اَدب اور لطیف فنوں کی میراث بھی عالم گیر ہوتی ہے۔ مقامی لوگ تہذیب و تمدّن کی شائستگی سے عاری ہونے کے باوجود عربی شعر و ادب سے متاثر تھے اور قرطبہ کی نادر عمارتیں، باغات اور تفریح گاہیں دیکھ کے عرب تہذیب و تمدّن پہ دنگ رہ جاتے تھے۔ وہ عربوں کی داستانیں اور عشقیہ نظمیں پادریوں کی تصانیف سے زیادہ دلچسپ سمجھتے اور نہایت ذوق و شوق سے اُنہیں پڑھتے تھے۔

ڈون کے بھیجے ہوئے قصیدے کے جواب میں شہزادی انفسٹا کا پیغام ڈون کے دِل پہ عبرت کا ایک تازیانہ ثابت ہُوا وہ عبدالرحمٰن سے ٹکرانے کا حیرت انگیز ولولہ لے کے لیون سے نکل کھڑا ہُوا اور سب سے پہلے کسٹائل پہنچا تاکہ کسٹائل کے نواب یعنی انفسٹا کے باپ سے معاملات طے کر سکے، وہ اپنے دِل میں محبّت کی شمع روشن کر کے کسٹائل آیا تھا۔ اِس شمع کی حسین و رنگین شعاعوں نے اس کے خیالات تابناک کر دیئے تھے۔ اس کا دل اس یقین سے لبریز تھا کہ انفسٹا کا باپ نواب فرنڈو اُس کی دعوت قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکے گا کیونکہ قوم کے روشن مستقبل کا انحصار اسی امر پر ہے۔

ڈون کے اس یقین کے پیچھے کچھ ناقابلِ انکار حقیقتیں تھیں۔ اوّل تو عرب حکمرانوں سے مسلسل لڑائیوں کے بعد لیون کی جو سلطنت قائم ہوئی تھی، وہ مقامی باشندوں کی نئی تمناؤں کا مرکز بن چکی تھی۔ اُن کے آبا و اجداد کو عرب اور مُور حملہ آوروں نے ذلیل و

سال قبل شمال کی طرف مار بھگایا تھا۔ یہ بھاگے ہوئے لوگ ایک قلیل جمعیت کے ساتھ پہاڑی حصاروں اور غاروں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ ڈون اسی سلطنت کا ہونے والا سربراہ تھا۔ اس کے باپ رامیرو نے اپنے بھائی کو معزول کر کے تخت پر قبضہ کیا تھا پھر اس کی آنکھوں میں دہکتی ہوئی سلائیاں پھروا دی تھیں۔ اس کے بعد لیون پر مکمل اختیار حاصل کر کے اسے ایک مستحکم سلطنت میں تبدیل کر دیا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ رامیرو ۹۳۹ء میں عبدالرحمٰن کو جنگِ خندق میں شکست دے کر اپنی قوم کا ہیرو بن گیا تھا۔ کسٹائل کا نواب فرنڈو ایسے نامور باپ کے بیٹے اور لیون کے ولی عہد کو رشتہ دینے سے بھلا کیسے انکار کر سکتا تھا پھر بھی اگر انکار کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی تو صرف وہ کشیدگی تھی جو دونوں ریاستوں کے درمیان ایک طویل مدت سے چلی آ رہی تھی لیکن ڈون اپنی محبوبہ کے ایک اشارے پر وہ کشیدگی قربان کرنے کے لیے پہنچ گیا تھا۔

Marfat.com

کسٹائل میں ڈون کی آمد ایک جلیل القدر شہزادے کی آمد تھی اور اس کے ہمرکاب منتخب سواروں کا ایک دستہ سفر کر رہا تھا پھر بھی باہمی ناچاقی کی وجہ سے اس کا کوئی غیر معمولی استقبال نہیں کیا گیا کیونکہ وہ نواب فرنڈو کے حریف کا ولی عہد تھا مگر کوئی ایسی بات بھی ظہور میں نہیں آئی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ کسٹائل کے باشندوں کو اس کی آمد ناگوار گزری ہے۔ نواب فرنڈو اس کے مقصد سے بے خبر نہیں تھا۔ شہزادی انفسٹا اسے ڈون کے متعلق اپنے اور اپنے متعلق ڈون کے جذبات سے آگاہ کر چکی تھی اور نواب کے طرزِ عمل سے یہی ظاہر ہوتا تھا اسے ڈون کی آمد پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ نوجوان شہزادے نے شاہی محل کے دروازے سے آسمان کی لامحدود وسعتوں پر نظر دوڑائی تو اسے اپنی قسمت کا ستارہ چمکتا ہوا نظر آیا۔ کسٹائل کا شاہی محل فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ نواب فرنڈو نے ڈون کے ساتھ

اُس کے صرف دو خاص محافظوں کو محل میں داخل ہونے کی اجازت دی اور اُس کے اعزاز میں ایک پُرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ ضیافت کے روز خصوصی ایوان کے دروازے پر نواب نے مادام انفسٹا کی معیت میں اُس کا استقبال کیا۔ ڈون اپنی محبوبہ کو سُرخ لباس میں دیکھ کر از خود رفتہ ہو گیا۔ وہ اس لباس میں گلاب کی طرح دل آویز اور شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ نواب نے رسمی الفاظ میں شہزادے کو خوش آمدید کہا لیکن شہزادے کی بے تاب نگاہیں تو شہزادی کے رُخِ زیبا کا طواف کر رہی تھیں۔ حتیٰ کہ اُس نے مادام کی طرف بھی زیادہ توجہ نہیں دی۔ مادام اٹھارہ بیس سال قبل کسٹائل اور ناوار کے سب سے مشہور افسانۂ محبت کا مرکزی کردار تھی اور اس کا حُسن آج بھی ہزاروں حسیناؤں کو شرماتا تھا۔ شہزادی انفسٹا اُسی تصویر کا دوسرا نقش تھی۔

کھانے کے دوران ڈون نے نواب اور مادام کے سامنے اپنا حسین مدعا پیش کر دیا۔ دونوں میاں بیوی نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں اس رشتے پر اصولی طور سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پھر بھی ڈون کی بجائے اگر یہ رشتہ اُس کے باپ شاہ رامیرو نے طلب کیا ہوتا تو بات اور ہوتی۔ شہزادے نے مرتعش لہجے میں کہا "میرے والد خود چاہتے ہیں کہ لیون اور کسٹائل کی دیرینہ عداوت محبت میں تبدیل ہو جائے اور متحد ہو کر قرطبہ کا رُخ کریں۔ والاجناب! آپ کے علم میں ہے، خندق کی جنگ کے بعد عبدالرحمٰن الناصر کسی جنگ میں بہ نفسِ نفیس شریک نہیں ہوا۔ اس سے آپ کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں؟"

نواب نے چونک کے نوجوان شہزادے کی طرف دیکھا اور مسکرا کے جواب دیا "ہم نے سُنا ہے، ایوانِ شوریٰ سلطان کو جنگ میں شرکت کا مشورہ نہیں دیتا کیونکہ خلیفہ کی حیثیت سے اُن کی کچھ اور ذمے داریاں بھی ہیں، دمشق اور بغداد کے خلفاء کی بھی یہی روایت ہے۔"

"محترم بزرگ!" شہزادے نے ادب سے کہا "حقیقت دراصل کچھ اور ہے۔ ہمارے ملک میں عبدالرحمان الناصر کو ہمارے بہادروں کی بے حد خطرناک مزاحمت

Marfat.com

کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جنگِ خندق میں اگر عرب سوار اُسے اپنی حفاظت میں لے کے میدان سے فرار نہ ہو جاتے تو میرے والد شاہ رامیرو کی تلوار اُس کا سر تن سے جُدا کر چکی ہوتی، یہ میرا خیال نہیں ایک حقیقت ہے کہ وہ ہم سے خوف زدہ ہو چکا ہے، اس صورت میں اگر ہم متحد ہو کر نکلیں تو ہسپانیہ سے عرب اقتدار کا خاتمہ کر سکتے ہیں"۔

نواب فرنڈد کا بے ساختہ قہقہہ بلوری جام کی کرچیوں کی طرح بکھرتا چلا گیا۔ ڈون اُس کے قہقہے کا مفہوم سمجھنے سے عاری تھا۔ ٹھیک اُسی لمحے مادام اور شہزادی نے معذرت کے ساتھ اُٹھنے کی اجازت چاہی اور حسین انفشٹا آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے کوئی پیغام دے کر رخصت ہو گئی۔ ڈون کی نظریں محتاط انداز میں دُور تک اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

ضیافت میں مُلک کی بہترین شرابیں مہیا کی گئی تھیں خواتین رخصت ہو گئیں تو کسٹائل کے درباری سرداروں اور امراء نے شرابوں کی طرف ہاتھ بڑھائے اور محفل میں جیسے بجلیاں دوڑنے لگیں۔ شہزادے کے سامنے سب سے اعلیٰ شراب پیش کی گئی۔ ڈون نے سر جُھکا کے یہ تواضع قبول کی اور شراب سے لطف اندوز ہونے لگا۔ ابھی اُس نے صرف چند جام پیے ہوں گے کہ اُسے اپنے جسم سے چنگاریاں پھوٹتی محسوس ہوئیں۔ اُس نے لڑکھڑاتی آواز میں نواب فرنڈو کا شکریہ ادا کیا اور کہا "جناب والا! کسٹائل کی ہر چیز نشہ آور ہے"۔

شاید وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن اُسی وقت محل کی ایک خادمہ ایوان میں داخل ہوئی اُس نے ڈون کے قریب پہنچ کے اُس کے کان میں کوئی بات کہی۔ شہزادہ یک لخت اُٹھا اور اپنے میزبان سے اجازت لے کے خادمہ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یقیناً شہزادی نے اُسے ملاقات کا پیغام بھیجا ہے۔ ایوان میں سرداروں اور اُمراء کے چہرے اچانک بگڑ گئے۔ انہوں نے نواب فرنڈو کی طرف دیکھ کے ایک تضحیک آمیز قہقہہ بلند کیا۔ نواب کی پیشانی پر بل پڑ گئے لیکن وہ خاموشی کے ساتھ شراب سے دل بہلاتا رہا۔ چند لمحوں بعد وہ اچانک کھڑا ہو گیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا "معزز ارکانِ دربار! —— کیا آپ جانتے ہیں کہ لیون کے ولی عہد کو شہزادی نے خادمہ کے ذریعے اندر کیوں بلایا ہے؟

Marfat.com

اُسے چل کر ذرا دیکھیں کہ تنہائی کی یہ ملاقات کس مرحلے تک پہنچتی ہے "۔

نواب فرنڈ و اپنے درباریوں کو ڈون اور انفسٹا کی ملاقات کا منظر دکھانا چاہتا تھا۔ یہ ایک عجیب پیش کش تھی۔ کسٹائل کے نیم وحشی بہادروں کے لیے یہ منظر تفریح اور دل چسپی کا ایک نیا سامان تھا چنانچہ وہ شراب سے بھرے ہوئے پیمانے چھوڑ کر نواب کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ چند کشادہ صحن اور راہداریاں عبور کر کے نواب ایک مضبوط دروازے کے سامنے رُک گیا۔ دروازے پر ایک محافظ ننگی تلوار لیے پہرا دے رہا تھا۔ نواب نے محافظ سے پوچھا۔ " ہمارا مہمان پہنچ گیا ؟"

محافظ نے گردن جھکا کے اثبات میں جواب دیا۔ نواب نے گرج کر کہا۔

" دروازہ کھول دیا جائے "۔

محافظ نے فوراً حکم کی تعمیل کی دروازے کے بھاری پٹ کھلے تو سرداروں نے کمرے میں ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔ شہزادہ ڈون زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ خانے کی آہنی سلاخوں کے پیچھے پڑا تھا۔ سردار پلکیں جھپکانا بھول گئے۔ نواب اُن کی طرف پلٹا " سردارو! کیا خیال ہے ، کیسا منظر ہے ؟"

ایک بوڑھے سردار نے کہا " حضورِ گرامی ! اگر یہ کوئی مذاق ہے تو خطرناک حد تک دلچسپ مذاق ہے اور اگر حقیقت ہے تو کسٹائل کے قلعے کی فصیل اتنی مضبوط اور بلند کر لیجئے کہ لیون کے چھاپہ ماروں کی کمندیں اس کے کنگوروں تک نہ پہنچ سکیں "۔

نواب نے اس اقدام کے جواز میں کہا " سردارو ! اس ناتجربہ کار لڑکے نے لیون اور کسٹائل کے اتحاد کی احمقانہ تجویز پیش کر کے ہمیں آزمانے کی کوشش کی اور یہ دعوا کیا تھا کہ یہ عبدالرحمان الناصر کو شکست دے سکتا ہے۔ عبدالرحمٰن ہم سب کا دشمن ہے لیکن دشمن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئیے۔ وہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ ڈون جیسے گیدڑ اسے شکار کرنے کا دعوا کریں۔ رفیقو ! فرانس کی مدد کے بغیر ہم عربوں کے خلاف کوئی کامیاب جنگ نہیں لڑ سکتے مگر فرانس عبدالرحمٰن سے جنگ کرنے کی بجائے اُس کی دوستی کا خواہاں ہے۔ قسطنطنیہ، جرمنی اور روم کے سفیر اُس کے دربار میں سر جھکا کے کھڑے ہوتے ہیں ایسی

Marfat.com

تاریخ دہرائی گئی ہے"۔

لوگوں کی نظریں دَوڑ کے اُس کے چہرے پر مرتکز ہو گئیں۔ سب یہی سمجھے کہ آج اس نے ظرف سے زیادہ پی لی ہے اور نشے میں ایک تاریخی حقیقت سے انکار کر رہا ہے۔ اُس شخص نے لوگوں کی آنکھوں میں حقارت کی جھلک دیکھی اور کہا "صاحبو! یہ درست ہے کہ شہزادی نے اپنی ماں کی طرح اپنے محبوب کو فرار ہونے میں مدد دی ہے اور اُسے قید خانے سے نجات دِلا دی مگر آپ یہ نہ بھولیے کہ اُس کی ماں اپنے محبوب کے ساتھ خود بھی کسٹائل آ گئی تھی۔ اس کے برعکس شہزادی اپنے اپنے محبوب کے ساتھ فرار نہیں ہوئی"۔

لوگ اس کی نکتہ آفرینی پر داد دینے لگے۔ یک لخت کسی نے انکشاف کیا۔ "شہزادی محل کے اُسی قید خانے میں نظر بند کر دی گئی ہیں جہاں سے انہوں نے شہزادہ ڈون کو رہا کرایا تھا"۔

یہ اطلاع اُن نوجوانوں کے لیے یقیناً تکلیف دہ تھی جنہوں نے شہزادی کی جرأت پسند ... تھی۔ اُن کے نزدیک نواب فرننڈ و جیسے بہادر شخص کو یہ بزدلی زیب نہیں دیتی تھی کہ ... آئے مہمان کو فریب سے قید خانے میں ڈال دیتا مگر بوڑھوں اور مصلحت اندیش لوگوں کا خیال مختلف تھا کیوں کہ اُن کے جسموں میں خون کی گردش سرد اور سست پڑ گئی تھی۔ وہ ریاست کی آزادی ایک نادان شہزادی کی محبت سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور نواب فرننڈو کی مجبوری اور مصلحت خوب سمجھتے تھے۔ نواب نے ہمیشہ اپنی جان پر کھیل کے ریاست کی آزادی اور خود مختاری کا تحفظ کیا تھا کسٹائل کے باشندے اسی شجاعانہ کردار کے باعث اُسے پسند کرتے تھے مگر طویل خانہ جنگی نے ریاست کی نبضوں سے بہت سارا خون نچوڑ لیا تھا اور اب اُس میں مدافعت کی پہلے جیسی قوت نہیں رہی تھی۔ نواب فرننڈو شہزادہ ڈون کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا تاکہ لیون کے شاہ سے اپنے بعض مطالبات منوا سکے لیکن شہزادے کے فرار نے صورتِ حال یکسر تبدیل کر دی تھی اور اب یہ خطرہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ رامیرو جیسا ظالم اور خود پسند

Marfat.com

بادشاہ اس واقعے کی آڑ میں کسی وقت بھی کسٹائل پر حملہ کر سکتا ہے۔

کسٹائل کے لوگ کئی روز تک متوقع حملے کا انتظار کرتے رہے۔ وہ راتوں کو چونک چونک کر اٹھتے اور پہاڑی گلیوں اور درّوں میں گونجنے والی طوفانی اور برفانی ہواؤں کا شور شاہوں میں ڈھل کر اُن کی سماعت سے ٹکراتا رہتا لیکن کئی روز گزر گئے، کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ نہ پہاڑوں سے چھاپا مار اترے نہ لیون کے سُرخ پرچم دکھائی دیئے۔ اس کیفیت سے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ ہو سکتا ہے۔ شہزادہ ڈون نے اپنی گرفتاری کی ذِلّت باپ سے پوشیدہ رکھی ہو۔

اُن کے اس اطمینان کو ابھی زیادہ دِن نہیں گزرے تھے کہ ایک روز اچانک کوہستانی فضا نقارہ وطبل کی ضربوں سے گونجنے لگی۔ رامیرو کے وحشی سوار تباہی و بربادی کی آندھیاں لیے نمودار ہوئے۔

نواب فرنینڈو نے پہلے کی طرح اس بار بھی قلعے سے نکل کر حملہ آوروں کا راستہ کاٹا لیکن ڈون کی اسیری کی طرح جنگ کے نقشے پر یہ چال بھی ٹیڑھی پڑی۔ حملہ آور رسالے کی قیادت لیون کا ولی عہد خود کر رہا تھا۔ اُس کے دائیں بائیں وہی جنگجو سوار تھے جنہیں نواب فرنینڈو نے مکاری سے قید کر لیا تھا۔ اب وہ سب اپنی ذِلّت کا بدلہ لینے پر تلے ہوئے اور دشمن کو نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے۔ ممکن ہے نواب کے سرفروش ساتھی یہ حملہ روک لیتے لیکن شہزادہ ڈون کے رسالے کے پیچھے پیچھے خود شاہ رامیرو اپنے سُرخ پرچموں اور خونی شہ سواروں کے ساتھ نمودار ہوا اور دیکھتے دیکھتے جنگ کا نقشہ تبدیل ہو گیا۔

نواب فرنینڈو کی قسمت میں شکست کی ذِلّت مرقوم ہو چکی تھی۔ لیون کے شہ سواروں نے اُس کے لیے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے۔ کسٹائل کے جاں فروش اُس کے تحفّظ کی خاطر کٹ کٹ کر گرے مگر فرنینڈو شکست سے دوچار رہا۔ اُس نے جنگ ہار دی۔ قسمت ہار دی اور قسمت کے ساتھ جان کی حفاظت کے وعدے خود کو بھی ہار دیا۔ لیون کے فاتحین نے اُسے زندہ گرفتار کر لیا۔

Marfat.com

رامیرو اپنے حریف کو اسیر کرکے لیون کی طرف روانہ ہو گیا۔ کسٹائل کی تقدیر کا فیصلہ ولی عہد ڈون کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ اُس سے کہہ دیا گیا کہ وہ اس بدقسمت ریاست کے ساتھ جو سلوک چاہے، کرے۔ کسٹائل کے باشندے سالہا سال سے اپنی آزادی اور خودمختاری کی دلیرانہ حفاظت کرتے آئے تھے لیکن آج اُن کے پرچم خاک و خون میں تھڑے پڑے تھے، اُن کی آزادی کا سورج غروب ہو گیا تھا اور اُن کی ریاست کے والی کو گرفتار کرکے لیون کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا۔ شکست و اسیری کا یہ واقعہ کسٹائل کی تاریخ کا ایک الم ناک باب تھا۔ اس واقعے نے کسٹائل کی پیشانی پر غلامی کی مُہر ثبت کر دی۔

شاہ رامیرو نے اپنے قیدی نواب فرنندو سے اُس وقت تک ملاقات نہیں کی جب تک وہ لیون نہیں پہنچ گیا۔ اس نے دربار آراستہ کیا تو نواب کو ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ رامیرو اُس کی گرفتاری پر بے حد مسرور تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھ کے اپنی گردن فخر سے بلند کی اور بدقسمت نواب کی طرف ہاتھ لہرا کے بولا۔

" فرنندو! تم نے ہمارے ولی عہد کو دعوت میں بُلا کے اور میزبان بن کے فریب سے گرفتار کیا تھا مگر ہم تمہیں کھانے کی میز سے نہیں جنگ کے میدان سے اسیر کرکے لائے ہیں اور اس لیے لائے ہیں کہ لیون میں ہم نے تمہارے لیے ایک نیا مہمان خانہ تعمیر کرایا ہے اس مہمان خانے کی تعمیر اُسی روز شروع کر دی گئی تھی جس روز ڈون تمہاری قید سے نجات حاصل کرکے یہاں پہنچا تھا۔ ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے معزز مہمان کو کسی پُرانی کوٹھڑی میں مہمان بنائیں۔"

شاہ رامیرو نے جس نئے مہمان خانے کا ذکر کیا تھا۔ وہ لیون کا ایک انتہائی اذیت ناک، بدترین اور پُرہول قید خانہ تھا۔ اُسے زمین کی سطح سے بیس فٹ کی گہرائی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ آدمی اُس زمین دوز مقبرے میں پتھر کی پوری چوبیس سیڑھیوں کا ایک خم دار زینہ اُترنے کے بعد داخل ہوتا تھا۔ قید خانہ قبر کی مانند تنگ، سرد اور تاریک کوٹھڑیوں پر مشتمل تھا۔ ان کوٹھڑیوں کے درمیان پتھر کی دس دس فٹ چوڑی دیواریں حائل تھیں۔ دیواروں میں

Marfat.com

سوراخ بنانا یا سینڈھ لگانا ممکن نہ تھا ۔ ایک کوٹھڑی کا قیدی یہ بھی معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ دوسری کوٹھڑی میں کون اُس کی طرح ایڑیاں رگڑ رہا ہے ۔ زمین دوز قید خانے کے اُوپر محافظ سپاہیوں کی بیرکیں تھیں اور داروغہ کا کمرہ تھا ۔ تہ خانے سے ملحق ایک اذیت خانہ تھا ۔ قید خانے کے اِرد گرد ایک بلند اور مضبوط فصیل تھی ۔ فصیل کے مہیب برجی دروازے میں داخل ہونے کے بعد قیدی کا بیرونی دُنیا سے ہر رشتہ منقطع ہو جاتا تھا ۔

کسٹائل کا باغی اور خود سر نواب فرنڈو اس بھیانک قید خانے کی ایک سیاہ اور خوفناک کوٹھڑی میں منتقل کر دیا گیا ۔ کوٹھڑی کے اندھیروں کو روشنی کی کوئی کرن پریشان نہیں کر سکتی تھی ۔ نواب فرنڈو نے کوٹھڑی کے باہر ایک تاریک گلی سے شاہ رامیرو کی آواز سُنی ۔

"قیدی گھبرانا نہیں ۔ تم اس مہمان خانے میں زیادہ دِنوں تک تنہا نہیں رہو گے ۔ دوسری کوٹھڑی قرطبہ کے خود ساختہ سلطان کے لیے تیار کی گئی ہے ۔ سلطان والا تبار اس مہمان خانے کو رونق بخشیں گے تو تمہیں اُن کے ساتھ مِل بیٹھنے کی سہولت فراہم کر دی جائے گی ۔"

اس آواز کے ساتھ ہی لحد نما کوٹھڑی کا دروازہ بند ہو گیا ۔ گلی اور زینے میں کچھ آہٹیں اُبھریں اور بتدریج خاموشیوں میں ڈوبتی چلی گئیں ۔ آخر زمین دوز قید خانے پر موت کی طرح مہیب اور ہولناک سناٹا چھا گیا ۔ نواب فرنڈو کے وحشیانہ قہقہے نے یہ سناٹا توڑنے کی کوشش کی لیکن قہقہہ خود ٹوٹ گیا ۔

فرنڈو کی شکست اور اسیری کے بعد کسٹائل کے عام باشندوں کی مزاحمت قریب قریب ختم ہو گئی تھی ۔ قلعے پہ اب لیون کا سُرخ پرچم لہرا رہا تھا ۔ رامیرو کے لشکر نے قلعے

Marfat.com

پر قبضہ کر لیا لیکن شہر کے حالات پر اب تک قابو نہیں پا سکا تھا۔ کسٹائل کے لوگ شکست کے باوجود کسی نئے آقا کی اطاعت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

دونوں ریاستوں کے درمیان چونکہ مدت سے کشیدگی تھی اور باہمی خانہ جنگی میں لیون کے بہت سے آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے اس لیے فاتحین نے کسٹائل کے باشندوں سے اپنے پرانے زخموں کا انتقام بھی لیا اور اپنی فتح کا خراج جبراً وصول کرتے رہے اس سنگ دلی کی وجہ سے ایک نئی نفرت پیدا ہو گئی۔ دونوں ریاستوں کے باشندے ایک ہی نسل، ایک ہی قوم اور ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن اقتدار و اختیار کے جھگڑوں نے انہیں دو متحارب گروہوں میں تبدیل کر دیا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کے ازلی دشمن ہوں۔ اس دور میں یورپ کے غیر مہذب اور وحشی حکمران مفتوح اقوام کی خواتین کو بھی مالِ غنیمت تصوّر کرتے اور ان کے حسن و جمال سے اپنی خلوتیں رنگین بنانا فتح کا دستور سمجھتے تھے۔

لیون کے فوجیوں نے کسٹائل کی فتح کا خوب جشن منایا۔ شراب اور موسیقی کی محفلوں میں کسٹائل کی حسین اور جوان عورتیں بے حجاب کی گئیں اور ان کے جسموں کی توہین کی گئی اسی قسم کی ایک محفل کا ذکر ہے محفل شباب پر تھی اور فوجی افسروں کے نشیلے قہقہے فضا میں مستیاں بکھیر رہے تھے کہ اچانک کسٹائل کے چند بوڑھے سردار اپنے ماتھوں پر شدید غصے کی شکنیں لیے داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر برہنہ عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ اپنے آپ میں سمٹ کے اِدھر اُدھر چھپنے کی کوشش کرنے لگیں مگر لیون کے فوجیوں نے انہیں بے دردی سے پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ ایک سردار نے بلند آواز میں افسروں کو ملامت کی۔ "تم ہمارے ہم قوم ہو پھر بھی ہماری خواتین کو ہماری آنکھوں کے سامنے ذلیل کر رہے ہو۔ یاد رکھو، تم نے کسٹائل جیتا ہے۔ کسٹائل کے لوگ نہیں جیتے کان کھول کر سن لو، اگر فتح کا یہ قابلِ نفرت جشن بند نہ ہوا تو ہم قرطبہ کے سلطان تک فریاد لے کر جائیں گے پھر تم سے ہماری عورتوں کی توہین کا انتقام عربوں کی تلواریں لیں گی۔ تم گاجر مولی کی طرح کاٹ کے پھینک دیئے جاؤ گے۔"

Marfat.com

یہ بے وقت کی راگنی سب کو بُری معلوم ہوئی ۔ بعض افسروں کے نزدیک بوڑھے سردار کی یہ جسارت ناقابلِ معافی تھی ۔ جنگ اور فتح کے بارے میں مقامی فوجیوں کے کچھ اصول تھے مگر بوڑھے نے عربوں کی شرافت اور تلواروں کا طعنہ دے کر فتح مند افسروں کی توہین کی تھی اور اپنی سرکشی ، اپنی بغاوت کا برملا اظہار کر کے لیون کی بالادستی کا مذاق اُڑایا تھا۔ چنانچہ ایک فوجی افسر غصّے میں اُس کی طرف بڑھا ۔ اُس نے پہلے بوڑھے کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر حقارت سے کہا ۔

"کسٹائل کے بُڈھے گدھے ! تو ہمیں عربوں کی تلواروں سے ڈرانے آیا ہے ؟ شاید تُو نہیں جانتا کہ عورت کا حُسن فتح کا نشہ دوچند کر دیتا ہے ۔ جا ، قرطبہ کے سلطان سے ہماری شکایت کر دے ۔ ہم اُس سے نہیں ڈرتے ۔ ہم یہ جشن اسی طرح مناتے رہیں گے کیوں کہ یہ ہمارا دستور ہے "۔

" ہم اپنی ذلت کا تماشا نہیں دیکھ سکتے ۔ ہم تمہیں اپنی عزت سے نہیں کھیلنے دیں گے ۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے "۔

بوڑھے کے الفاظ کی گونج ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ فوجی افسر کی تلوار اُچھل کے میان سے باہر آگئی ۔ ایک بجلی سی چمکی اور دوسرے ہی لمحے بوڑھے کا لاشہ زمین پر تڑپنے لگا ۔ دوسرے سردار اپنے ساتھی کا یہ حشر دیکھ کے تیزی سے پلٹے اور جشن گاہ سے نکل گئے ۔ اس ناخوشگوار واقعے کے بعد نغمہ و مے کے ہنگامے پھر شروع ہو گئے اور کسٹائل کی بے بس اور بے حجاب عورتیں فاتحین کی دست درازیوں کا نشانہ بننے لگیں ۔

سرِ رات کے اندھیروں میں کہیں دُور آوازوں کا شور بلند ہوا ۔ کسٹائل کے لوگوں کا بپھرا ہوا ہجوم جشن گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ مشتعل آوازیں بتدریج طوفانی ہواؤں کے شور کی طرح بلند سے بلند تر ہو رہی تھیں ۔ دیکھتے دیکھتے جشن گاہ میں بہنے والے خون کی سُرخی آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو گئی ۔ بپھرے ہوئے ہجوم نے ہر وہ شے نذرِ آتش کر دی جو لیون سے وابستہ تھی ۔ سپاہیوں کی چھولداریاں اور افسروں کے خیمے دھڑا دھڑ جلنے لگے ۔

کسٹائل کے باشندوں کے دلوں میں بھڑکنے والی آگ دھوئیں کے بادلوں کی صورت

Marfat.com

اختیار کر کے جشن گاہ کی طرف لپکنے لگی ۔ رقص بند ہو گیا، موسیقی تھم گئی ۔ شراب کے پیمانے کھنک چھنک کے ٹوٹنے لگے ۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی ۔ کسٹائل کے خلاف پھر جنگ کا بگل بجا دیا گیا ۔ لیون کے سپاہی تلواریں سونت سونت کر اس مشتعل ہجوم کے تعاقب میں نکلے جس نے فتح کے جشن کی تمام خوشیاں پھونک ڈالی تھیں ۔ آتش زنی کرنے والے لوگ دھوئیں کے سائے بن کر غائب ہو گئے لیکن لیون کے فوجیوں کی تلواریں اب کسی پر رحم کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں ۔ انہوں نے شہر کو جا لیا اور ہر وہ شخص تہ تیغ کر دیا گیا جو اُن کے سامنے آیا ۔ خوب قتلِ عام ہوا ۔ صبح کا اُجالا پھیلنے تک زندہ آدمیوں کی فہرست سے سینکڑوں نام خارج کر دیئے گئے ۔

کسٹائل کے قلعے پر تین دن سے لیون کا سرخ پرچم لہرا رہا تھا مگر شہزادہ ڈون اب تک شاہی محل میں داخل نہیں ہو سکا تھا ۔ محل میں داخلے سے پہلے ضروری تھا کہ وہ شہر میں اُٹھنے والی بغاوت اور شورش کچل دے ۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ کسٹائل تو مغلوب ہو چکا ہے لیکن کسٹائل کے لوگ مغلوب نہیں ہوئے اور ان کی طرف سے ہر لمحے فتنہ و فساد کا خطرہ ہے ۔ تین روز بعد کسٹائل کے لوگوں کی سرکشی کم ہوئی اور وہ تلواروں کے زخم کھا کھا کر گھروں میں پناہ گزین ہو گئے تو ڈون نے شاہی محل جانے کا ارادہ کیا اور شہزادی انفسٹا کو اپنی آمد کی اطلاع بھیجی ۔ وہ چاہتا تھا جنگ و جدل کی تمام کلفتیں ذہن سے اُتار کر اپنی محبوبہ کی رنگین قربت حاصل کرے، اُسے یقین تھا کہ شہزادی شاہی محل میں بے چینی سے اُس کا انتظار کر رہی ہو گی ۔

یورپ کا دستور تھا کہ مفتوح حکمران کی ملکہ اپنے حسن کی جلوہ سامانیوں کے ساتھ فاتح کا استقبال کرتی اور اپنے بدن کے ساتھ اپنی وفاداریاں بھی اُسے سونپ دیتی تھی یا پھر

Marfat.com

فاتح، شاہی خواتین میں سے خود کسی کا انتخاب کرتا اور اُسے ملاقات کا پیغام بھیجتا تھا۔ اس کا استقبال ہر حالت میں ضروری سمجھا جاتا تھا۔ کسٹائل کی ملکہ شاہی محل میں نظر بند کر دی گئی تھی۔ کمرے کے گرد لیون کے محافظ دن رات پہرا دیتے تھے کیونکہ یہ امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کسٹائل کے سرداروں سے رابطہ پیدا کر کے انہیں بغاوت پر آمادہ کر سکتی ہے۔ شہزادی انفشٹا کو ڈون کے فرار کے سلسلے میں اپنے باپ کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ مگر اب وہ شاہی محل میں آزاد اور خود مختار تھی۔ ڈون اُس سے ملنے اور اسے اس کے ایثار کا صلہ پیش کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ شہر کے انتظامات سے فارغ ہوتے ہی اُس نے قلعے کا رُخ کیا اور تصوّر میں شہزادی انفشٹا کی دِل شکار شرمیلی مسکراہٹوں میں ڈوبنے لگا۔ وہ سوچتا تھا کہ استقبال کے وقت شہزادی کے سُرخ ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھر بکھر جائیں گی۔ آج کی رات، آج کی ملاقات اُن کی خوشیوں کا گہوارہ بننے والی تھی۔ کیونکہ کسٹائل کی فتح کے ساتھ ہی ڈون نے اپنی محبت کی بازی بھی جیت لی تھی۔ اب اُن کے درمیان کوئی نواب، کوئی باپ حائل نہیں تھا۔

سُورج برف پوش پہاڑوں کے پیچھے رُوپوش ہو چکا تھا۔ شمال کی سرد ہوا بدن پر کوڑے برساتی چل رہی تھی۔ قلعے کے دروازے پر لیون کے نیزہ بردار محافظوں نے شہزادہ ڈون کا استقبال کیا اور قرنا پھونک کر قلعے والوں کو اس کے پہنچنے کی اطلاع دی۔ قلعے کی ہر برجی اور ہر ہزاری میں لیون کے محافظ ہوشیار ہو گئے۔ وہ ولی عہد کی حفاظت پر مامور تھے۔ ڈون شعلوں کی روشنی میں آہستہ آہستہ چلتا شہزادی انفشٹا کے کمرے کی طرف بڑھا مگر اسے وہاں اپنے استقبال کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ شاہی محل میں نہ کوئی غیر معمولی روشنی تھی، نہ کوئی خلافِ معمول سرگرمی۔ بیشتر کمرے تاریکی میں ڈوبے تھے۔ خود شہزادی کا کمرہ بھی روشنی سے محروم تھا۔ یہ سب کچھ ڈون کی توقع کے سراسر خلاف تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے غلام گردش میں رُک گیا۔ ٹھیک اُسی وقت ایک محافظ نے کسی نیم تاریک کونے سے نکل کر اُسے تعظیم دی اور بتایا کہ شہزادی اپنے کمرے میں اس

Marfat.com

کی منتظر ہے۔ ڈون کے دل پر مایوسی کی جو دھند چھا گئی تھی چھٹ گئی۔ لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ پھر وہ جیسے ہی شہزادی کے خاص کمرے کے قریب پہنچا مخلوط نسل کی ایک خادمہ ادب سے دروازہ کھول کر ہٹ گئی۔ کمرے کے اندر صرف دو شمعیں ٹمٹما رہی تھیں یا آتش دان میں لکڑیاں روشن تھیں۔ شعلوں کے عکس شہزادی کے سوگوار چہرے پر کانپ رہے تھے۔ وہ آتش دان کے قریب ایک کرسی پر نیم دراز تھی ڈون کی آہٹ سن کے آہستگی سے اٹھی مگر اس کے ہونٹوں پر کوئی تبسم نہیں تھا۔ آنکھوں میں کوئی دعوت نہ تھی۔ چہرے پر کوئی پیغام نہ تھا۔ کہیں مسرت کے آثار ہی نہیں تھے۔ حالانکہ اصول کے مطابق اُسے اپنا گداز اور پرکشش بدن آراستہ کر کے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کا جادو بکھیر کے ڈون کا استقبال کرنا چاہیے تھا۔ وہ بہت اداس اور غمزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے اسے اپنے محبوب کی آمد پر قطعی خوشی نہ ہوئی ہو۔ یہ سرد مہری ڈون کو متحیر کر دینے کے لیے کافی تھی۔ وہ شہزادی کے قریب پہنچ کے رک گیا اور پر تکلف لہجے میں بولا۔ "معلوم ہوتا ہے عزت مآب شہزادی کو ہماری ملاقات سے کوئی دلچسپی اور ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ یہ کمرہ آج روشنیوں سے محروم نہ ہوتا۔"

"کمرے کی روشنی دل کا اندھیرا دور نہیں کر سکتی ڈون!" شہزادی نے مرتعش لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "میں ایک شکست خوردہ شہزادی کی طرح تمہارا استقبال نہیں کر سکی، معذرت خواہ ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ فاتح کی زبان میں گفتگو نہ کرو۔"

ڈون نے محسوس کیا کہ شہزادی اگرچہ سوگوار ہے لیکن اس کے دل میں محبت کی آگ ابھی تک سرد نہیں ہوئی۔ یہ ایک حوصلہ افزا بات تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے نرمی سے شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پیار سے بولا۔

"عزیز از روح! ہو سکتا ہے، تمہارے دل کو کوئی صدمہ پہنچا ہو لیکن مجھے اپنے ایثار کا شکریہ ادا کرنے کا موقع تو دو، میں تمہارے دل کا اندھیرا دور کر دوں گا انفنٹا! اگر تم رضامندی ظاہر کرو تو ہم کل ہی ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ کیسٹائل کا چرچ ہماری شادی کا اعلان کر دے گا۔"

Marfat.com

شہزادی نے یک لخت اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ "نہیں ڈون! میں اپنی خوشیوں کا محل اپنے ہم وطنوں کی بربادی پر آباد نہیں کر سکتی۔ لیون کے سپاہیوں نے کسٹائل کو جو غم، جو زخم، جو نوحے دیئے ہیں، وہ اتنی جلدی شادی کے نغموں میں تبدیل نہیں ہو سکتے اگر تم انصاف نہیں کر سکتے تو کم از کم ظلم بھی نہ کرو۔"

ڈون پر انکشاف ہوا کہ کسٹائل کے دوسرے باغیوں اور خود سروں کی طرح شہزادی نے بھی لیون کی فتح قبول نہیں کی۔ یہ بات حیرت انگیز تھی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا اُسے باپ کے قید خانے سے رہا کرانے اور اُس کی خاطر اپنی جان پر کھیل جانے والی شہزادی شادی کی پیش کش فوراً قبول کرلے گی اور اُس کے ساتھ کسٹائل کے تخت پر جلوس آرائی کو اپنی محبّت کی کامیابی قرار دے گی لیکن شہزادی کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اُسے ڈون کی کامیابی سے خوشی نہیں ہوئی البتہ کسٹائل کی شکست اور تاراجی کا صدمہ ضرور پہنچا ہے۔ شہزادی کے کردار کا یہ پہلو ڈون کے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ اُسے اچانک خیال آیا کہیں وہ اپنے باپ کی اسیری پر تو غمزدہ نہیں ہے؟ اس نے شہزادی سے کہا۔

"اگر تمہیں اپنے والد کی گرفتاری کا صدمہ ہے تو خود سوچو، اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں تو تمہارا رشتہ لے کے آیا تھا۔ انھوں نے خود بدعہدی کی اور مجھے فریب سے قید کر لیا۔ انفنٹا! تمہیں اس شخص کے لیے اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیئے جس نے تمہارے محبوب کو گرفتار کر کے اپنی بربادی کو خود آواز دی۔"

"ڈون! اگر میرے والد نے تمہیں فریب سے گرفتار کیا تھا تو میں نے تمہاری رہائی کا انتظام کر کے اُن کے اس سلوک کی تلافی کر دی تھی۔ پھر تمہیں کسٹائل پر حملے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

اس سوال کا ڈون کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ بلا شبہ اُس کی ریاست نے موقع سے فائدہ اُٹھا کے کسٹائل کی آزادی غصب کر لی تھی۔ شہزادے نے فوراً محبّت کی آڑ لے لی اور کہا۔

"انفنٹا! تم جانتی ہو تمہارے والد کی موجودگی میں ہماری شادی ناممکن تھی۔

Marfat.com

محبت کی کامیابی کے لیے ضروری تھا کہ انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے، اب ہم دونوں آزاد ہیں اور اپنی مرضی سے ایک دوسرے کے ہو سکتے ہیں "۔

شہزادی کے چہرے پر ناگواری کی ایک لہر گزر گئی ۔" ڈوون ! مَیں تم سے محبت ضرور کرتی ہوں لیکن اپنے والد کی اسیری اور اپنے ہم وطنوں کی غلامی کی قیمت پر تم سے شادی نہیں کر سکتی "۔

" انفسٹا ! " ڈوون کی آواز دُور تک گونجی مگر شہزادی اس طرح پُرسکون تھی جیسے کوئی سمندری چٹان لہروں کا شور سُن کر خاموش رہتی ہے ۔ اُس نے سپاٹ لہجے میں کہا ۔ " اگر مجھ سے شادی کرنا مقصود ہے تو میرے والد کو رہا کر دو اور کسٹائل کو اس کے حال پر چھوڑ دو ۔ جس روز یہ دونوں شرطیں پوری ہو گئیں، مَیں خود بخود تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی، تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی "۔

ڈوون کی حیرت پاش نظریں شہزادی کے چہرے پر جم کے رہ گئیں ۔ آتش دان کے شعلوں کا عکس ابھی تک اس کے رخساروں پر لرزاں تھا ۔ ڈوون چند لمحے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا ہوا اُسے دیکھتا رہا جیسے اُسے اس کے وجود پر اعتبار نہ آ رہا ہو ۔ پھر ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا ۔

" اچھا ، مَیں تمہاری تجویز کل ہی لیون بھیج دوں گا ، اگر میرے والد نے منظور کر لیا تو مَیں تمہارے والد اور کسٹائل دونوں سے دستبردار ہو جاؤں گا ۔ یہ میرا وعدہ ہے ایک چاہنے والے کا وعدہ "۔

شہزادی کے ہونٹوں پر پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی ۔ اُس نے آگے بڑھ کے ڈوون کا ہاتھ تھام لیا ۔ " اچھے ڈوون ! مَیں تمہیں اپنے والد کی قید سے رہا کر کے اپنی محبت کا ثبوت دے چکی ہوں ۔ اب تمہاری باری ہے ، تم بھی میرے والد کو آزاد کر کے اپنی محبت کا ثبوت دو "۔

ڈوون کے چہرے پر جذبات کی کش مکش نے لکیریں بنا دیں ۔ شہزادی نے اپنے باپ کی رہائی کا مطالبہ کر کے اُسے کڑی آزمائش میں ڈال دیا تھا ۔

Marfat.com

کسٹائل کے باشندے شہزادی سے صرف اس لیے ناراض تھے کہ اُس نے ڈون کو قید خانے سے نکال کے گویا ایک بھیڑیے کو رہا کر دیا تھا مگر جب انھوں نے سنا کہ شہزادی نے اپنی شادی کی شرط نواب فرننڈو کی رہائی اور کسٹائل کی آزادی ٹھیرادی ہے تو شہزادی نے اُن کے نزدیک روم کی قدیم دیویوں کا مقام حاصل کر لیا۔ اُنھوں نے نواب فرننڈو کے مجسمے کے ساتھ شہزادی کا بھی ایک حسین مجسمہ تیار کیا اور دونوں مجسمے کسٹائل کے بڑے چوک میں نصب کر دیے گئے۔ کسٹائل کے لوگ آج بھی فرننڈو ہی کو اپنا حکمران سمجھتے تھے، حالانکہ وہ لیون کے بدترین قید خانے میں محبوس تھا۔ اب شہزادی بھی لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن گئی تھی لیکن انھیں یقین نہیں تھا کہ لیون کا شاہ رامیرو شہزادی کی ایک بھی شرط ماننے پر تیار ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ رامیرو کس مزاج کا آدمی ہے۔ اُس نے اقتدار کی خاطر اپنے حقیقی بھائی کی آنکھوں میں دہکتی سلائیاں پھروادی تھیں۔ صرف چند روز بعد لوگوں کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ رامیرو نے شہزادی کی دونوں شرطیں مسترد کر دیں اور ڈون کو پیغام بھیجا کہ قیدی فرننڈو اب موت کے اندھیرے سے باہر نہیں آسکتا اور کسٹائل والوں کی خودسری کے لیے ہمارے پاس تلوار کے سوا کوئی انعام نہیں ہے، رہ گئی شہزادی انفنٹا تو وہ ہمارا نہیں ڈون کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ اُس سے فتح کا حق وصول نہیں کرے گا تو یہ اُس کی کمزوری ہوگی، کسٹائل کے ساتھ اب کسٹائل کی شہزادی بھی اُسی کی ملکیت ہے۔

رامیرو کے اس پیغام نے کسٹائل کے باشندوں کو اور مشتعل کر دیا۔ اُن کے تجربہ کار سرداروں نے فیصلہ کیا کہ لیون کے خلاف عبدالرحمٰن الناصر کی امداد حاصل کی جائے۔ اُن کے نزدیک نہ صرف ہسپانیہ بلکہ پورے یورپ میں قرطبہ کی حکومت ہی وہ فیصلہ کن طاقت تھی جو اپنی اقبال مندی اور عدل گستری کے باعث پڑوسی ملکوں اور ریاستوں کے باہمی جھگڑے غیر جانبداری سے فیصل کر سکتی تھی۔ عبدالرحمٰن الناصر خصوصاً عورتوں کی بے عزتی اور بے حجابی سخت ناپسند کرتا تھا اور اہلِ لیون کا سب سے بڑا جرم یہی تھا۔ اُن کے فوجیوں نے کسٹائل کی عورتوں کو بے حجاب اور رسوا کیا تھا۔ اُنھیں وحشیانہ تفریح کا ذریعہ بنایا تھا کسٹائل کے لوگوں کو یقین تھا کہ جب قرطبہ کے دربار میں اُن کا استغاثہ پہنچے گا عبدالرحمٰن الناصر

Marfat.com

مظلوموں کی حمایت کرنے سے دریغ نہیں کرے گا اور وہ بہت جلد عرب سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپیں سُن لیں گے مگر وہ شہزادی انفسٹا کے مشورے کے بغیر کوئی قدم اُٹھانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ڈون اپنے باپ کا پیغام سُن کے سخت پریشان ہو گیا تھا۔ شہزادی انفسٹا نے اُس سے محبّت کا جو ثبوت طلب کیا تھا، وہ خطرے میں پڑ گیا اور جب تک ڈون وہ ثبوت فراہم نہ کرتا، اپنی محبوبہ کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے باپ سے مِل کے رُو بہ رُو گفتگو کرے گا۔ ڈون کو پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ کسٹائل کے لوگوں کی رائے برگشتہ ہو چکی ہے۔ وہ نواب فرنڈو کے سوا کسی دوسرے کا حکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اب اسے خود بھی حکومت اور محبّت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔

کسٹائل کے شاہی محل میں اُس نے شہزادی سے ایک طویل ملاقات کی اور اُسے بتایا کہ وہ اپنے باپ سے ملنے کے لیے لیون جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہو جائے۔ مگر وہ اُنھیں رضامند کرنے کی ہر تدبیر پر عمل کرے گا۔ اُس نے کہا، اگر وہ واپس نہ آسکا تو شہزادی کو سمجھ لینا چاہیے کہ نواب فرنڈو کی طرح اُسے بھی لیون کے بدترین اور منحوس قید خانے میں محبوس کر دیا گیا ہے۔

شہزادی نے اس سے زیادہ باتیں نہیں کیں۔ وہ خاموش اور پُر سکون تھی، مگر رخصت سے قبل اس نے ایک سوال کر کے ڈون کو ششدر کر دیا۔ "ڈون! یاد ہے۔ جب ہم نادار میں ملے تھے تو تم نے کہا تھا کہ ہماری محبّت صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ لیون اور کسٹائل کو متحد کر کے دونوں کی نفرت کا رُخ قرطبہ کی طرف موڑ دیا جائے۔ عرب دونوں ریاستوں کے دشمن ہیں مگر میں تم سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ قرطبہ کے سلطان کے متعلق تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟"

ڈون نہیں جانتا تھا کہ شہزادی کے اس سوال کا مقصد کیا ہے مگر اُس کی محبّت اور دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنی محبوبہ کو کسی غلط فہمی میں نہ رکھے اور صحیح رائے کا اظہار کرے

اُس نے ٹھیرے ہوئے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ "انفسٹا! جب ناوار ہیں ہم پہلی بار ملے تھے اور میں نے عربوں کے خلاف لیون اور کسٹائل کے اتحاد کی تجویز پیش کی تھی تو اس تجویز کا مقصد تمہارے حصول کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں جانتا تھا میرے والد یا تمہارے والد میں سے کوئی بھی اس تجویز کی مخالفت نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ دونوں صرف نام وری کے لیے عربوں کے خلاف جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر دونوں میں سے کوئی بھی تنہا کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ قرطبہ کی حکومت یورپ کی سب سے بڑی طاقت ہے اور اس سے جنگ کرنا خودکشی کا دوسرا نام ہے۔ رہی عبدالرحمٰن الناصر کے متعلق میری ذاتی رائے تو میں اسے ایک بہادر، عادل اور رعایا کا خیر خواہ شخص سمجھتا ہوں۔ وہ مذہب و ملّت کی تفریق کے بغیر سب سے انصاف کرتا ہے اور مظلوموں کی حمایت کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتا ہے۔"

شہزادی نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "ڈون! اگر تمہاری رائے درست ہے، تو اب تم بے فکر ہو کے لیون جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر میرے والد کی طرح تمہیں بھی کسی تنگ، سرد اور تاریک قید خانے میں پھینک دیا گیا تو میں تم دونوں کو وہاں سے نکال لاؤں گی۔"

ڈون نے محبت کے جوش سے مغلوب ہو کر شہزادی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور اس کے یاقوتی ہونٹوں کو طویل داد دی۔ شہزادی نے کوئی مزاحمت نہیں کی کیوں کہ ان کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے اور اس مرتبہ وہ پھر ایک نئے عزم کے ساتھ رخصت ہو رہے تھے۔ ڈون نے شہزادی کو الوداع کہا اور اپنے محافظ سواروں کے جلو میں لیون روانہ ہو گیا۔ برف پوش چوٹیوں پر چمکتے سورج نے اسے کسٹائل سے نکلتے دیکھا اور شاہی محل میں شہزادی کے خاص کمرے کا دریچہ بند ہو گیا۔ شہزادی پلٹی تو ایک خادمہ کمرے میں موجود تھی۔ وہ کسٹائل کے سرداروں کے قائد کی ملاقات کے لیے اجازت لینے آئی تھی۔ شہزادی نے اسے فوراً طلب کر لیا۔ سرداروں کا قائد نواب فرننڈو کی رہائی اور کسٹائل کی آزادی کے لیے عبدالرحمٰن الناصر سے امداد کی تجویز لے کر آیا تھا۔ شہزادی کچھ دیر تک اس سے گفتگو کرتی رہی۔ اسے بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن الناصر ناوار کی ملکہ تھیوڈا پر بہت

اعتماد کرتا ہے۔ اس لیے اگر ملکہ کی سفارش حاصل کر لی جائے تو کسٹائل کو قرطبہ سے امداد مل سکتی ہے۔ شہزادی نے سرداروں کے قائد کو فوراً نادار روانہ کر دیا۔ اُسے یقین تھا کہ ملکہ تھیوڈا اس مشکل کا وقت میں ضرور کسٹائل کے کام آئے گی۔

کسٹائل میں رامیرو کے تسلط کے خلاف آزادی کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ لوگوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ نواب فرننڈو کے بے جان مجسمے کو اپنا آقا تسلیم کر سکتے ہیں لیکن لیون کے کسی شخص کو حکمران نہیں مان سکتے۔ دوسری طرف شہزادہ ڈون لیون کے دربار میں پیش ہوا۔ اُس نے نواب فرننڈو کی رہائی کی سفارش کی۔ اُس کا باپ رامیرو غیظ و غضب میں دیوانہ ہو گیا۔

"ڈون! ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے نادان نکلو گے۔ اور اس دشمن کی رہائی کا مطالبہ کرو گے جسے تمہاری جان لینے میں بھی کوئی دریغ نہیں تھا۔ غور سے سن لو، اگر تم کسٹائل کے معاملات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تو تمہاری جگہ ہم شہزادہ سانکو کو کسٹائل کی حکومت بخش دیں گے اور وہ کسٹائل کے ساتھ شہزادی انفسٹا کا مالک بھی قرار پائے گا کیونکہ انفسٹا ایک مفتوحہ ریاست کی شہزادی ہے۔"

ڈون کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر پہنچ گیا۔ اُس نے جوش سے کہا۔ "آپ کسٹائل کی حکومت جسے چاہیں بخش دیں لیکن شہزادی انفسٹا میری محبت، میری عزت، میری زندگی ہے سانکو کو اُس کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے میری تلوار سے مقابلہ کرنا ہوگا۔"

شہزادہ سانکو لیون کے سابق بادشاہ اور ملکہ تھیوڈا کا بیٹا تھا۔ ملکہ تھیوڈا اپنے شوہر کی وفات کے بعد تخت نشینی کے جھگڑوں سے تنگ آ کر نادار چلی گئی تھی اور اپنے بھائی کی وفات کے بعد ریاست نادار کی ملکہ بن گئی۔ پھر جب لیون کے تخت پر رامیرو نے قبضہ

Marfat.com

رکیا تو ملکہ تھیوڈا سے اس کے اختلاف اور گہرے ہو گئے لیکن اس کا بیٹا شہزادہ سانکو بدستور لیون میں رہا۔ اُس نے رامیرو کی اطاعت قبول کر لی تھی اور جنگوں میں اس کے شانہ بشانہ شریک ہوتا تھا۔ اب کسٹائل کا جھگڑا سامنے آیا تو رامیرو نے یہی مناسب سمجھا کہ بیٹے کی جگہ اپنے بھتیجے سانکو کو مفتوحہ ریاست کا حاکم بنا دے۔ شہزادہ سانکو کسٹائل کی حکومت سنبھالنے کے لیے فوراً آمادہ ہو گیا لیکن وہ شہزادی انفسٹا سے کوئی سروکار رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے شاہ رامیرو کے سامنے تجویز پیش کی کہ اگر وہ نواب فرنڈو کو رہا کرنا مناسب نہیں سمجھتا تو شہزادی انفسٹا کو بھی لیون طلب کر لے کیوں کہ اس کی موجودگی میں کسٹائل کے معاملات کبھی درست نہیں ہو سکتے۔ ایک اطلاع کے مطابق کسٹائل کے باغیوں کی اصل رہنما وہی تھی۔ ڈون نے چیخ کے کہا کہ اگر شہزادی کو اُس کی مرضی کے بغیر لیون لایا گیا تو وہ بغاوت کر دے گا۔

شاہ رامیرو نے محسوس کیا کہ کسٹائل کے جھگڑے کی اصل جڑ نواب فرنڈو ہے۔ نواب اس کی تخت نشینی کے وقت سے مسلسل فساد آرائی کر رہا تھا۔ اُس نے لیون کے اقتدار کے خلاف ہمیشہ تلوار بلند کی اور ہر وقت خانہ جنگی پر آمادہ رہا۔ اُس نے ڈون کو دھوکے سے گرفتار کیا اور اب اگرچہ خود گرفتار ہو گیا تھا لیکن اس کا وجود رامیرو کے لیے بے سکونی کا باعث بنا ہوا تھا۔ رامیرو نے عزم کر لیا کہ وہ کسٹائل کا جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ خود اُس کا بیٹا یہ فیصلہ قبول کرتا ہے یا نہیں۔ وہ نہایت خوفناک انداز میں تخت سے اُٹھا اور درباریوں سے مخاطب ہو کے کہنے لگا۔

"کیا کوئی شخص ہمیں بتا سکتا ہے کہ فرنڈو نے ہمارے ساتھ دشمنی کے سوا کبھی دوستی کا سلوک کیا ہو؟"

درباریوں میں سے کوئی شخص بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکا۔ سب کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ فرنڈو لیون کا بدترین دشمن ہے اور ہمیشہ تلوار کی نوک سے گفتگو کرتا ہے۔ رامیرو نے اعلان کر دیا۔ "ہم بھی اب تلوار ہی استعمال کریں گے۔ ایسٹر کی مبارک تقریب کے

Marfat.com

روز کسٹائل کے معزول نواب فرننڈو کا سر قلم کردیا جائے گا۔"

دربار میں سناٹا چھا گیا۔ شاہ رامیرو درباریوں کو ششدر چھوڑ کے وہاں سے رخصت ہوگیا۔ لیون کے سرداروں کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ فرننڈو کا انجام کیا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو معاف کرنے کے قائل نہیں تھے۔ اُن کے نزدیک فرننڈو کو اسی روز ختم کر دینا چاہیے تھا۔ جب وہ پہلی بار ایک قیدی کی حیثیت میں رامیرو کے حضور پیش کیا گیا لیکن اب اُس کا قتل یقیناً شہزادہ ڈون کو بغاوت پر آمادہ کرسکتا تھا۔ ڈون فرننڈو کی بیٹی سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا اور اس کی رہائی کی سفارش بن کے آیا تھا۔

درباریوں نے رخصت ہونے سے پہلے ڈون کو دیکھا۔ ڈون شدید غصّے کی تصویر بنا ہُوا تھا۔ اُس کے باپ نے اس کی سفارش ہی مسترد نہیں کی بلکہ نواب کے قتل کا حکم صادر کرکے یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ لیون کا ولی عہد کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

بہت اچھا۔ اُس نے سوچا، وہ اپنے باپ کو بہت جلد اپنی حیثیت سے آگاہ کر دیگا۔ اُسی لمحے ایک ہاتھ نے نرمی سے اُس کے کندھے پر دباؤ ڈالا۔ ڈون نے پلٹ کے دیکھا شہزادہ سانکو اس کی پشت پر کھڑا تھا۔ وہ دونوں دربار میں تنہارہ گئے تھے۔

"ڈون! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کوئی غلط قدم نہ اُٹھانا۔"

"مگر نواب فرننڈو کے قتل کا فیصلہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ اس فیصلے سے میری سخت توہین ہوئی ہے۔ مجھے بھرے دربار میں ذلیل کیا گیا ہے۔ اب میں انفسا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔" ڈون ناقابلِ بیان اذیت سے دوچار تھا اور ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے

مگر کوئی نہ کوئی فیصلہ بہرحال کرنا تھا۔ ایسٹر کی تقریب میں صرف ایک مہینہ رہ گیا تھا اور اُس کے پاس قسمت آزمائی کے لیے گنتی کے دس دن باقی تھے۔

سانکو نے سرگوشی میں کہا۔ "ڈون! اگر ہمت کرسکو تو قید خانے کا محاصرہ کرو اور نواب فرننڈو کو موت کے زمین دوز اندھیرے سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لو۔ تمہارا مدعا پورا ہو جائے گا تو تم اپنے والد سے مصالحت کی گفتگو کرسکتے ہو۔" ڈون کی

Marfat.com

آنکھوں میں ایک نئے عزم کی چمک نمودار ہوئی۔

ملکہ تھیوڈا کی سفارش کے ساتھ شہزادی انفسٹا نے عبدالرحمٰن الناصر کو یہ پیغام روانہ کیا۔

"محترم سلطان! آپ بے نواؤں کی نوا سنتے اور مظلوموں کی حمایت کرتے ہیں۔ میرے والد کسٹائل کے حقیقی والی نواب فرننڈو آج کل لیون کے شاہ رامیرو کی قید میں ہیں۔ لیون کے شاہ نے انہیں کسٹائل پر حملہ کر کے گرفتار کر لیا تھا۔ بزرگ سلطان! کنیز جانتی ہے کہ نواب فرنڈو آپ کے دشمن ہیں مگر ان کی اسیری کے بعد کنیز باپ کی شفقت سے محروم ہو گئی ہے اور اب آپ کو ان کے مقام پر تصور کر کے التجا کرتی ہے کہ آپ ایک بے سہارا بیٹی کے سر پر شفقت کا سایہ کیجئے اور میرے مظلوم والد کو اس موت سے نجات دلایئے جو ایسٹر کی تقریب پر ان کے لیے مقرر کر دی گئی ہے۔ میرا پیغامبر بعض تفصیلات زبانی گوش گزار کرے گا۔ آخر میں صرف یہ عرض کروں گی کہ ایک بیٹی نے اپنی فریاد باپ کے کانوں تک پہنچا دی ہے اور اس کا دل اس یقین سے لبریز ہے کہ سلطان کی طرف سے مدد ضرور آئے گی"

آپ کی بیٹی شہزادی انفسٹا آف کسٹائل

ناممکن تھا کہ ایک بیٹی کا پیغام باپ کے دربار میں پہنچے اور وہ تڑپ نہ اٹھے۔ عبدالرحمٰن الناصر نے اسی وقت اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ وہ فوراً لیون کی طرف سپاہ روانہ کرے اور نواب فرنندو کو قید سے نجات دلائے۔ اس نے سپہ سالار کو یہ ہدایت بھی کر دی کہ یہ مہم ایسٹر

Marfat.com

سے پہلے کامیابی کے ساتھ مکمل ہوجانی چاہیے تاکہ نواب کے قتل کا فیصلہ عملی جامہ نہ پہن سکے۔ شہزادی انفسٹا کے قاصد کو اُس نے اس جواب کے ساتھ رخصت کر دیا کہ "ایک بیٹی نے باپ کو جو درخواست بھیجی ہے، اُس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ درخواست کا عملی جواب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی"۔

قاصد نے کسٹائل کے شاہی محل میں حاضر ہو کے شہزادی انفسٹا کو قرطبہ کے دربار کی روداد اور سلطان کی پدرانہ شفقت کی کہانی سنائی۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ عرب لشکر اُس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو چکا ہے۔ اپنی درخواست کی اس قدر پذیرائی پر شہزادی کی آنکھوں میں آنسو تیر نے لگے۔ اُس نے بھاگ کر اپنی ماں کو یہ مژدہ سنایا۔ اُس کی ماں کی نظر بندی ختم کر دی گئی تھی۔

عرب لشکر پہنچنے کی خبر پَر لگا کر رامیرو تک پہنچ گئی۔ وہ جانتا تھا کہ کسٹائل کے لوگ عربوں کے دشمن ہیں لیکن اس موقع پر نواب کی رہائی کے لیے وہ یقیناً عربوں کا ساتھ دیں گے اور ہو سکتا ہے، لیون کے خلاف عربوں کے ساتھ کوئی فوجی معاہدہ بھی کر لیں۔ اس تمام کارروائی میں ناوار کی ملکہ تھیوڈاتے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ عربوں کے حملے کی صورت میں رامیرو ناوار کی مدد سے بھی محروم ہوگا۔ رامیرو نے حالات کی اس بھیانک صورتِ حال پر غور کیا تو اُس کے دِل پر پہاڑوں کا بوجھ آپڑا۔ وہ مخالفت کے اِن طوفانوں میں عربوں سے لڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کسٹائل اور ناوار کے علاوہ خود اُس کا ولی عہد ڈون اس کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ ڈون، نواب فرننڈو کو زیر زمین قید خانے سے رہا کرانے کی کوشش میں ناکام ہو کے درّوں کی طرف بھاگ گیا تھا۔ نواب فرنڈو کی موت کے اعلان کے ساتھ ہی قید خانے پر فوج کا زبردست پہرا لگا دیا گیا تھا۔ اب ڈون پہاڑی علاقوں میں اپنی علیحدہ جمعیت فراہم کر رہا تھا۔ رامیرو کو اپنے ناراض بیٹے کی سرکشی کا بھی سامنا تھا۔

حالات بے حد حوصلہ شکن تھے اور اُنہیں سلجھانے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ رامیرو پشت پر ہاتھ باندھے بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ سوچتے سوچتے وہ اچانک ایک جگہ ساکت ہو گیا۔ اس کے ذہن میں عجیب تدبیر آئی۔ اُس نے سوچا کہ جب وہ عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا

Marfat.com

تو کیوں نہ نواب فرنڈو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے اور اُسے عربوں کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے اپنا دوست بنا لے - اس تدبیر پر عمل کر کے وہ عربوں اور مقامی ریاستوں کے درمیان نفرت کی پرانی دیوار بدستور قائم رکھ سکتا تھا - یہ ایک اندھی چال تھی اور اسے شبہ تھا کہ نواب فرنڈو حالات کا بدلتا ہوا رُخ دیکھ کے شاید اُس کی پیش کش قبول نہ کرے لیکن اُسے یاد آیا کہ قبر جیسے تنگ و تاریک قید خانے میں نواب کو یہ خبر کیسے پہنچ سکتی ہے کہ عرب لشکر محض اُس کی رہائی کے لیے روانہ ہو چکا ہے -

لومڑی کی طرح چالاک اور عیار رامیرو نے فوراً فرنڈو سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا اُسی روز زمین دوز قید خانے میں نواب فرنڈو کی قبر نما تاریک کوٹھڑی کا دروازہ کھلا - سپاہی قیدی کو لے کر باہر نکلے - اس ملاقات کا اہتمام قید خانے ہی کے ایک گوشے میں کیا گیا تھا کیونکہ رامیرو اپنے دُشمن کو اس وقت تک سورج کی روشنی دکھانے کے لیے تیار نہیں تھا جب تک وہ اس کی شرط قبول نہ کر لے -

نواب تنہائی کی اس اذیت ناک قید میں بے حد کمزور ہو چکا تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو - اس کے باوجود اُس نے حالات کے سامنے ابھی تک شکست تسلیم نہیں کی تھی - شاہ رامیرو نے ایک نیم تاریک گوشے میں نہایت سرد مہری سے اُس کا خیر مقدم کیا اور بتایا کہ اگر وہ دو باتوں پر رضا مند ہو جائے تو اُسے رہائی نصیب ہو سکتی ہے - گفتگو کے دوران رامیرو کا رویہ انتہائی مصالحت آمیز تھا - نواب خاموشی سے اُس کی باتیں سنتا رہا - رامیرو نے یہ شرائط پیش کیں :-

۱- کسٹائل لیون کا باج گزار رہے گا اور لیون کا شاہ اُس کا اعلا حکمران ہو گا -

۲ - نواب اپنی بیٹی انفشا کی شادی شہزادہ ڈون سے کرے گا اور ریاست کسٹائل بیٹی کے جہیز میں لکھ دے گا -

رامیرو کی عیاری کے مقابلے میں نواب نے بھی کچھ عیاری ضروری سمجھی - اُس نے کہا کہ وہ کسٹائل کا خود مختار حکمران ہو گا اور اسی شرط پر اپنی بیٹی کی شادی ڈون سے کر سکتا ہے کسٹائل کی ریاست شہزادی کے جہیز میں نہیں لکھی جائے گی - گویا رامیرو اپنے مقصد

Marfat.com

ہیں کامیاب ہوا۔ اُس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ " نواب فرنڈو! ہمیں آپ کی خود مختاری کی شرط منظور ہے لیکن یہ وعدہ کیجئے کہ آپ لیون کا خیر خواہ رہے گا اور دشمن کے خلاف اس کے شانہ بہ شانہ لڑے گا۔"

فرنڈو نے یہ بات منظور کر لی اور لیون کی خیر خواہی کا اقرار کیا۔ اُسی وقت زمین دوز قید خانے کے دروازے کھل گئے اور رامیرو فرنڈو کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے باہر نکلا۔ وہاں سے وہ دونوں شاہی محل پہنچے۔ محل میں انھوں نے صلح کے معاہدے پر دستخط کیے۔ معاہدے کی رُو سے کسٹائل کی آزاد حیثیت تسلیم کر لی گئی اور ڈون کے ساتھ شہزادی انفسٹا کی شادی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ صلح رامیرو کی سیاسی کامیابی تھی۔ اُس نے فرنڈو سے دوستی کر کے عرب یلغار بے مقصد بنا دی اور ڈون کے علاوہ شہزادی انفسٹا کی خوشنودی بھی حاصل کر لی۔ اس معاہدے کی تشہیر ہوئی تو عرب لشکر دریائے تاگوس کے کنارے رُک گیا۔ شاید اس کی روانگی کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

نواب فرنڈو کی رہائی اور کسٹائل میں واپسی ایک یادگار واقعہ تھا۔ کسٹائل کے لوگوں نے ایسے جوش و خروش سے اُس کا استقبال کیا جیسے وہ کسی قید خانے سے رہا ہو کر نہیں بلکہ کوئی عظیم الشان قلعہ فتح کر کے لوٹا ہو۔ فصیلِ شہر سے شاہی محل تک طویل راستے میں دونوں طرف سَر ہی سَر نظر آ رہے تھے۔ نعروں سے پورا شہر گونج رہا تھا۔ فرنڈو کی راہ گزر میں ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک پھول بچھے تھے۔ مکانوں کے دریچوں سے فرنڈو پر سکّے، زیور اور پھول نچھاور کیے جا رہے تھے۔ کسٹائل میں کئی روز تک جشن کا سماں رہا۔ رات کو چراغاں ہوتا تھا اور دن کو پھریرے لہراتے تھے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نواب فرنڈو کا شمار عربوں کے بدترین دشمنوں میں ہوتا تھا لیکن شاہی محل پہنچ کر جب اُسے اپنی رہائی کے سلسلے میں شہزادی انفسٹا اور سرداروں کی کوششوں کا علم ہوا تو یہ حقیقت اُس کے سامنے آ گئی کہ رامیرو نے محض عرب لشکر کے خوف سے اُسے رہا کیا اور فریب سے صلح کے معاہدے کا پابند بھی بنا لیا ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے اُس کے لیے یہ امر نہایت تکلیف دہ ہو گیا کہ وہ اپنی بیٹی ایک دشمن

خاندان میں بیاہنے پر مجبور ہے۔ لوگ اُسے یہ طعنہ دے سکتے تھے کہ اُس نے اپنی رہائی بیٹی کے عوض خریدی ہے لیکن صرف یہ حقیقت اس تکلیف کا احساس کم کر دیتی تھی کہ شہزادی انفشا ڈون سے محبت کرتی ہے۔ کسٹائل کے لوگ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ مسرت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مصیبت کے ایام میں عبدالرحمٰن الناصر نے دشمن ہونے کے باوجود اُس کی بیٹی کو اپنی بیٹی بنا لیا تھا اور انفشا کی درخواست پر جو کارروائی کی تھی وہ ایک حقیقی باپ کی غیرت کا اظہار تھا۔ فرنڈو نے محسوس کیا کہ عبدالرحمٰن نے ایک ایسی بازی جیت لی ہے جس کے سامنے شہروں اور قلعوں کی فتوحات ہیچ ہیں۔

دونوں ریاستوں کے باشندے روز روز کی چپقلش سے تھک چکے تھے۔ جنگ نے خوف و ہراس کی جو گھٹا ایک زمانے سے اُن پر مسلط کر رکھی تھی اب وہ بتدریج چھٹ رہی تھی۔ فرنڈو کی رہائی اور چھوٹی انفشا کی ہونے والی شادی کی خبر نے کسٹائل کے لوگوں میں لیون کی فوجوں کے لگائے ہوئے زخم بڑی حد تک مندمل کر دیئے تھے۔ چند روز بعد حالات معمول پر آئے تو دونوں ریاستوں میں ڈون اور انفشا کی شادی کے انتظامات ہونے لگے۔ اس طرح کسٹائل میں اُس جشن کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا جو اب فرنڈو کی واپسی پر برپا ہوا کسٹائل کے علاوہ لیون میں بھی دن رات میلا سا لگا رہنے لگا۔ دکانیں قیمتی ملبوسات سے اور باغ پھولوں سے خالی ہوتے جا رہے تھے۔ شادی کی تاریخ سے چند روز قبل شہزادہ ڈون اپنی حسین محبوبہ کو لینے کے لیے نہایت دھوم دھام سے کسٹائل کی طرف روانہ ہوا۔ برات کے لمبے جلوس میں ڈون کا عربی گھوڑا سب سے زیادہ سجا ہوا تھا۔

جب آرزوؤں کا یہ قافلہ ریاست کسٹائل کی سرحد میں داخل ہوا اُسے پورے شاہانہ اعزاز کے ساتھ شہر لایا گیا۔ فصیلِ شہر کے دروازے پر نواب فرنڈو اور بڑی انفشا نے بہ نفسِ نفیس اپنے ہونے والے داماد کا استقبال کیا۔

لوگ یہ عجیب منظر حیرت سے دیکھ رہے تھے کیوں کہ ڈون وہی شخص تھا جسے فرنڈو نے اپنے زنداں میں ڈال دیا تھا۔ کسٹائل کے لوگوں کا خیال تھا کہ شاہ رامیرو خیر سگالی کے اظہار کے طور پر برات کے جلوس میں خود موجود ہوگا مگر ڈون کو تنہا دیکھ کے

Marfat.com

اُنہیں مایوسی ہوئی۔ نواب فرنٹڈ اور ملکہ کو بھی اپنے لوگوں کے سامنے سبکی محسوس ہوئی لیون کے وزیر نے شاہ رامیرو کی اچانک علالت کا بہانہ بنا کے اُن کا تکدّر دُور کرنے کی کوشش کی مگر رامیرو اگر علیل ہو گیا تھا تو شادی کی تاریخ بڑھانے کا فیصلہ بھی تو کر سکتا تھا

ریاست کسٹائل کے عظیم الشان قصر میں زرنگار کرسی پر بیٹھا لیون کا شہزادہ ڈون اپنی دلہن کی رونمائی کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ دونوں ریاستوں کے درباری امراء، حکام اور فوج کے بڑے بڑے سردار اُس کے اطراف بیٹھے تھے۔ سب سے اونچی کرسی پر فرنٹڈ جلوہ افروز تھا۔

پہلے ڈون کی نظر ملکہ تھیوڈا پر پڑی۔ ملکہ دلہن کو سہارا دیے آہستہ آہستہ دولہا کی طرف لا رہی تھی۔ شہزادی کا حسن وجمال دیکھ کے براتیوں کی آنکھیں دنگ رہ گئیں دلہن شہزادی گلابی عبا پہنے تھی۔ سر پر سونے کا چمکتا ہوا تاج رکھا تھا۔ ملکہ اور دلہن کے عقب میں شہزادی کی ماں باوقار انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ شہزادی کو ایسی احتیاط سے ڈون کے پہلو میں رکھی کرسی پر بٹھایا گیا جیسے ذرا بھی ٹھیس لگی تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ پھر کسٹائل کے سب سے بڑے پادری نے دو دشمن خاندانوں کے دولھا اور دلہن کو ازدواجی رشتے میں منسلک کر دیا۔ ہر سمت سے مبارک سلامت کا شور بلند ہوا اور اتنے پھول نچھاور کیے گئے کہ شہزادی اور شہزادہ اُن میں چھپ گئے۔

روایت کے مطابق دولہا کو چند دن اپنی سسرال میں قیام کرنا چاہیے۔ مگر کسٹائل کے لوگوں کے دلوں پر اُس وقت اوس پڑ گئی جب نکاح اور شاہی طعام کے فوراً بعد شہزادہ ڈون نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ نواب فرنٹڈ اور ملکہ نے اُسے شکایتی نظروں سے دیکھا لیکن ڈون اپنے باپ شاہ رامیرو کے حکم کے مطابق فوراً واپسی کے لیے مجبور تھا۔ چنانچہ چراغ جلنے سے پہلے کوچ کا بگل بج گیا۔ نواب فرنٹڈ اتنا برگشتہ ہوا کہ اُس نے اپنی دلہن بیٹی کو روکنے کا فیصلہ کر لیا مگر ملکہ تھیوڈا اور ملکہ انفنٹا نے اُسے تحمّل کا مشورہ دیا۔ لیون کی فوجوں کی یلغار سے نواب فرنٹڈ کے فوجی

نظم ونسق کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ وہ اس موقع پر شاہ رامیرو سے کسی قسم کی عداوت کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ چنانچہ نواب کو بادلِ ناخواستہ اپنے داماد اور بیٹی کو فصیلِ شہر تک رخصت کرنے کے لیے آنا پڑا۔ وداع کا منظر بہت دلگداز تھا۔ نواب کا سر جھکا ہوا تھا، ملکہ انفنٹا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ واپسی کا قرنا پھونکا جا چکا تھا۔ شہزادی بے اختیار اپنے اُداس باپ سے چمٹ گئی اور ننھی بچیوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ نواب نے اُس کی کمر تھپ تھپائی اور اس کے آنسو پونچھے۔ "جاؤ، خداوند تمہارا نگہبان ہے"۔ نواب فرننڈو نے شکستہ آواز میں کہا۔

بیٹی نے رخصت ہوتے وقت باپ سے ایک بات کہنا ضروری سمجھی۔ وہ رُندھی ہوئی آواز سے بولی "میں آپ کی عزت کو تماشا بنانے کا تصور تک نہیں کر سکتی"۔

نواب کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اُس نے مسکرا کے صرف اتنا کہا "ڈون اب ہمارا فرزند ہے۔ جاؤ، ایک حسین زندگی تمہاری منتظر ہے"۔

لیون کے شاہ رامیرو نے پورے طمطراق سے مسلح دستوں کے ساتھ شہر سے باہر آکے برات کا استقبال کیا۔ اُس نے اپنی بہو شہزادی انفنٹا کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور بے شمار قیمتی تحائف سے نوازا۔ پھر خود اپنی معیت میں اُسے شاہی محل لے گیا۔ دلھن کی شبِ عروسی کے لیے محل کا سب سے شان دار گوشہ منتخب کیا گیا تھا۔ شہزادہ ڈون راستے بھر شہزادی کے ساتھ رہا تھا۔ شہزادی کو دیکھ کر اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اُس نے ساری دنیا فتح کر لی ہو۔ سفر میں اُسے اپنی شدتوں کے اظہار

کا موقع نہیں مل سکا لیکن یہ کیا کم تھا کہ اُس کی محبوبہ اس کے قریب تھی۔ لیون پہنچتے ہی وہ بے شمار سہانی راتوں کا مالک ہو گیا تھا۔ اُس کے لب، اس کے بازو شہزادی کو داد حسن دینے کیلئے پھڑک رہے تھے اور اب کچھ دیر نہیں تھی۔

عروسی جوڑے میں ملبوس شہزادی اپنے شہزادے کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اس کی نظریں دروازے پر جمی تھیں۔ یکایک ریشمی پردوں میں ہلچل ہوئی۔ شہزادی کے رخسار انار کی طرح لال ہو گئے۔ مگر جیسے ہی اُس نے سر اُٹھایا اناروں کا رنگ اُڑ گیا۔ آنے والا اس کا شوہر نہیں بلکہ شاہ رامیرو تھا۔ شہزادی نے اُسے تعظیم دی۔ شاہ رامیرو کی افسردہ آواز ایوان میں گونجنے لگی۔

"ہمیں معلوم ہے انفنٹا! تمہیں اس وقت ڈون کا انتظار ہو گا مگر ہم افسوس کے ساتھ تمہیں خود یہ اطلاع دینے آئے ہیں کہ شہزادے کو ہم نے لیون کی افواج کے ساتھ ایک اہم اور ضروری مہم پر روانہ کر دیا ہے۔ کچھ دیر ہوئی ہمارے مخبروں نے ہمیں یہ تشویش ناک اطلاع پہنچائی ہے کہ شمالی سرحد پر گڑبڑ ہو گئی ہے۔ تم جانتی ہو ریاست اور حکومت کے معاملات تمام جذبات سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے، شہزادہ ڈون کامیاب و کامران ہو کر بہت جلد واپس آجائے گا۔"

شہزادی کا ماتھا ٹھنکا۔ شاہ رامیرو فوراً واپس چلا گیا۔ شہزادی نے اتنی عمر صرف پھول سونگھنے، ساز بجانے اور بدن پر رنگا رنگ ملبوسات سجانے میں نہیں گزاری تھی۔ شاہ رامیرو کے لفظوں میں چھپی ہوئی تلخی اُس کے بدن میں گھل گئی۔ چھوٹی انفنٹا نے پوری استقامت سے اپنے خسر کا یہ فیصلہ سنا اور اپنے کسی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کا رتبہ ایک شہزادی کا نہیں ہے اور وہ نواب فرننڈو کی بیٹی نہیں ہے۔

ہفتے گذر گئے، ڈون واپس نہیں آیا۔ شاہ رامیرو اپنی بہو کو سامنے بٹھا کے چہرے کے رنگ دیکھتا رہا اور اُسے ڈون کی مہم جوئیوں کی اطلاعات پہنچاتا رہا۔ شہزادی ہر رات عروسی جوڑا پہن کے شہزادے کا انتظار کرتی رہی۔ محل میں دنیا بھر کی چیزیں

Marfat.com

میتر تھیں، صرف ڈون نہیں تھا اور ڈون کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔ ریاست لیون میں زندگی معمول پر تھی۔ شاہی محل میں بھی شمالی سرحدوں پر ہونے والی گڑبڑ پر کوئی خاص تشویش نہیں پائی جاتی تھی۔ البتہ سلطان عبدالرحمٰن الناصر کی بڑھتی ہوئی فتوحات اور قرطبہ کی عظمت و شوکت کی داستانیں محل میں بہت تجسس اور تردد سے سُنی جاتی تھیں اور ڈون نہیں آنے پاتا تھا۔ جلد ہی شہزادی کو اندازہ ہو گیا کہ اُس کا خسر شاہ رامیرو اپنے ولی عہد بیٹے اور بہو کے لیے کس قسم کے جذبات رکھتا ہے۔ اُس کے بیٹے نے فرننڈو کے لیے اپنے باپ کے خلاف سرکشی کی تھی اور وہ خود اس کے دشمن نو اب فرننڈو کی بیٹی تھی۔ فرننڈو نہ صرف زندہ تھا بلکہ ریاست کسٹائل کے تخت پر بیٹھا اپنی بکھری ہوئی فوجیں دوبارہ منظم کر رہا تھا۔ شاہ رامیرو نے جو قید خانہ خاص طور پر فرننڈو کے لیے بنوایا تھا، وہ خالی پڑا تھا۔ اُس نے فرننڈو کو آزاد کرتے وقت جتنا اپنا دماغ وسیع کیا، دل اتنا کشادہ نہیں کیا تھا۔ اب نواب فرننڈو کی بیٹی اس کے محل میں تھی۔ وہی لڑکی جس نے اپنے باپ کی آزادی کے لیے سلطان عبدالرحمٰن سے شکایت کی تھی اور ایک فاتح کا سر مفتوح کے سامنے جھکوایا تھا۔ وہ ڈون کو غیر ضروری معرکوں میں اُلجھا کے انفسٹا سے دُور کیے ہوئے تھا۔ شہزادی نے ان تلخ حقائق کے باوجود اپنے خسر کی تعظیم و تکریم میں کوئی کمی نہیں کی، اُسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن شاہ کے دل کا غبار ضرور چھٹ جائے گا۔ ڈون آخر کب تک دیاست سے دُور رہے گا اور کب تک شاہ کا نفس اس لذت سے آسودہ ہوتا رہے گا مگر یہ محض اُس کی خوش خیالی تھی۔ ڈون کو گئے کئی مہینے ہو گئے اور شاہ رامیرو کے لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

پھر اُس نے ایک دن بہو کے سامنے حیرت انگیز انکشاف کیا کہ اُسے ریاست لیون کے خلاف ملکہ تھیوڈا کی سازش کی خبر ملی ہے۔ شہزادی انفسٹا جانتی تھی کہ ایک طرف رامیرو نے ڈون کو ناوار کی سرحد پر اُلجھانے کا بہانہ تلاش کیا ہے اور دوسری طرف ناوار پر اپنی حکومت کا خواب پورا کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

Marfat.com

دوسرے ہی روز شاہ رامیرو نے دربار میں اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔ اُس نے لیون اور نادار کے حقوق و اختیارات کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ کسٹائل کے بعد نادار بھی اس کی بالادستی تسلیم کرلے اور وہ ساری شمالی پٹی پر قابض اور متصرف ہو کے فرانس اور اندلس کے درمیان حائل ہو جائے تاکہ یورپ کے سفیر قرطبہ پہنچنے کے لیے راہ داری کا پروانہ اُس سے حاصل کریں۔ دراصل وہ قرطبہ کا فرانس، روم، جرمنی اور قسطنطنیہ تک بڑھتا ہوا اثر و رسوخ روکنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اُس نے نادار کے خلاف سرحدی چھیڑ چھاڑ کا آغاز کر دیا تھا۔ تاکہ بات بڑھے اور اُسے نادار پر چڑھائی کرنے کا جواز مل جائے۔ شاہ رامیرو ملکہ تھیوڈا کی جگہ اُس کے بیٹے سانکو کو نادار کا حاکم بنانا چاہتا تھا تاکہ وہ کسی موقع پر کہیں لیون کے تخت کا دعویدار بن کے نہ اُبھرے۔ رامیرو کو اس بات کا بھی غم تھا کہ سلطان عبدالرحمٰن الناصر سے ملکہ تھیوڈا کے غیر رسمی مراسم کیوں ہیں؟

رامیرو نے نادار کے خلاف ایک سازش تیار کی اور اس میں ملکہ تھیوڈا کے بیٹے سانکو ہی کو مہرہ بنایا۔ شہزادی انفسٹا کو جب اس سازش کا علم ہوا تو اس نے پہلی بار عملی قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے اپنا ایک معتبر غلام نادار کی طرف دوڑایا۔ اور ملکہ تھیوڈا کو اُس حملے سے آگاہ کیا جو شہزادہ سانکو کی قیادت میں نادار پر ہونے والا تھا۔ شاید شاہ رامیرو اس بات سے آگاہ نہیں تھا کہ قرطبہ نے ریاست نادار کی حفاظت کا معاہدہ کر رکھا ہے۔

ملکہ کو جیسے ہی لیون میں ہونے والی سازش کی اطلاع ملی، اُس نے ایک تیز رفتار قاصد قرطبہ کی طرف روانہ کیا اور عبدالرحمٰن الناصر سے درخواست کی کہ اب اُس کے وعدے کے ایفا کا وقت آگیا ہے جو اُس نے ضرورت کے وقت نادار کی حفاظت اور امداد کے لیے کیا تھا۔

شاہ رامیرو کے خلاف کئی شکایات قرطبہ پہنچ چکی تھیں یہ پیغام ملتے ہی عبدالرحمٰن الناصر نے لیون پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے احکام جاری کر دیئے۔ سلطان نے اس

مہم کے لیے اپنے وفادار بہادر منتخب کیے۔ یہ وفادار بہادر اُس کے حکم پر جانیں لڑا دینا اپنے لیے فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ عبدالرحمٰن کا لشکر آندھی اور طوفاں کی طرح شمال کی طرف بڑھا۔

رامیرو نے ابھی نادار کے خلاف اپنی سازش کے خاکے میں عمل کا رنگ نہیں بھرا تھا کہ قرطبہ کے لشکر کی آمد کا غلغلہ اُٹھا۔ یہ لشکر لیون کے خلاف نبرد آزمائی کا عزم لے کے آ رہا تھا۔ رامیرو نے سانکو کی سرکردگی میں ایک جمعیت نادار سے ملحق شرقی سرحد پہ متعین کی اور خود لیون اور کسٹائل کی متحدہ فوجیں لے کے ٹالاویرا کے میدان کی طرف بڑھا تاکہ آگے نکل کے قرطبہ کی فوج کا راستہ روکے۔ اُدھر اُس نے ڈون کو مغربی سرحد سے میدانِ جنگ میں طلب کر لیا۔ لیون سے رخصت ہوتے وقت وہ شہزادی انفسٹا پر طنز کرنا نہیں بھولا۔

"شہزادی!" اس نے زہرخند سے کہا۔ "سلطان عبدالرحمٰن الناصر جنگِ خندق کے بعد خود کبھی میدانِ جنگ میں نہیں آیا۔ اس بار بھی اُمید نہیں ہے۔ ورنہ ہم اُس کا سر اپنے اپنے پرچم پر چڑھائے ہوئے لیون واپس آتے پھر بھی ہم ٹالاویرا سے تمہارے لیے اُس کے کسی بڑے سردار کا سر ضرور لے کے آئیں گے۔"

معاہدے کے مطابق کسٹائل کا نواب فرنندو بھی اپنے لشکر کے ہمراہ لیون کے سُرخ جھنڈے کے نیچے پیش قدمی کر رہا تھا۔ ٹالاویرا کے میدان میں قرطبہ کے لشکر کا ہراول دستہ نمودار ہوا اور دونوں فوجیں صف بندی کرنے لگیں۔ قرطبہ کے سپاہی بھوکے چیتوں کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اُدھر رامیرو نے اپنے پرچم کو حرکت دی اور نواب فرنندو کو قرطبہ کے سواروں کا پہلا حملہ روکنے کا اشارہ کیا مگر نواب نے حملہ روکنے کی بجائے اپنی صفیں سمیٹ لیں اور حملہ آوروں کو قلبِ لشکر کی طرف بڑھنے کا راستہ دے دیا۔ یہاں شاہ رامیرو بہ نفسِ نفیس موجود تھا۔ وہ یہ معما سمجھنے سے قاصر تھا کہ کسٹائل کے سواروں نے قرطبہ کے رسالے کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؛ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ نواب فرنندو کے دِل میں ابھی تک اُس کے لیے نفرت کی آگ بھڑک رہی

ہے اور وہ لیون کا بدترین اور بھیانک قید خانہ ابھی بھولا نہیں ہے۔ اُس نے رامیرو کی قیادت میں کسٹائل کے لشکر کے ساتھ پیش قدمی ضرور کی تھی لیکن لڑنے کے لیے نہیں بلکہ میدانِ جنگ سے کٹنے اور ہٹنے کے لیے تاکہ رامیرو اکیلا قرطبہ کے سپاہیوں کی یلغار روکتا پھرے۔

کسٹائل کا لشکر میدان سے ہٹتا ہوا دُور نکل گیا۔ اب صرف رامیرو اپنی فوج کے ساتھ حملہ آوروں کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ حملہ آوروں کے گرزوں کی دھمک سے میدان لرز رہا تھا۔ رامیرو نے یہ تباہ کن حملہ روکنے کی بہت کوشش کی لیکن جیسے ہی کسٹائل کی فوج ہٹی، لیون کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور قرطبہ کے ایک سپاہی کا گرز رامیرو کے دائیں شانے پر ضرب لگاتا ہوا گزر گیا۔ وہ بڑی مشکل سے گرتے گرتے بچا۔ اُسی لمحے دوسرے سوار نے اس پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ اگر لیون کے سپاہی بادشاہ کو اپنے حلقے میں لے کے میدان سے فرار نہ ہو جاتے تو اُس کی موت یقینی تھی۔ رامیرو بھاگ کھڑا ہوا اور اُس کے لشکر نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ قرطبہ کی فوج نے دُور تک اُن کا تعاقب کیا۔

شاہ رامیرو جب لیون کے شاہی محل میں داخل ہوا بہت دِل شکستہ تھا۔ گرز کی ضرب کا زخم اُس کے شکست خوردہ چہرے پر سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ دو سپاہیوں نے اُسے سہارا دے کے گھوڑے سے اُتارا اور اُس کے خاص کمرے میں پہنچا دیا۔ اُس کی خبرگیری کے لیے سب سے پہلے شہزادی انفنٹا کمرے میں داخل ہوئی۔ بادشاہ تڑپ کے بولا۔

"انفنٹا! ہم تمہارے لیے قرطبہ کے سلطان کے کسی غلام کا سر بھی نہیں لا سکے خود اُن کے غلاموں سے چوٹ کھا کے آئے ہیں۔ بہرحال ہم تمہارے شوہر کو واپس لے آئے ہیں۔ شکست ہوز نامکمل ہے۔ ہم بھول گئے تھے کہ تمہارے دو باپ ہیں۔ فرنندو کو ہم نے سر کر لیا لیکن تمہارا دوسرا باپ ہم سے مغلوب نہیں ہو سکا۔ ہم نئے سرے سے تمہاری شادی کریں گے کیونکہ تم سلطان عبدالرحمٰن کی بیٹی ہو۔ عبدالرحمٰن جو ایک فاتح ہے۔ ہم ایک فاتح کی بیٹی سے اُس کے شایانِ شان سلوک کریں گے۔" انفنٹا

Marfat.com

نے کوئی جواب نہیں دیا۔

شاہ رامیرو کو پھر اپنے آپ سے فرصت نہیں ملی۔ وہ ایک سال بستر پر تڑپتا رہا۔ اُس کی موت کے بعد رسمی طور پر ولی عہد ڈون اپنی ملکہ انفسٹا کے ساتھ تخت پر متمکن ہوا اور اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سلطان کی خدمت میں دوستی کا عہد نامہ لکھ کے بھیج دیا۔ سلطان نے اپنی بیٹی کے شوہر کی درخواست قبول کر لی۔ جب سفیر قرطبہ سے واپس آیا تو سب سے پہلے ملکہ انفسٹا نے سلطان کے عہد نامے کو بوسہ دیا۔

Marfat.com

Marfat.com

بیاھی بدیس

Marfat.com

استفادہ

- تاریخ ہندوستان — شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ
- دربارِ اکبری — شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد
- کمپنی کی حکومت — باری علیگ
- تاریخ راجستھان — جیمس ٹاڈ

Marfat.com

راجپوتانے کا آسمان آفتاب کی تمازت سے گرم اور گرد و غبار سے گدلا رہتا تھا۔ آفتاب غروب ہونے کا منظر بھی عجیب دل فریب تھا۔ شفق کے ایسے خوں رنگ نظارے پنجاب یا اودھ میں نظر آیا کرتے ہیں۔

سورج اُفق پر سرخیاں بکھیرتا رخصت ہو رہا تھا، شام بہت حسین اور رنگین تھی۔ خوب رو اور تنومند نوجوان بلرام کے دل میں بھی شفق کا سماں تھا۔ محبت اس کے سینے میں شعلے دہکائے ہوئے تھی۔

وہ راج کماری کرشنو سے ملنے کے لیے راج پوری سے اُدے پور آتا تھا۔ گلبدن کرشنو کی منگنی جودھ پور کے ادھیڑ عمر راجا بھیم سین سے ہو چکی تھی اور اس کا حسن پورے راجستھان میں چاندنی کی طرح چھٹکا ہوا تھا۔ بلرام کو خوب معلوم تھا کہ وہ ایک خطرناک بازی کھیل رہا ہے اور اگر یہ راز افشا ہو گیا تو اُدے پور کی بے شمار تلواریں اسے چھلنی کر کے رکھ دیں گی۔ وہ اس اُفتاد کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ محبت نے

Marfat.com

ڈرنا نہیں سیکھا، صرف زندہ رہنا یا مرنا سیکھا ہے۔

راج کماری کرشنو راجستھان کا سب سے دمکتا ہوا ستارہ اور سب سے مہکتا ہوا پھول تھی۔ اسے راجواڑوں کے پرانے دستور اور اُن کی سیاسی اغراض کی بھینٹ چڑھایا جا رہا تھا۔ پھٹ پڑنے والی جوانی کی ابتدا تھی مگر اُس پر مصلحت کا خول منڈھ دیا گیا۔ اُس کا بے مثال حسن مجبوریوں اور خاندانی روایات کی اُونچی دیواروں میں محصور کر دیا گیا۔ کوئی نامحرم اس کی ایک جھلک تک نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن کرشنو یہ دیواریں پھاند کر چند لمحوں کے لیے سہی، اپنے محبوب، اپنے پاگل سے ملنے ضرور آ جاتی تھی۔ پاگل نے اپنی تلوار بلند کر کے قسم کھائی تھی کہ وہ اسے راجا بھیم سین کی ہوس کا شکار نہیں ہونے دے گا حالانکہ راجا نے منگنی کے موقع پر کرشنو کو سرخ یاقوت کی انگوٹھی پہنائی تھی۔

کرشنو اور بلرام ایک حسین و رنگین خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ خواب جیسل پور کے راجا کو خون میں غسل دیے بغیر معرضِ تعبیر میں نہیں آ سکتا تھا مگر محبت مستقبل کے خطروں سے بے نیاز تھی۔ بلرام ہر پہلی تاریخ کو پہاڑ، گھاٹیوں اور ندی نالوں کی سرزمین اُدے پور میں داخل ہوتا تھا۔ اُس کے سرکش اور برق رفتار گھوڑے کی ٹاپیں راج کماری کے دل کی دھڑکنیں تیز کر دیتی تھیں۔ وہ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے وادی میں پہنچ جاتی تھی۔ اگرچہ اُن کی ہر ملاقات میں مستقبل کے خطرے دھڑکتے تھے لیکن آج کی ملاقات ایک مختلف ماحول میں ہو رہی تھی۔ بلرام معمول سے کہیں زیادہ مسرور تھا کیونکہ اُس کی مطلوب کا طالب اُس کے راستے سے خود بخود ہٹ گیا تھا۔ راجا بھیم سین اچانک مر گیا۔ شفق کی سرخیوں میں بھی تمناؤں کے پھول کھلے تھے۔ بلرام نے اپنی کرشنو، اپنی گلاب پر ایک نظر ڈالی، پھر شفق کی طرف ہاتھ لہرایا۔ "کرشنو! دیکھو، زمین آکاش سے گلے مل رہی ہے۔"

راج کماری کے عارضوں پر آگ دہک رہی تھی۔ سر پر سیاہ دوپٹا تھا۔ اُس نے آسمان کی سرخیوں اور سیاہیوں کا امتزاج دیکھا اور دھیمی آواز میں بولی۔ "بلرام! جب زمین اور آکاش گلے ملتے ہیں تو شام ہو جاتی ہے۔"

"گویا راج کماری آج بھی اُداس ہیں؟" بلرام افسردگی سے بولا۔ اُس نے

کرشنو کا سیاہ دوپٹا دیکھا۔" آپ نے ماتمی لباس زیب تن فرمایا ہے۔ خوب، غالباً جودھ پور کے ظالم راجا کا سوگ منایا جا رہا ہے؟"

راج کماری کے ہونٹ کپکپائے۔ "بلرام! ہمیں سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم ایک عام لڑکی نہیں۔" اس نے دونوں ہتھیلیوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

"ارے ارے یہ کیا؟ تم رو رہی ہو؟" بلرام گھبرا گیا۔ "راج کماری رو رہی ہے؟ تمہیں خوش ہونا چاہیے کرشنو!" اس نے پیار سے کرشنو کا چہرہ کھولا۔ "راجا بھیم سین مر چکا ہے۔ تمہاری آرزو پوری ہوگئی، اب تم ایک عام لڑکی ہو اور میں کوئی راجکمار نہیں۔ اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی تخت حائل نہیں رہا۔"

راج کماری کے یاقوتی ہونٹوں پر تبسّم نے رقص شروع کیا۔ "بلرام! دیکھو، ہم نے منگنی کی انگوٹھی اتار دی ہے۔ تم ہمارے لباس پر نہ جاؤ، ہمارے دل کی آواز سنو۔ یہ دل صرف تمہارے لیے دھڑکتا ہے۔"

"کرشنو! بلرام جانتا ہے کہ تمہارا دل صرف اس کے لیے محفوظ ہے مگر تمہاری آنکھوں میں یہ گھٹا کیوں ہے؟ یہ تو تمہارے لہلہانے کا وقت ہے، میں جھومنا چاہتا ہوں، ناچنا چاہتا ہوں کرشنو۔"

راج کماری خلا میں گھور رہی تھی۔ وہ زیرِ لب بولی۔ "آج راجا کے سوگ کا ساتواں دن ہے، آخری دن۔ کل ہم یہ ماتمی لباس اتار دیں گے اور ہمیں ایک نئی زندگی مل جائے گی۔"

"کرشنو!" بلرام جوش میں آگیا۔ اس نے اپنی میان تھپ تھپائی، میان میں جے پور کی ڈھلی ہوئی خم دار تلوار آراستہ تھی۔ وہ راجکماری سے اور قریب ہوگیا۔ "بھیم سین کو مرنا تھا، اگر وہ اپنی موت نہ مرتا تو یہ تلوار اس کا خاتمہ کر دیتی۔"

کرشنا کی بڑی بڑی آنکھیں آسمان کو نواز رہی تھیں۔ "ہم سوچ رہے ہیں بلرام کہ اگر راجا سے ہماری شادی ہو چکی ہوتی تو ہم آج بیوہ ہوتے یا اس کی ارتھی کے ساتھ ہمیں بھی ستی ہونا پڑتا۔"

Marfat.com

"کرشنو!" بلرام نے کھینچ کے اُسے سینے سے لگا لیا۔ "میری رُوح! میری موجودگی میں راجا زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردہ تھا۔" اُس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ تلوار ایک راجا اور ایک فقیر کی گردن میں تمیز نہیں کرتی۔ تمہارے ابروؤں کی قسم کرشنو! اس کی کاٹ بہت تیز ہے۔" کرشنو کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

کچھ فاصلے پہ ایک پتھریلا راستہ تھا۔ وہ اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اُٹھا۔ کرشنو اور بلرام الگ الگ ہو گئے۔ پہاڑیوں اور چٹانوں پہ اندھیرا اچھل رہا تھا۔ سُرخیاں، سیاہیوں میں تحلیل ہو رہی تھیں۔ وہ راستہ جے پور کی طرف نکلتا تھا۔ کرشنو اور بلرام نے دُور سے ایک سوار کا ہیولہ دیکھا۔ وہ بہت عجلت میں معلوم ہوتا تھا۔ دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے سے شہر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ٹاپیں بتدریج معدوم ہو گئیں۔ کرشنو اور بلرام نے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کچھ سوچ رہے تھے۔ کرشنو دفعتہً بولی "اندھیرا ہو رہا ہے بلرام! اب ہمیں چلنا چاہیئے۔"

بلرام نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور آنکھوں آنکھوں میں اُس سے بہت کچھ کہا پھر پوچھا۔ "کرشنو! تم نے راج کماری چندا بائی سے میرا ذکر کر دیا ہے نا؟ وہ مہاراج کی مزاج آشنا ہیں، اگر اُنہوں نے مناسب سمجھا تو ہمیں لازوال مسرتوں سے نواز سکتی ہیں۔" چندا بائی کرشنو کی پھوپھی تھی اور کرشنو کا باپ اُس کا بے حد لحاظ کرتا تھا۔

"یہ سوگ کے دن ہیں بلرام!" کرشنو نے آہستگی سے کہا۔ "ان دنوں میں ہم پھوپھی ماں سے یہ ذکر کیسے چھیڑتے؟"

بلرام بولا "کماری! خیال رہے، تمہارا بلرام کسی ریاست کا راجکمار نہیں ہے محض ایک سردار کا بیٹا ہے۔ کیا تمہارے پتا مہاراج کسی زبردست سفارش کے بغیر اُسے قبول کر سکتے ہیں؟"

کرشنو بولی "یاد ہے، تم نے کہا تھا کہ جے پور کے مہاراج اس سلسلے میں تم سے تعاون کریں گے؟"

"بے شک میں نے کہا تھا، مہاراج مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔

Marfat.com

مگر ابھی تک مَیں بھی اُن سے یہ ذکر نہیں کر سکا ہوں۔ اب وقت نے کروٹ لی ہے، ممکن ہُوا تو بہت جلد یہ معاملہ اُن کے گوش گزار کر دوں گا۔ مجھے یقین ہے، وہ تمہارے پتا کے دربار میں میرا باقاعدہ پیام بھجوائیں گے۔ ہم پنوار راجپوت ہیں۔ میرا پیام راج پوتوں کے دستور کے مطابق ہوگا اور اُسے پنوار سردار لے کے آئیں گے، اگر مہاراج نے پیام قبول نہ کیا تو تم جانتی ہو، فیصلہ تلوار کی نوک پر آ جائے گا۔ اسی لیے مَیں چاہتا ہوں کہ تم راج کماری چندا بائی کو اعتماد میں لے کے پہلے ہی حالات کو سنبھال لو۔"

کرشنو کے بھرے بھرے سُرخ ہونٹوں پر معنی خیز تبسم نمودار ہوا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا کے اپنے محبوب کو اطمینان دلایا۔ بلرام نے اس کے رخسار تھپ تھپائے۔

"پیام چند روز میں پہنچ جائے گا۔"

"تم خود بھی آ ؤ گے نا؟"

"کیا راج کماری حکم دے رہی ہیں؟"

"نہیں، یہ ایک التجا ہے۔"

"حُسن کی التجا حکم سے بڑھ کر ہوتی ہے کماری!" بلرام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن پیام کے ساتھ مَیں خود نہیں آ سکوں گا، البتہ جس روز پنوار سردار اُدے پور پہنچیں، تم سمجھ لینا کہ مَیں بھی پہنچ گیا ہوں۔"

کرشنو شاخِ گل کی طرح لہرائی پھر اُس نے پُرجوش انداز میں بلرام کا ہاتھ تھام لیا۔ "سنو بلرام! اگر پتا مہاراج نے پنوار سرداروں کو مایوس واپس کیا تو مَیں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گی۔ تیار ہو کر آنا۔ آج تک اُدے پور کی کسی راج کماری نے ایسا فیصلہ نہیں کیا ہوگا اور یہ فیصلہ بھی کوئی راج کماری نہیں بلکہ ایک لڑکی کر رہی ہے جس کے سینے میں ایک دھڑکتا ہُوا دل موجود ہے۔"

Marfat.com

کرشنو اُدے پور کے رانا خاندان کی چشم و چراغ تھی ۔ راجپوتانے کے مقتدر اور زور آور راجے مہاراجے رانا خاندان کی کسی دوشیزہ کو حاصل کرنا نہایت فخر کی بات سمجھتے تھے اس لیے کہ یہ خاندان راج پوتوں کی روایتی آن بان اور قدیم رسموں کا مظہر تھا ۔ اُودے پور کے والی رانا پرتاپ نے مغل شہنشاہ اکبر کی اطاعت قبول کرنے اور مغلوں کو اپنی بیٹی دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ رانا پرتاپ نے مغل سلطنت کے خلاف بغاوت کرنے کے ساتھ ساتھ اکبر کی مہارانی جودھا بائی کے بھائی رانا مان سنگھ کو یہ طعنہ بھی دیا تھا کہ اُس نے ایک مغل کو اپنی بہن دے کر کے راج پوتوں کو ذلیل کر دیا ہے ۔

ایک بار راجا مان سنگھ راجپوتانے سے گزر رہا تھا ۔ اُس نے رانا پرتاپ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا ۔ رانا نے اس کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام تو ضرور کیا مگر اس سے ملنے اور اُس کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کر دیا ۔ یہ توہین رانا مان سنگھ کو کھا گئی ۔ وہ بھی ایک غیرت مند راجپوت تھا ۔ اس لیے رانا کی دعوت ٹھکرا کے آگرے لوٹ گیا اور اُس نے یہ واقعہ اکبر کے گوش گزار کیا ۔ اکبر نے رانا پرتاپ کی سرکشی فرو کرنے کے لیے ایک فوجی مہم تیار کی ۔ مغلوں کا وہ خاص دستہ جو صرف شہنشاہ کی قیادت میں لڑتا اور اپنی سپاہیانہ ترک تازیوں کے باعث بہت شہرت رکھتا تھا ' اس مہم کے ساتھ روانہ کیا گیا ۔ اکبر نے صرف شاہی فوج پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے ولی عہد اور جودھا بائی کے بیٹے شہزادہ سلیم کو بھی اُودے پور کی مہم سر کرنے کے لیے بھیجا ۔ یہ صریحاً اس بات کا اشارہ تھا کہ جو مغلوں کے قریب آتے ہیں مغل اُن کی عزت و ناموس کی خاطر کہاں تک جا سکتے ہیں ۔

شہزادہ سلیم اور راجا مان سنگھ مغلوں اور راجپوتوں کے لشکر لے کے اُدے پور کی طرف بڑھے ۔ ہلدی گھاٹ میں قیامت کا رن پڑا ۔ چتوڑ گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ۔ رانا پرتاپ کو شکست ہوئی اور مان سنگھ کی تلوار کا زخم کھا کے بھاگ نکلا ۔ اس نے شکست تسلیم نہیں کی اور زندگی بھر مغلوں سے نبرد آزما رہا مگر ناکامی اُس کا مقدر تھی آخر اپنے دل پر ناکامی کا داغ لیے دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

راج پوتوں نے رانا پرتاپ کو اپنا ہیرو بنا لیا تھا کیونکہ اُس نے مغل سلطنت کی

اطاعت قبول کرنے کی بجائے اُس سے بغاوت کرنے کو ترجیح دی اور مغلوں کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جنگ ضرور ہاری تھی لیکن عزت نہیں ہاری۔ اُدے پور نے اکبر کے خلاف بغاوت کر کے تاریخی اہمیت حاصل کر لی۔ اس لیے راجستھان کی ہر ریاست کا والی رانا خاندان کی کسی دوشیزہ کا رشتہ حاصل کرنا باعث عزت سمجھتا تھا۔

رانا پرتاپ کے واقعے کو تین صدیاں گزر چکی تھیں۔ اب مغل سلطنت کے ملبے پر نئی حکومتوں کے محل تعمیر ہونے لگے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی تیندوے جیسی مکاری اور ہوشیاری سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا شکار کھیلنے میں مصروف تھی۔ شہنشاہِ دہلی کی برائے نام حکومت، نظام دکن، مرہٹوں اور میسور کی خانہ جنگی نیز ریاستی حکمرانوں کی ناچاقیاں، یہ سب انگریزی اقتدار کو خود آواز دے رہی تھیں۔ سراج الدولہ اور ٹیپو شکست کھا چکے تھے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں انگریزی سیاست نے سندھیا اور ہلکر کا زور بھی توڑ دیا تھا۔ اودھ، وسطی ہند اور پنجاب میں سیاسی طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ برصغیر ایشیا کی ایک بہت بڑی شکار گاہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ایک طرف والیانِ ریاست باہمی جنگ و جدل میں مصروف تھے، دوسری طرف بعض طالع آزما ایک دوسرے پر لشکر کشی کرتے رہتے تھے اور تیسری طرف کمپنی سرکار زور آزمائی کر رہی تھی۔

راجپوتانے کی ریاستیں بھی مرہٹوں کی دستِ بُرد کا شکار ہو رہی تھیں۔ ہر طرف عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ جودھ پور کے راجا بھیم سین کو اُدے پور کے ساتھ سیاسی اور فوجی اشتراک قائم کرنے کا خیال آیا اور اُس نے دونوں ریاستوں میں رشتے اور تعلق کا پیوند لگانے کی غرض سے راج کماری کرشنو کے لیے پیام بھیج دیا۔ بھیم سین بظاہر جودھ پور اور اُدے پور کے درمیان سیاسی تعلقات مضبوط کرنا چاہتا تھا تاکہ کسی بیرونی حملے کی صورت میں دونوں ریاستیں متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ رانا خاندان کی دامادی کا فخر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کرشنو کے بے پناہ حسن و جمال کے چرچوں نے اُسے دیوانہ کر دیا تھا۔ دونوں کی عمروں میں اگرچہ بہت فرق تھا۔ بھیم سین کی جوانی رخصت ہو چکی تھی اور حسین کرشنو ابھی جوانی کے دروازے پر دستک دے رہی تھی لیکن راجا شعلوں میں

Marfat.com

لڑکی اور لڑکے کی عمروں کا فرق ثانوی امر تھا۔ وہ خاندانی مصلحتوں اور سیاسی ضرورتوں کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ سولہ سولہ سال کی لڑکیاں ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں کے ساتھ باندھ دی جاتی تھیں۔ راجپوت لڑکیوں کی زندگی کا مقصد خاندانی ناموس اور والدین کی سیاسی مصلحتوں پر قربان ہونے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اُنہیں اس جبر کے خلاف احتجاج کرنے کی اجازت تھی، نہ عادت۔ کرشنو کی منگنی بھی راجہ بھیم سین سے کر دی گئی مگر اس سے پہلے کہ شادی ہوتی، بھیم سین مر گیا۔ اب کرشنو اور بلرام کے درمیان کوئی دیوار حائل نہیں رہی تھی۔

کرشنو کو یقین تھا اگر جے پور کے مہاراجا نے بلرام کی مدد کی تو اُس کے باپ کو اُس کا رشتہ دینے سے انکار نہیں ہوگا کیونکہ بلرام کا باپ جے پور کے دربار کا ایک معتمد سردار تھا نیز جے پور اور جودھ پور میں قدیم مخاصمت چلی آ رہی تھی اس لیے جودھ پور کے آنجہانی راجا کی منسوبہ اپنے ایک سردار کے بیٹے کے لیے بیاہ لانا مہاراجا جے پور کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ یہ چتوڑ کا قلعہ فتح کرنے سے کم کارنامہ نہیں تھا۔

396

رات نے اُودے پور پر اپنی زلفیں کھول دی تھیں۔ کرشنو کو شام کی سَیر میں آج پھر دیر ہو گئی۔ اُسے اپنی رازدار خادمہ پر اعتماد تھا کہ وہ اُس کی سَیر کا راز فاش نہیں کرے گی۔ لیکن رانا کا حکم تھا کہ اُسے ہمیشہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے محل لوٹ آنا چاہیئے۔ کرشنو دھڑکتے دِل اور نرم قدموں سے محل میں داخل ہوئی۔ قندیلیں روشن ہو چکی تھیں، قندیلوں کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ اس کی پھوپھی راجکماری چندا بائی باوقار انداز میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی اُس کی طرف آ رہی ہے۔ وہ بہت مضطرب نظر آ رہی تھی، کرشنو سمجھ گئی کہ یقیناً کوئی نئی خبر اُس کی منتظر ہے۔ پھر معاً وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گئی کہ کہیں اس کا اور بلرام

کا بھید تو نہیں کھل گیا ؛ چندا بائی ایک زرّیں چوکی پر بیٹھ گئی۔
"کرشنو ! ہم دیر سے تمہارے منتظر تھے"۔
"حاضر ہوں پھوپھی ماں !" کرشنو نے اُس سے آنکھیں ملائے بغیر کہا۔
چندا بائی نے اُسے چوکی پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ "کچھ دیر قبل مہاراج نے تمہیں یاد فرمایا تھا"۔ کرشنو مجسّم سوال بن گئی۔ چندا بائی نے کہا۔ "آج تمہارے سوگ کا ساتواں دن ہے۔ معلوم ہوتا ہے سات کا عدد تمہارے حق میں مبارک نہیں ہے۔ آں جہانی بھیم سین سے تمہاری منگنی بھی سات تاریخ کو ہوئی تھی اور آج پھر......" وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔
کرشنو نے بے قراری سے پوچھا "پتا مہاراج نے ہمیں کیوں یاد فرمایا تھا پھوپھی ماں !"
"جے پور کا معاملہ ہے"۔ چندا بائی نے آہستہ سے کہا۔
جے پور کا نام سنتے ہی کرشنو کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکی۔ چندا بائی نے اپنی بات جاری رکھی۔ "مہاراج بے حد پریشان ہیں۔ سنا ہے جے پور کے راجا جگت سنگھ نے تمہارا رشتہ طلب کیا ہے"۔
کرشنو کی آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھیں، اُس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا مگر اپنا اشتیاق نہ چھپا سکی۔ "کس کے لیے پھوپھی ماں !"
"اپنے لیے"۔ چندا بائی نے زیرِ لب جواب دیا۔
یہ دو لفظ کرشنو کے دِل پر بجلی بن کے گرے۔ چندا بائی کا جواب نہایت مایوس کن اور تعجب خیز تھا۔ کرشنو کو اپنے محبوب کی بات یاد آ گئی۔ اُس نے کہا تھا جے پور کا مہاراجا اُسے بیٹے کی طرح عزیز رکھتا ہے اور وہ اس سلسلے میں اُس کی مدد کرے گا۔ کرشنو کو چندا بائی کے الفاظ کی صحت پر شبہ تھا۔ "پھوپھی ماں!" اُس نے بے چینی سے پہلو بدلا "پیام لے کے کون آیا ہے ؟"
"ابھی پیام نہیں آیا ہے"۔ چندا بائی نے کہا۔ "صرف خبر آئی ہے کہ جے پور کے

Marfat.com

راجا جگت سنگھ نے تم سے شادی رچانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سب تیاریاں مکمل کرلی ہیں اور قسم کھائی ہے کہ تمہاری ڈولی اُسی کے محل میں اُترے گی۔ ایک وفد بہت جلد پیام لے کے آنے والا ہے اور تم یہ سُن کے حیران ہو گی کہ اُس وفد کے ساتھ جے پور کا سپہ سالار چاند سنگھ بھی ایک لشکر لے کے آرہا ہے۔ تاکہ پیام منظور نہ کیا جائے تو وہ اُدے پور پر چڑھائی کر دے اگر جنگ چھڑ گئی تو شاید اُدے پور اُس کا مقابلہ نہ کر سکے کیونکہ مرہٹے اور روہیلے اس کا ساتھ دیں گے"۔ چندا بائی کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔

کرشنو اضطراب میں چوکی سے کھڑی ہو گئی۔ اُس کے رخسار انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ اُس کا دل غم کی شدت سے ڈوبا جا رہا تھا۔ کیسی دلچسپ کتنی عجیب بات تھی۔ بلرام جس قوت کے بل بوتے راجا بھیم سین تک سے ٹکرا جانے کی باتیں کرتا تھا، اب وہی قوت اُس کی رقیب بن کے سامنے آئی تھی۔ بلرام راجا بھیم سین سے بھڑ سکتا تھا مگر جگت سنگھ کے سامنے سر تک نہیں اُٹھا سکتا۔

چندا بائی نے اُس کا غیر معمولی اضطراب محسوس کر لیا اور کھڑے ہو کے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "حوصلہ رکھو کرشنو!"

کرشنو نے ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اب کیا ہو گا پھوپھی ماں؟ پتا مہاراج کیا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"مہاراج نے ٹھاکر اجے سنگھ سے رائے لی تھی۔ ٹھاکر خیال ہے کہ ہمیں جودھ پور کے نئے مہاراج مان سنگھ سے مدد لینی چاہیئے تاکہ راجا بھیم سین کے دور میں جودھ پور اور اُدے پور میں جو ربط قائم ہوا تھا، وہ قائم رہے"۔ کرشنو تڑپ کر رہ گئی بلرام کا سراپا اُس کے تصوّر میں گھوم رہا تھا اور وہ بدقّت اپنے آنسو ضبط کیے بیٹھی تھی چندا بائی کہہ رہی تھی۔ "غالباً مہاراج کو ٹھاکر کی رائے پسند نہیں آئی، اس لیے انہوں نے کوئی قاصد جودھ پور نہیں بھیجا"۔

کرشنو کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اس نے جلدی سے مُنہ دوسری طرف پھیر لیا۔ چندا بائی نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔ "کرشنو! تم اپنے غیرت مند باپ کی پریشانیوں کا

Marfat.com

اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ مہاراج کا ایک ہاتھ اپنی بیٹی کے آنچل پہ اور دوسرا تلوار کے دستے پہ ہے' اگر کسی نے ہماری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جسارت کی تو اُدے پور کی ایک ایک تلوار بے نیام ہو جائے گی۔" چندا بائی کی نظر کرشنو کی بھیگی پلکوں پر پڑ گئی "ارے ؟ یہ تمہاری آنکھوں میں موتی کیوں جھل ملا رہے ہیں کرشنو !"

کرشنو یک بارگی اُس کے سینے سے چمٹ گئی اور سسکیاں بھرنے لگی۔

چندا بائی شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ جب کرشنو کی حالت کچھ معتدل ہوئی تو اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "پھوپھی ماں ! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ راجا جگت سنگھ کا پیام آنے سے پہلے پتا مہاراج اپنی بیٹی کے لیے کوئی تیسری جگہ منتخب کر دیں ؟"

"تیسری جگہ ؟" چندا بائی نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ "وضاحت سے بات کرو کرشنو ! تم کیا کہنا چاہتی ہو ؟"

کرشنو کا سر جھک گیا۔ اُس نے چندا بائی کو سب کچھ بتا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ "پھوپھی ماں ! گستاخی معاف' وہ کوئی راجا نہیں ہے' راج کمار نہیں ہے' صرف ایک سردار کا بیٹا ہے لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اگر آپ کی کرشنو کسی کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے تو صرف وہی ہے"۔

"کرشنو ! چندا بائی چیخ پڑی اور اس طرح کانپنے لگی جیسے اُدے پور کے محل میں بھونچال آ گیا ہو"۔ ہوش میں آؤ کرشنو ! یہ نہ بھولو کہ تم کون ہو اور جس سے تم مخاطب ہو' وہ کون ہے۔ یاد رکھو' اُدے پور کی راج کماریوں کے لیے محبت زہر کا پیالہ ہے' موت کا پیغام ہے' اگر زندگی چاہتی ہو تو اُسے بھول جاؤ صرف خود کو یاد رکھو۔ اس دیس کی راج کماریوں کو محبت کا کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اُن کی زندگی کی ڈور ہمیشہ کسی نہ کسی تخت کے پائے سے بندھی رہتی ہے"۔

کرشنو کا چہرہ فق اور رنگ سفید ہو گیا۔ چندا بائی نے اُس پر ایک گہری نظر ڈالی اور تیز تیز قدم اُٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔ کرشنو چوکی پر اوندھی گر پڑی اور

Marfat.com

پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ اُس کا ذہن تہہ در تہہ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

جے پور کا وفد سپہ سالار چاند سنگھ کی کمان میں تین ہزار کا لشکر لیے کے اُدے پور کی طرف روانہ ہُوا۔ وفد میں دوسری اہم شخصیتوں کے علاوہ جے پور کا راج گرو بھی شامل تھا۔ اُس کا انتخاب راجا جگت سنگھ نے اس لیے کیا تھا کہ کرشنو کا باپ اس وفد کی فوجی سیاسی اور مذہبی حیثیت کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار نہ کر سکے۔

کوہستان اراولی کا سلسلہ اُدے پور سے جے پور کے شمال تک چلا گیا ہے۔ یہ علاقہ زیادہ تر خشک اور بنجر ہے۔ پہاڑیاں دونوں ریاستوں کے جغرافیے میں یکسانی پیدا کرتی ہیں۔ ان کی بلندی سمندر کی سطح سے تین ہزار فٹ تک پہنچتی ہے۔ اُدے پور کے علاقے میں ان کی سطح کہیں کہیں چھ ہزار فٹ تک چلی گئی ہے۔ وہاں بلند گھاٹیوں، عمودی چٹانوں، دشوار گزار راستوں، ندی نالوں اور جنگلوں نے اُدے پور کو باقی ریاستوں سے الگ کر دیا ہے۔ جے پور اور اُدے پور کا درمیانی فاصلہ دو سو میل سے زیادہ ہے۔ دریائے چینل کی ایک شاخ سانپ کی طرح بل کھاتی اُن کے درمیان حائل ہے۔

چاند سنگھ ایسی شان و شوکت سے روانہ ہُوا جیسے وہ صرف پیام لے کے نہیں بلکہ برات لے کے جا رہا ہو۔ روانگی کا منظر بہت پرجلال اور پُرشکوہ تھا۔ جے پور میں یہ بات عام ہو گئی تھی کہ مہاراجا جگت سنگھ کی شادی اُدے پور کی حسین و جمیل نوخیز راجکماری کرشنو سے ہونے والی ہے اور اگر رانا نے بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو چاند سنگھ کو اختیار ہوگا کہ وہ اُدے پور کے ساتھ جو سلوک چاہے کرے، چاند سنگھ جس فوجی دبدبے سے روانہ ہُوا تھا اُس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہر صورت میں کامیاب لوٹے گا۔

راجستھان کے لوگ عموماً کھیتی باڑی کرتے، مویشی پالتے یا سپہ گر تھے۔ سپہ گری راج پوتوں کا آبائی پیشہ تھا۔ آمدورفت کا ذریعہ گھوڑے اور خچر تھے یا بیل گاڑیاں جنہیں گڑبلیں کہا جاتا تھا مگر جب کہیں سے کوئی لشکر گزرتا تو فوراً جنگ کی افواہیں گشت کرنے لگتی تھیں۔ اٹھارہویں صدی میں راجستھان کی بیشتر ریاستوں کو روہیلوں، مرہٹوں اور انگریزوں کی تباہ کن مہمات سے اکثر واسطہ پڑتا تھا۔ بالخصوص مرہٹوں نے یہ ریاستیں خوب پامال کی تھیں۔ مرہٹے چوتھ وصول کرنے کے لیے کئی کئی مہینے ڈیرے ڈالے رہتے تھے۔ کبھی مرہٹے مغلوں کے تعاقب میں ہوتے، کبھی انگریز مرہٹوں کا پیچھا کرتے۔ اس طرح راجستھان مختلف لشکروں کی گزرگاہ بن گیا تھا۔

چاند سنگھ جے پور کے خاص پرچموں کے سائے میں لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اچانک دور سے گرد اڑتی ہوئی نظر آئی پھر دیکھتے دیکھتے جودھ پور کا رسالہ اور اس کے پیدل دستے نمودار ہوئے جو آندھی اور طوفان کی طرح بڑھتے آ رہے تھے۔ چاند سنگھ نے اپنے لشکر کو رکنے اور مرتب ہونے کا حکم دیا لیکن اب بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ ناگہانی بلا کی طرح نمودار ہونے والی سپاہ نہ صرف تعداد میں زیادہ تھی بلکہ اس نے جے پوری لشکر کو بہت ہوشیاری سے نرغے میں لے لیا تھا۔

چاند سنگھ اس اچانک افتاد سے بے حد پریشان ہوا۔ اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ جودھ پوری سواروں اور پیادوں کے دستے بدستور آگے بڑھ رہے تھے۔ تصادم ناگزیر تھا۔ آخر دونوں لشکر بادلوں کی طرح ٹکرائے اور میدان میں بجلیاں کوندنے لگیں لیکن پلہ حملہ آوروں کا بھاری تھا۔ اس کی پہلی ہی ضرب بہت کارگر ثابت ہوئی۔ جے پور کے سپاہی خاک و خون میں لوٹ گئے۔ بندوقوں کی زبان کئی بہادروں کو چاٹ گئی۔ دھویں، بارود کی بو اور خون کی سرخی نے راجستھان کی تاریخ میں ایک نئے خطرے کا دروازہ کھول دیا۔

چاند سنگھ بہت سے سپاہی کٹوانے کے بعد پسپا ہوا تھا۔ اس نے جودھ پور کے سپہ سالار کا اعلان سنا "راج کماری کرشنا جودھ پور کی امانت ہے۔ راجا بھیم سنگھ کے

بعد اب اُس پر راجہ مان سنگھ کا حق ہے ۔ جے پور کے راجا سے کہہ دو کہ وہ اُدے پو
پیام بھیجنے سے پہلے جودھ پور کی تلواروں سے نمٹ لے"۔ چاند سنگھ بچے کھچے سپاہیوں کے
لیے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

جودھ پور کے راجا مان سنگھ نے عجیب قدم اُٹھایا تھا۔ یہ جے پور کے لیے ایک چیلنج تھا، ایک راج پوت کی غیرت کا امتحان تھا، ایک جنگ کا اعلان تھا۔ جنگ جو راج کماری کرشنو کے لیے چھڑنے والی تھی ۔ کاش راج کماری کچھ کم حسین ہوتی!

بلرام اُدے پور سے راج پوری آ گیا۔ بے حد خوش تھا۔ کرشنو نے اُسے اشارہ دے دیا تھا کہ اگر اُس کے باپ نے بلرام کا پیام ٹھکرا دیا تو اُدے پور کی تاریخ ایک نیا ورق اُلٹے گی اور بلرام کا ساتھ دے کے اپنی محبت کو زندہ جاوید بنا دے گی۔ بلرام بے حد خوش تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مہاراجا جگت سنگھ کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر اُسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ وہ جس گلِ بہار کا تمنائی ہے۔ راجا جگت سنگھ اُسی کو شاخ سے توڑنے کے لیے ہاتھ دراز کر چکا ہے۔ بلرام نے راج پوری میں ایک دن سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ وہ مہاراجا سے اجازت لے کے نچوار سرداروں کو جلد از جلد اُدے پور بھیج دینا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کی باگ جے پور کی طرف موڑ دی۔

شکست خوردہ چاند سنگھ اور اپنے خوابوں میں بدمست بلرام صرف ایک پہر کے وقفہ سے آگے پیچھے شہر میں داخل ہوئے۔ چاند سنگھ اپنا لٹا پٹا قافلہ لے کے پہلے پہنچ گیا۔ شکست و ناکامی کا سانحہ راجا جگت سنگھ کو مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ دشمن نے اس کے خواب راستے ہی میں بکھیر دیے تھے اور اُدے پور کے محل میں

Marfat.com

اس کے پیام کی بجائے شکست کی خبر پہنچی تھی۔ جگت سنگھ زخمی چیتے کی طرح تڑپ رہا تھا۔
بلرام شکست کی خبر سُن کے چونک گیا اور اس خبر نے خاص طور پہ اُس کا سینہ چھلنی کیا کہ یہ سب کچھ کرشنو کی خاطر ہوا ہے۔ اُس کے دِل پہ گویا آسمانی بجلی ٹوٹ پڑی۔ اب اس کے جے پور آنے کا مقصد فوت ہو چکا تھا۔ شہر کے دروازے پہ اُس نے ایسا محسوس کیا جیسے کوہستان اراولی کا سارا بوجھ اس کے دل پر آ گرا ہے۔ وقت کے ہاتھ نے اس کی رُوح پر ضرب لگائی تھی۔ اس کے تمام ولولے رقابت کی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے۔ مہاراجا جگت سنگھ سے ٹکرانے کی ہمت کیسے کرتا؟ وہ آہستہ آہستہ جے پور کے بازاروں سے گزرتا گیا۔ گھوڑے کی دھیمی ٹاپیں اُس کے دل کی ویرانی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ جب اپنی حویلی کے دروازے پر گھوڑے سے اترا تو جنگ میں زخمی ہونے والے سپاہی کی طرح نڈھال اور نیم جان تھا۔ وہ جسم کے بجائے دل پر زخم کھا کر آیا تھا۔
چوکیدار نے لپک کر گھوڑے کی باگ سنبھالی۔ وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو ماروا‌ڑی خادمہ نے اُسے روشنی دکھائی۔ ایک خادم سے معلوم ہوا کہ مہاراجا نے اپنے سرداروں کو کسی ضروری مشورے کے لیے طلب کیا ہے۔ اس لیے اس کا باپ وہاں گیا ہوا ہے مگر بلرام کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ دیر بعد اُس کا باپ حویلی میں داخل ہوا
"بلرام! بہت اچھا ہوا تم راج پوری سے آ گئے، مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"
بلرام کو معلوم تھا کہ اس کا باپ کیا کہنا چاہتا ہے، اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سنتا، اُس نے باپ کو اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا اور اپنا مقدمہ اُس کی عدالت میں پیش کر دیا۔ سردار کے ہوش اُڑ گئے کہ اُس کے نادان بیٹے نے اپنی نگاہ کا مرکز بنایا بھی تو اُسے بنایا جس کے حصول کی خاطر راجستھان کی سلطنتیں بل رہی تھیں۔ اس نے بیٹے کو سمجھایا: "یہ دیوانگی ہے۔ ایک آگ ہے۔ یہ آگ راجاؤں کے دِلوں میں لگ جائے تو انہیں پھونک دیتی ہے۔ راج کماری کرشنو کی طلب تو مہاراجا کو بھی اس نہیں آئی۔ تمہاری کیا اوقات ہے۔"
"پتا جی!" بلرام نے ادب سے کہا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مہاراجا

Marfat.com

اُس کا خیال دِل سے نکال دیں۔ جہاں تک راجا مان سنگھ کا تعلق ہے، اُس سے مَیں نمٹ لوں گا۔"

"مگر مہاراجا، مان سنگھ سے انتقام لینے اور راج کماری کو فتح کرنے کا پختہ فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"اگر فیصلہ ہو چکا ہے پتاجی تو سُن لیجیے کہ جے پور اور جودھ پور کے راجا آپس میں لڑ مر کر ختم ہو جائیں گے لیکن اُن کے ہاتھ راج کماری کے دامن تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر پہنچ بھی گئے تو مَیں انہیں کسی قدر رعایت اور کسی خوف کے بغیر کاٹ کے پھینک دوں گا۔"

"لڑکے!" سردار نے سرزنش کی۔ "تم نے حالات کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ مہاراجا کے جودھ پور کے خلاف مہاراجا سندھیا اور روہیلوں کے سردار امیر خاں سے مدد مانگی ہے۔ ایلچی روانہ ہو چکے ہیں، اب جودھ پور اور اُدے پور کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

بلرام دِل مسوس کے رہ گیا۔ راجا جگت سنگھ ایک بڑی جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا اور ایک جنگ بلرام کے دِل و دماغ میں ہو رہی تھی۔ کیوں نہ وہ مہاراجا جگت سنگھ اور راجا مان سنگھ دونوں کا خاتمہ کر دے۔

"مَیں جانتا ہوں، اس وقت تم کیا سوچ رہے ہو۔" باپ نے کہا۔ "اگر تم نے جان پر کھیل کے اپنے رقیبوں کو ختم بھی کر دیا تو یاد رکھو، اُدے پور کا رانا پھر بھی اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دے گا۔"

"پتاجی!" بلرام چیخ اُٹھا۔ "میں دعوا کرتا ہوں کہ اُدے پور کا فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔"

"اتنی بڑی بات زبان پر لانے سے پہلے تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے۔ تم کسی ریاست کے والی یا راج کمار نہیں ہو، محض ایک سردار کے بیٹے ہو جس کی وفاداریاں جے پور کے دربار سے وابستہ ہیں۔"

بلرام نے مناسب لفظوں میں اپنے اور کرشنو کے تعلق اور رابطے کی تفصیل بے خبر باپ کو بتا دی اور کہا کہ راج کماری کرشنو، چندا بائی کو ہموار کرنے کا قول دے چکی ہے۔ بلرام

پہلا نے

کا باپ حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ چند لمحوں کے لیے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلرام کے کندھوں پر رکھ کے سرگوشی کی "مہاراجا کے لیے کوئی کارنامہ سرانجام دو۔ پھر میں انہیں مجبور کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ تمہاری خاطر راجکماری کا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔"

بلرام کے چہرے پر خون دوڑنے لگا۔ اُمید کا بجھا ہوا چراغ پھر روشن ہو گیا۔

"اگر مہاراجا میرے حق میں راج کماری سے دست بردار ہو جائیں تو میں اُن کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا سکتا ہوں۔"

سردار نے بیٹے کو بتایا "مہاراجا، مان سنگھ سے انتقام لینے کے لیے سخت بے چین اور اُسے تباہ و برباد کر دینا چاہتے ہیں اس کی تباہی کا ایک راستہ ناگود کی جاگیر سے نکلتا ہے۔ وہ کیسے؟ سنو۔ جودھ پور کے آں جہانی راجا بھیم سین کی رانی حاملہ تھی۔ پتی کی موت کے چند روز بعد اُس نے ایک راج کمار کو جنم دیا لیکن مان سنگھ پہلے ہی تخت و تاج پر قبضہ کر چکا تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ بھیم سین کی بیوہ نے ایک بچّے کو جنم دیا ہے تو وہ بچّے کی جان کے درپے ہو گیا۔ رانی نے اس کے خوف سے بچّے کو چھپا دیا اور یہ مشہور کرا دیا کہ اس کے ہاں کوئی ولادت ہوئی ہی نہیں۔ پھر اُس نے اپنی ایک معتمد خادمہ ناگود کے ٹھاکر سوائی سنگھ کے پاس بھیجی اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ ٹھاکر راجا بھیم سین کا بہترین دوست تھا۔ وہ رات کے اندھیرے میں رانی اور راج کمار کو جودھ پور سے نکال کے ناگود لے گیا۔

سوائی سنگھ جودھ پور کے دربار سے وابستہ تھا لیکن ناگود میں پہنچ کے اُس نے راجا مان سنگھ کی تخت نشینی خلافِ قانون قرار دے دی اور اعلان کیا کہ جودھ پور کے تخت کا اصل وارث نومولود بچّہ ہے۔ آج کل راجا مان سنگھ اور ٹھاکر میں ٹھنی ہوئی ہے۔ اگر تم ٹھاکر اور راج کمار کو کسی طرح جے پور لے آؤ تو مہاراجا اسے ایک بہت بڑا کارنامہ سمجھیں گے۔ پھر جودھ پور کے تخت کا فیصلہ جے پور میں ہوگا۔"

بلرام کی آنکھیں چمکنے لگیں "میں آپ کی اجازت سے ابھی ناگود روانہ ہو جاؤں گا۔"

"ابھی نہیں، تمہاری روانگی صبح ہونی چاہیے۔"

Marfat.com

"راجستھان میں رات کا سفر آسان ہوتا ہے پتا جی!"

"ہاں مگر میں چاہتا ہوں تم رات یہیں گزارو۔ شاید میں ٹھاکر سوائی سنگھ کے لیے مہاراجا سے کوئی ضمانت نامہ حاصل کرسکوں۔"

سورج طلوع ہونے سے پہلے بلرام کا گھوڑا جے پور سے کئی کوس دور نکل چکا تھا۔

راجا بھیم سین کے بعد راجستھان کے حالات تیزی سے بگڑنے لگے۔ راکھ کی سطح اگرچہ خاموش نظر آتی تھی لیکن تہہ میں ایک چنگاری سلگ رہی تھی۔ جو یک لخت شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ یہ راج کماری کرشنو کے حسنِ جہاں سوز کا شعلہ تھا۔ اس نے سب سے پہلے راجا بھیم سین کی متاعِ عقل و ہوش پھونکی۔ اس کے بعد راجا جگت سنگھ اس کی لپیٹ میں آیا اور اب راجا مان سنگھ بھی اس کی حدت سے جل رہا تھا۔ اس نے جے پور کے لشکر پر حملہ کرکے اور اسے شکست دے کر اُدے پور کے ساتھ اپنے تعلق کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی اور رانا کو پیغام بھیجا۔

"سورگباشی راجا بھیم سین اور عفت مآب راج کماری کرشنو کی منگنی کا مقصد جودھ پور اور اُدے پور کے تعلقات مضبوط بنانا اور متحد ہوکر بیرونی حملے کا دفاع کرنا تھا۔ دونوں ریاستوں میں اتحاد قائم رہنا چاہیے اس کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معزز راج کماری کرشنو جودھ پور کی مہارانی بنیں۔"

سیاسی ضرورتیں، نہ جواڑوں کی ذاتی عداوتیں اور رقابتیں اُدے پور کے محل کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ رانا ایک ریاست کا والی ہی نہیں، ایک خوب صورت دوشیزہ کا باپ بھی تھا اور اسے بہر حال اپنی خاندانی روایات کا پاس کرتے ہوئے اس کی ڈولی بھی رخصت کرنی تھی۔ اُدے پور کے راناؤں کی سیاسی مصلحت نے اگرچہ شادی وغیرہ کے معاملے

Marfat.com

میں ہمیشہ طاقت ور ہاتھ قبول کیے تھے اور اس طرح قوت کا توازن اپنے حق میں قائم رکھا تھا لیکن انہوں نے اپنی راج پوتی آن پر کبھی دھبا نہیں لگنے دیا۔ جب بھی غیرت کا سوال اٹھا، اُدے پور نے اس کا بھرپور جواب دیا اور راج پوتوں کے لیے ہمیشہ ایک مثال قائم کی۔

۱۸۰۶ء میں وقت کے سیاسی اور تمدنی دھارے صدیوں پرانی تہذیب کا رُخ بدل رہے تھے۔ شرافت اور غیرت کا مفہوم تبدیل ہو رہا تھا۔ راج پوتی آن اُدے پور کے دروازے پر سوال بن کر کھڑی تھی۔ رانا کو اس سوال کا جواب دینا تھا۔ جے پور اور جودھ پور کے راجا برہنہ شمشیروں اور بندوقوں سے محل کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ محل کی موثر شخصیت، رانا کی بہن راج کماری چندا بائی اپنے بھائی کا فیصلہ سننے کے لیے بے چین تھی مگر رانا نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ وہ جے پور اور جودھ پور میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں کر سکا تھا۔ دن گذرتے جا رہے تھے۔ ہر صبح کا سورج ایک نئی پریشان کن خبر کے ساتھ طلوع ہوتا تھا۔ سب لوگ جانتے تھے کہ جے پور اور جودھ پور ایک دوسرے کے خلاف زبردست جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور یہ جنگ صرف راج کماری کرشنو کے لیے لڑی جائے گی۔

اُدے پور کا راج محل ایک خوب صورت جھیل میں واقع اور کسی جل محل کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ آج وہ جل محل اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ محل میں راج کماری کرشنو پنوار سرداروں کے پیام کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو گئی تھی۔ نہ سردار اس کے لیے پیام لے کے آئے تھے، نہ اس کا محبوب بلرام اس کے پاس پہنچا تھا۔ البتہ راجا جے پور کے پیام اور اس کے لشکر پر حملے کی خبر اس نے ضرور سن لی اور سمجھ گئی تھی کہ پنوار سرداروں کے نہ آنے کا سبب کیا ہے لیکن وہ مطمئن نہیں تھی۔ بلرام کے بغیر گزرنے والا وقت اس نے اپنی زندگی سے خارج کر دیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی کے تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ اچانک چندا بائی و[illegible] پہنچی۔ کرشنو بظاہر دریچے سے جھیل میں تیرتی بطخوں کا نظارہ کر رہی تھی۔ اُسے کسی کے آنے کا احساس نہیں ہوا۔ چندا بائی نے چپکے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر مڑی۔ چندا بائی نے کہا۔ "کرشنو! بہت اُداس نظر آ رہی ہو، کیا بات ہے؟" اس کے لہجے میں ہمدردی

Marfat.com

تھی۔ حالانکہ کرشنو کو اس محل میں کسی سے ہمدردی کی توقع نہیں تھی۔ محل اس کے لیے قید خانہ ہو کے رہ گیا تھا۔ یہاں ہر فرد راج پُوتی آن کا پرستار تھا، رسم و رواج کے بُت پوجتا تھا اور کسی کو یہ ہوش نہیں تھا کہ کرشنو صرف راجکماری ہی نہیں، ایک لڑکی بھی ہے اور لڑکی کے سینے میں دِل بھی ہوتا ہے اور دِل میں کچھ خواہشیں، آرزوئیں اور اُمیدیں ہوتی ہیں۔ چندا بائی بولی: "کرشنو! تمہیں اُداس دیکھ کے ہمیں دُکھ ہوتا ہے۔ مہاراج نے جو کچھ سوچا تھا، وہ پورا نہیں ہو سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جو چاہتی ہو، شاید وہی ہو جائے۔"

کرشنو کے ہونٹوں پہ ایک تلخ تبسم بکھر گیا۔ "پھوپھی ماں! یہ راج محل ہے یہاں محبت امرت نہیں، زہر کا پیالہ ہے، موت کا پیغام ہے۔"

چندا بائی نے اس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہم کچھ اور کہنے آئے ہیں کرشنو!" اُس کی آواز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی۔ "مہاراج نے تمہارا فیصلہ تم پر چھوڑ دیا ہے۔"

کرشنو کا تبسم تلخ ہی رہا۔ "پھوپھی ماں! اس دیس کی راجکماریوں کو محبت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اُن کی زندگی کی ڈور کسی نہ کسی تخت کے پائے سے بندھی ہے۔"

"درست ہے لیکن وقت اور حالات کے ساتھ خیالات اور رواج بدل جاتے ہیں۔" چندا بائی کی آواز میں ایک درد تھا۔ "ہم پہلے بھی تمہارے ہمدرد تھے اور آج بھی ہیں۔ ہم تم سے تمہارے مطلوب کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

"آپ کو اس کے بارے میں جان کے مایوسی ہوگی پھوپھی ماں!" کرشنو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "وہ کوئی راجا یا راج کمار نہیں ہے۔"

"یہ تم پہلے بھی بتا چکی ہو۔"

"اُس کے پاس کوئی جاگیر بھی نہیں ہے۔"

"کرشنو!" چندا بائی کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ "ہمیں اُس کا صرف نام اور پتہ درکار ہے۔" کرشنو کے دِل میں یکایک شمعیں روشن ہو گئیں۔ فرطِ مسرت میں چندا بائی سے لپٹ گئی اور کانپتی ہوئی آواز میں اُسے بلرام کے متعلق تفصیلات بتانے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ "اُس کے دِل میں شوق اور بازوؤں میں فولاد بھرا ہوا ہے۔ وہ اپنی محبت کے

Marfat.com

نام پرتھوی کی ہر طاقت سے ٹکرا سکتا ہے۔ پنوار قبیلے کے تمام سردار اور سپاہی اس کے ایک اشارے پر اپنی جانیں نثار کر سکتے ہیں۔"
اس نے یہ بھی بتا دیا کہ بلرام نے رخصت ہوتے وقت پنوار سرداروں کو اُدے پور بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔"
چندا بائی تشویش سے بولی "جے پور کے حالات بگڑ چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے بلرام کسی مصیبت میں گھر گیا ہو ورنہ ہم جانتے ہیں، پنوار قبیلے کے لوگ اپنا قول کبھی نہیں ہارتے ایک بات اور قابلِ غور ہے۔ جب جے پور کا راجا خود تمہارا اُمیدوار ہے اور اس سلسلے میں جودھ پور کے خلاف جنگ چھیڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے تو بھلا بلرام اُس کے انتقام سے کیسے بچ سکے گا؟"
کرشنو نے اچانک چندا بائی کے پاؤں چھو لیے۔ "پھوپھی ماں! وہ آندھیاں کی دیکھئے۔ جو یہ چراغ گل کر دینا چاہتی ہیں، اگر بلرام کو کچھ ہو گیا تو آپ اپنی کرشنو کو بھی زندہ نہیں دیکھیں گی۔"
چندا بائی نے اُسے بازوؤں سے تھام کے اُوپر اُٹھایا۔ "کیا تم بلرام کو یہاں بلوا سکتی ہو؟"
کرشنو نے مایوسی سے نفی میں سر کو ہلایا۔ "وہ ہر پہلی تاریخ کو خود بخود آجاتا تھا۔ مگر اس بار نہیں آیا۔ نہ معلوم وہ کہاں اور کس حال میں ہو؟"
"ہم کسی کو جے پور بھیج کے معلومات حاصل کریں گے۔ بلرام سے ہماری ایک ملاقات بے حد ضروری ہے۔"
بلرام کو سفر میں کئی دن لگ گئے لیکن وہ ناگور سے کامیاب لوٹا اور جب جے پور میں داخل ہوا تو اُس کے ترکش میں مہاراجا جگت سنگھ کے لیے کئی تیر تھے۔ ناگور کا جاگیردار سوائی سنگھ، راجا بھیم سین کی بیوہ، جودھ پور کا نومولود راج کمار کنور اور ناگور کے وہ راج پوت ٹھاکر جو سوائی سنگھ کے حامی اور راجا مان سنگھ کی بجائے جودھ پور کے تخت و تاج کا جائز وارث نومولود کنور کو سمجھتے تھے۔

Marfat.com

مہاراجا جگت سنگھ نے اُن سب کا پُرجوش استقبال کیا۔ یہ لوگ راجا مان سنگھ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جے پور چلے آئے تھے۔ اُنہیں یقین دلایا گیا کہ جودھ پور کا تخت اُس کے جائز وارث کو دلوانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔

بلرام نے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ وہ سوائی سنگھ اور کنور کو ناگور سے ایسے وقت میں نکال کے لایا تھا جب جودھ پور کے سپاہی اُنہیں گرفتار کرنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے، اگر ایک پہر کی بھی دیر ہو جاتی تو اُن کا بچنا مشکل تھا۔

پنوار سردار نے جو مہم اپنے بیٹے کے سپرد کی تھی، وہ اس میں کامیاب رہا۔ سردار بے حد خوش تھا۔ اُس نے مہاراجا جگت سنگھ سے اصل مقصد ابھی تک بیان نہیں کیا تھا۔ نہ بلرام اور راجکماری کرشنو کے خواب تبانے کی جرأت کی تھی۔ البتہ اس نے مہاراجا کے سامنے اپنے بہادر بیٹے کا کارنامہ ایسے موثر انداز میں بیان کیا کہ اس کی بہادری اور وفاداری کی ساکھ قائم کر دی۔ راجا جگت سنگھ بھی بلرام سے بے حد خوش تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کے پنوار سردار نے مہاراجا سے یہ قول لے لیا تھا کہ بلرام کو اس خدمت کے صلے میں مُنہ مانگا انعام دیا جائے گا اور وہ جے پور کی جو بھی جاگیر پسند کرے گا، اُسے بخش دی جائے گی۔

سردار کا ارادہ تھا کہ وہ کسی مناسب الفاظ میں مہاراجا کو راج کماری کرشنو کا خیال ترک کرنے کا مشورہ بھی دے گا۔ مگر موجودہ حالات میں یہ مشورہ اُسے مشتعل کر سکتا تھا کیونکہ وہ جودھ پور کے خلاف رقابت کی جنگ لڑنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سردار نے بیٹے سے کہا۔ "سیاست کی بساط پر تمہاری پہلی چال کامیاب رہی۔ اب انتظار کرو کہ شاہ کب گھوڑے کی زد پر آتا ہے"۔

راج کماری کرشنو کو فتح کرنے کے لیے راجستھان کے دو طاقت ور رجواڑے بُری طرح گتھ گئے تھے۔ کوئی بھی تیسرا فریق اس باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ پنوار سردار کے نزدیک کامیابی کا یہی راستہ باقی رہ گیا تھا۔ جے پور میں جنگ کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ جودھ پور کے راجا کے خلاف ملامت کا اشتہار جاری کر دیا گیا تھا۔ ریاست میں جگہ جگہ فوجی بھرتی شروع ہو گئی تھی۔ نوجوانوں کو جنگ کی تربیت دی جا رہی

Marfat.com

تھی مختلف والیانِ ریاست حمایت کے لیے تیار کیے جا رہے تھے۔

اس معاملے میں بھی پنوار سردار پیش پیش تھا۔ اُس نے مہاراجا سے کہا تھا۔
"مہاراج! جنگ میں فتح یابی کے لیے بازوؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم جس قدر بازو پیدا کریں گے، فتح اسی قدر آسان ہو گی۔" اُس کی کوششوں سے مہاراجا راجستھان کی کئی ریاستوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ایک روز بلرام کو اچانک راج محل میں طلب کر لیا گیا۔ وہ شاداں و فرحاں مہاراجا کے سامنے پہنچا تو اس کے ہوش و حواس پر ایک قیامت گزر گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس نے محل کے ایک خصوصی ایوان میں حاضری دی تھی۔ کورنش کے بعد اُس نے سر اٹھایا تو وہ مہاراجا کے عقب میں دیوار پر راج کماری کرشنو کی ایک رنگین اور قدِ آدم تصویر دیکھ کے دم بخود رہ گیا۔ اُس کی غیرت پر ایک زبردست کوڑا پڑا۔ اُس کے راج پوتی خون کی گردش تیز ہو گئی۔ مہاراجا نے اس کی حیرانی سے اندازہ لگایا کہ تصویر کے حُسن و جمال نے اسے بہت مسحور کر دیا ہے۔ وہ خود بھی دیوار کی طرف گھوم گیا اور خیال انگیز انداز میں کہنے لگا۔

"نوجوان! شاید تمہیں علم نہ ہو، یہی اُدے پور کی راج کماری اور جے پور کی ہونے والی مہارانی کرشنو ہیں۔ یہ تصویر ایک پرتگالی مصوّر نے ہمارے حکم پر تیار کی ہے۔ مصوّر نے اُدے پور کے جل محل میں صرف ایک بار اُنہیں دیکھا تھا۔ ہم سوچتے ہیں جب کرشنو کماری کی تصویر اس قدر دل کش ہے تو وہ خود کس قدر دل کش ہوں گی۔ اُن کی خاطر ہم خون کے ہزاروں دریا عبور کرنے کے لیے تیار ہیں"۔

بلرام کی نگاہ ابھی تک تصویر پر مرکوز تھی۔ مصوّر نے کرشنو کے حُسن و جمال کی ایسی صحیح عکاسی کی تھی کہ صرف گویائی کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ تصویر کے سامنے دو آدمی دو رقیب کھڑے تھے۔ مہاراجا پلٹا۔ اس نے محسوس کیا کہ بلرام راج کماری کے جلوۂ حُسن میں غیر معمولی طور پر محو ہو گیا ہے۔ اُس کے دل میں فخر و غرور کی ایک لہر اٹھی۔

"بلرام! تم راج پوت ہو، ایک نوجوان اور بہادر راج پوت۔ ہمیں بتاؤ اگر راج کماری سے تمہیں اُنس ہو جاتا تو کیا تم راجا مان سنگھ کو زندہ چھوڑ سکتے تھے؟"

بلرام کی محبت کو حالات نے مصلحت سکھا دی تھی۔ وہ مہاراجا کے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا تھا مگر خاموش بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے ایک تیسرا راستہ اختیار کیا۔ "دل کی طاقت دُنیا کی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے مہاراج!"

مہاراجا نے یہ جواب بہت پسند کیا۔ "بلرام! ہم چاہتے ہیں کہ تم ہماری نمائندگی کرو اور ہمارے لیے راج کماری کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

بلرام نے چونک کر حیرت سے مہاراجا کی طرف دیکھا۔ ایسی فرمائش آج تک کسی نے اپنے رقیب سے نہ کی ہو گی۔ بلرام کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ مہاراجا کہہ رہا تھا۔ "بلرام! تم ٹھاکر، کنور اور رانی کو یہاں لا کر ایک معرکہ سَر کر چکے ہو۔ اب ہم دوسرا معرکہ تمہارے سُپرد کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تم اسے بھی کامیابی کے ساتھ سَر کر سکتے ہو۔"

بلرام نے سَر جھکا دیا۔ مہاراجا نے کہا۔ "سنا ہے' راجا مان سنگھ راجستھان کے مختلف راجاؤں کو ہماری مخالفت پر اُکسا رہا ہے۔ اُس نے اُدے پور کے رانا سے بھی مدد مانگی اور درخواست کی ہے کہ جے پور کے خلاف دونوں ریاستوں کو متحد ہو جانا چاہیے۔ ہم تمہیں پیغام رساں اور نمائندے کی حیثیت سے اُدے پور بھیجنا چاہتے ہیں تاکہ تم رانا کو راجا مان سنگھ سے کنارہ کش رکھ سکو اور اُسے اچھی طرح سمجھا دو کہ ہم جودھ پور کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ راجستھان کے بہت سے راجا ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمیں امیر خاں کے روہیلے جانبازوں اور مہاراجا سندھیا کے مرہٹہ سپاہیوں کی حمایت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ اُن کے لشکر ہمارے اشارے کے منتظر ہیں۔ راجا مان سنگھ جیسے غاصب اور ظالم حکمران کے خلاف رانا کو بھی ہم سے تعاون کرنا چاہیئے اگر اُسے یہ منظور نہیں ہے تو وہ جودھ پور کا ساتھ بھی نہ دے۔"

بلرام نے تمام باتیں توجہ سے سنیں مگر وہ بات جس نے اُسے بے قرار کر رکھا تھا۔ سارے فسانے میں کہیں نہیں تھی اور وہ اُسی کا منتظر تھا۔ شاید مہاراجا کی تقریر کا حاصل بھی وہی بات تھی۔ مہاراجا بلرام کے قریب ہو گیا۔ سیاست کی بات ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ دِل کی بات چھیڑنے والا تھا لیکن شاید اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آغاز کہاں سے کرے؟ آخر اس نے جیب سے سُرخ یاقوت کی ایک نہایت قیمتی انگوٹھی نکالی اور بلرام کے ہاتھ پر رکھ دی۔ بلرام ایسی

Marfat.com

ہی ایک انگوٹھی پہلے بھی کرشنو کی انگلی میں دیکھ چکا تھا اور اب جے پور کا مہاراجا سُرخ یاقوت کو اپنی زبان بنا رہا تھا۔ بلرام نے کچھ سُنے بغیر سب کچھ سمجھ لیا۔ پھر بھی وہ الفاظ کا منتظر تھا۔ مہاراجا نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ رانا سے ملاقات کے بعد تم کسی طرح راج کماری سے بھی ملو اور ہماری طرف سے انہیں یہ انگشتری پیش کرو۔ تم یہ انگوٹھی اُن تک کیسے پہنچاؤ گے؟ یہ تمہیں سوچنا ہے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ہماری نشانی ہر صورت میں اُن تک پہنچ جانی چاہیئے۔ اُدے پور کی سفارت کے لیے ہم نے تمہارا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ ہم تم پر اعتماد کرتے اور سمجھتے ہیں کہ تم راج کماری سے ملنے کی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا کر لوگے۔ یہ کام مشکل ضرور ہے مگر تم جیسے بہادر نوجوان ہر مشکل سہل کرنا جانتے ہیں۔ راج کماری سے عرض کرنا کہ ہم اُس کے لیے جے پور جنت بنا دیں گے۔"

مہاراجا نے اصرار کر کے بلرام سے یہ عہد لیا کہ وہ اُس کا تحفہ راج کماری تک پہنچائے بغیر لوٹے گا نہیں۔ اُس نے مسرت کے جوش میں دونوں ہاتھ بلرام کے کندھوں پر رکھ دیئے

"آج سے تم ہمارے دوست بھی ہو اور راز دار بھی۔ ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں تمہاری ہر آرزو پوری کی جائے گی۔"

"سوچ لیجئے مہاراج! جب ایک راج پوت دوسرے راج پوت سے وعدہ کرتا ہے تو جان کی بازی لگا کے بھی اُسے ایفا کرتا ہے۔"

مہاراجا اُسے کرشنو کی تصویر کے پاس لے گیا۔ "بلرام! ہم حُسن کی اس شہزادی کے سامنے تمہیں قول دیتے ہیں کہ تمہاری ہر خواہش پوری کی جائے گی۔"

بلرام نے سَر جھکا لیا۔ "غلام صبح ہوتے ہی اُدے پور کی طرف روانہ ہو جائے گا۔"

اُسی وقت اطلاع آئی روہیلے سردار نواب امیر خاں کا پیغام آیا ہے کہ اُس کا لشکر جے پور کی مدد کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ مہاراجا کا چہرہ کھل اٹھا۔ اُسے اپنی فتح یقینی معلوم ہونے لگی۔ مہاراجا کی رانی امیر خاں کی منہ بولی بیٹی بنی ہوئی تھی اور امیر خاں کمپنی سرکار کے بعد دوسری فیصلہ کُن طاقت سمجھا جاتا تھا۔ اُس کے لشکر میں روہیل کھنڈ کے بہادر افغان جسونت راؤ ہلکر

Marfat.com

مرہٹے، پنڈارے اور بھیل بھی شامل تھے۔ امیر خاں کی آمد کا پیغام طوفانوں کے آگے آگے اُڑنے والے پرندے کی حیثیت رکھتا تھا۔ مہاراجا نے بلرام سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اُدے پور کے دربار میں تمہارا کام اب پہلے سے آسان ہو گیا ہے۔ اُدے پور کا رانا امیر خاں کی طاقت سے واقف ہے۔ اب وہ ہماری دشمنی مول لینے کی ہمت نہیں کرے گا۔ تم اُس کی طرف ہماری دوستی کا ہاتھ بن کر جاؤ۔"

بلرام محل سے نکلا۔ جنوری کا سرد دن شام کے خشک اندھیرے میں تحلیل ہو رہا تھا۔ محل کے دروازے پر روہیلے سواروں کا ایک دستہ موجود تھا۔ یہ دستہ امیر خاں کا پیغام لے کے آیا تھا۔ اس کے ارد گرد ہجوم اکٹھا تھا۔ امیر خاں کے سواروں کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے جے پور میں پھیل گئی تھی۔ بلرام جہاں جہاں سے گزرا، اُس نے لوگوں کو یہی باتیں کرتے سنا کہ اب جودھ پور کے راجا کو اس کی خودسری اور گستاخی کا عبرت ناک سبق دیا جائے گا۔ امیر خاں کی ہیبت اور دہشت سے مالوہ ہی نہیں راجستھان بھی کانپتا تھا۔ اس کا جنگ کے نکلنا راجا مان سنگھ کی بد نصیبی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

بلرام اپنی حویلی پہنچا۔ اُس کو باپ نے راستے میں اطلاع دی کہ اُدے پور کا ایک ایلچی اس سے ملنے آیا ہے اور اس نے اپنی آمد خفیہ رکھی ہے۔ سردار نے ایلچی کو حویلی کے پچھواڑے ایک ایسے کمرے میں ٹھیرایا تھا جو مدت سے بند پڑا تھا۔ وہ بلرام کو لے کے حویلی کا چکر کاٹتا ہوا وہاں پہنچا۔ اُدے پور کا ایلچی بے چینی سے بلرام کا منتظر تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اُدے پور کی معزز راج کماری چندا بائی کا بلاوا لے کے آیا ہے اور اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ چندا بائی نے اُسے کیوں طلب کیا ہے؟ اس کے بارے میں ایلچی کچھ نہیں جانتا تھا۔ البتہ وہ ایک نشانی ساتھ لایا تھا جس سے بلاوے کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ایلچی نے بلرام کو سونے کی ایک انگوٹھی دی۔ انگوٹھی میں سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا۔ بلرام فوراً سمجھ گیا کہ یہ بلاوا چندا بائی کی بجائے دراصل کرشنو کی طرف سے ہے۔ وہ سرخ یاقوت کی یہ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا، یہ انگوٹھی وہی تھی جو جودھ پور کے سورگباشی راجا بھیم سین نے اُسے منگنی کے موقع پر بھیجی تھی اور جسے کرشنو نے اُس کی وفات کے بعد اُنگلی سے اُتار دیا تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا۔ ایلچی

Marfat.com

ٹھیک اُسی روز پہنچا، جب وہ خود مہاراجا کا پیغام لے کے اُودے پور جانے والا تھا۔ حالات نے سنگین موڑ کاٹ کے اچانک ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ بلرام کو اپنی کامیابی یقینی معلوم ہونے لگی۔ کرشنو نے اُسے بُلانے کے لیے اپنی انگوٹھی بھیجی تھی اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ مہاراجا نے بھی اُس کے لیے اُسے ویسی ہی انگوٹھی دی تھی۔ دوسری انگوٹھی میں بھی سرخ یاقوت جڑا ہُوا تھا۔

بلرام نے ایلچی سے رخصت ہو کے قندیل کی روشنی میں دونوں انگوٹھیاں اپنے ہاتھ ہاتھ پر رکھ کے دیکھیں۔ وہ دنگ رہ گیا۔ دونوں انگوٹھیوں میں محض سرخ یاقوت کی مماثلت نہیں تھی بلکہ وہ ایک ہی ساخت، ایک ہی نقشے اور ایک ہی ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں کہ ان دونوں میں سرِ مُو کوئی فرق نہیں تھا۔ راجا بھیم سین اور مہاراجا جگت سنگھ دونوں اُس کے رقیب تھے دونوں یاقوت پسند کرتے تھے، دونوں نے کرشنو کے لیے ایک جیسی انگوٹھیاں بھیجی تھیں اور اس وقت دونوں انگوٹھیاں بلرام کے پاس تھیں۔

رانا اُودے پور کے دربار میں حاضری دینے سے پہلے بلرام کو راج کماری چندا بائی کے حضور پیش ہونا پڑا۔ اُس کا خیال تھا کہ اُسے چندا بائی کے نام سے دراصل کرشنو نے بلایا ہے۔ لیکن جب راج محل کے پہرے دار اُسے شاہی آداب و ضوابط کے ساتھ رانا کی بہن کے قصر میں لے گئے تو اس پر پہلی بار یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ بلاوا چندا بائی ہی کی طرف سے تھا اور بلاوے کے لیے اُس نے کرشنو کی انگوٹھی استعمال کی تھی۔

چندا بائی نے بلرام کو اور بلرام نے چندا بائی کو پہلی دفعہ دیکھا۔ ایک حسن و جمال اور تمکنت کی مالک تھی، دوسرا وجاہت کے علاوہ راج پوتی آن کا مُرقع نظر آتا تھا۔ چندا بائی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی افسانوی نوجوان آکاش سے اُتر کے سامنے آ گیا ہو۔ اس نے کرشنو کا

Marfat.com

انتخاب پسند کیا۔ بلرام کسی ریاست کا شہزادہ نہیں تھا لیکن وہ ایک شہزادی کا حق دار ضرور تھا
چندا بائی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"نوجوان! ہمارے علم میں ہے کہ تم پہلے بھی اُدے پور آتے رہے ہو مگر اس بار
بار تم ہم سے ملنے آئے ہو۔ تمہیں ہم نے بلایا ہے۔ تمہاری آمد راج کماری کرشنو کے علم میں
نہیں ہے۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے معزز راج کماری کہ آپ نے مجھے طلب کیا، میں آپ کے
حکم کا منتظر ہوں۔"

چندا بائی نے دو چار رسمی جملوں کے بعد اُسے بتایا کہ جے پور اور جودھ پور کے
درمیان جو جنگ چھڑنے والی ہے، اُدے پور اس سے الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے مگر
سب جانتے ہیں کہ اس لڑائی کی وجہ کرشنو ہے اور جب تک اُس کے مستقبل کا فیصلہ نہیں ہو
جاتا، راجستھان میں بھڑکنے والی آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ ابھی تک رانا نے کوئی فیصلہ نہیں
کیا لیکن وہ چاہتی ہے کہ یہ معاملہ زیادہ طول نہ کھینچے اور جنگ کا الاؤ دہکنے سے پہلے کرشنو کا ہاتھ
بلرام کے ہاتھ میں دے دیا جائے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے، جب مہاراجا جگت سنگھ کرشنو
کی اُمیدواری سے دست بردار ہو جائے۔

بلرام نے تمام صورتِ حال بیان کر دی اور بتایا کہ مہاراجا کو اس خیال سے باز رکھنے کی
ابھی تک کوئی کوشش نہیں کی گئی اور وہ اُس کے قاصد کی حیثیت سے اُدے پور آیا ہے لیکن
مہاراجا کو جلد اس صورتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے گا کہ وہ جودھ پور سے جنگ جیت کر بھی
کرشنو کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اپنے قول کے مطابق اُسے بلرام کی خواہش پوری کرنی ہوگی۔ بلرام
نے کہا کہ اگر مہاراجا نے اپنا قول پورا نہ کیا تو وہ اپنی جان پر کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا
چندا بائی نے اُسے مشورہ دیا کہ اگر وہ اس سلسلے میں مہاراجا کی بجائے اُس کی رانی سے رابطہ پیدا
کرے اور اُس کے ذریعے روہیلے سردار امیر خاں کی حمایت حاصل کر سکے تو اس کی کامیابی
یقینی ہے، آخر جے پور کی مہارانی کو یہ بات کب گوارا ہوگی کہ اُس پر کوئی سوتن آئے۔ وہ
اپنے منہ بولے باپ امیر خان سے کہہ کے مہاراجا کو کرشنو کا خیال ترک کر دینے پر مجبور کر سکتی ہے۔

بلرام کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "میں مہارانی کی بارگاہ میں ضرور حاضری دوں گا۔" اس نے جوش میں کہا اور راج کماری چندا بائی کی ذہانت کا معترف ہو گیا۔ اس نے اشاروں اشاروں میں اسے ایک نئے پہلو پر سوچنے کی دعوت دی تھی۔

چندا بائی نے وقار سے کہا "جب تم ہمیں یہ یقین دلا دو گے کہ مہاراجا جگت سنگھ راج کماری کرشنو کے دعوے سے دستبردار ہو گئے ہیں تو ہمیں تم جیسے بہادر اور ذہین نوجوان کو قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں رہے گا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔ "اب تم مہارانا کی خدمت میں باریاب ہو کر اودے پور سے چلے جاؤ گے مگر ہم یہ پسند نہیں کریں گے کہ تم راج کماری کرشنو کے درشن کیے بغیر لوٹو۔ ہم نے راج کماری کو بلوایا ہے، وہ تمہیں یہاں دیکھ کے دنگ رہ جائے گی۔"

ایک باندی نے خبر دی کہ راج کماری تشریف لا رہی ہیں۔ چندا بائی وہاں سے اٹھ کے ہولے ہولے قدم اٹھاتی باہر چلی گئی۔ کرشنو اپنی روایتی شان سے چلتی اور گرم عبا کا دامن لہراتی داخل ہوئی۔ بلرام کو دیکھ کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور اس کے یاقوتی لبوں سے حیرت کی سسکی نکلی۔ بلرام اسے دیکھتا رہ گیا۔ آج وہ پہلے سے کہیں زیادہ دل کش نظر آ رہی تھی۔ "کرشنو!" اس نے خواب ناک آواز میں کہا۔ "اس ملاقات کے لیے ہمیں راج کماری چندا بائی کا شکر گزار رہنا چاہیے۔"

راجستھان کا ایک عام نوجوان اودے پور کے عظیم الشان جل محل میں داخل ہو چکا تھا۔ جل پری کی جھیل جیسی گہری گہری آنکھیں مسرت کے آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ یہ ملاقات حسین بھی تھی اور عجیب بھی، جل محل کتنی تاریخی روایات کا امین تھا اور آج ایک نئی روایت کا آغاز ہو رہا تھا۔ طالب و مطلوب نے دل بھر کے ایک دوسرے کو دیکھا اور دنیا جہان کی باتیں کیں۔ دونوں جھرنوں کی طرح برسے اور ندیوں کی طرح ابلے۔ جب طبیعتوں کو کچھ قرار آیا تو بلرام نے اپنے انگرکھے میں ہاتھ ڈال کے سرخ یاقوت کی انگوٹھی نکالی اور اسے کرشنو کی طرف بڑھا کے بولا۔

"میں نے جے پور کے مہاراجا سے عہد کیا تھا کہ یہ انگوٹھی تمہارے ہاتھ تک پہنچا

Marfat.com

دوں گا۔ مہاراجا کا عزم ہے کہ ہم جے پور تمہارے لیے جنت بنا دیں گے"۔ بلرام نے آنکھیں بند کر لیں۔" راجستھان کی ہواؤ! گواہ رہنا۔ میں اپنا عہد پورا کر رہا ہوں"۔ کرشنو حیران تھی۔ بلرام نے آنکھیں کھول دیں اور مسکرا کے اُس کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا۔ پھر جب وہ اُس کی اُنگلی میں انگوٹھی پہنانے لگا تو کرشنو نے چیخ کے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔" نہیں"۔ پھر اُس نے غور سے انگوٹھی کی طرف دیکھا۔" ارے یہ تو اودے پور کے آنجہانی راجا بھیم سین کی انگوٹھی ہے"۔

" نہیں"۔ بلرام نے دوسری انگوٹھی نکالتے ہوئے کہا۔" راجا بھیم سین کی انگوٹھی یہ ہے کماری"۔

" بلرام یہ دونوں انگوٹھیاں جھیل میں پھینک دو۔ انہیں دیکھ کے ہمیں وحشت ہو رہی ہے"۔

اُسی وقت چندا بائی نمودار ہوئی۔" یہ انگوٹھیاں ہمیں دے دو"۔

کرشنو اور بلرام احتراماً کھڑے ہو گئے۔ بلرام نے چندا بائی کے حکم کی تعمیل کی۔ چندا بائی نے دونوں انگوٹھیاں ایک چھوٹے سے چرمی بٹوے میں رکھ لیں۔" بلرام! ہم نے مہارانا سے تمہاری ملاقات کا بندوبست کر دیا ہے، اگر وہ تمہیں ایک دن قیام کے لیے کہیں، تو انکار نہ کرنا"۔

اُسی روز بلرام رانا کے دربار میں پیش ہوا۔ ایک شاہی مہمان کی طرح اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ بلرام نے اودے پور کے ٹھاکروں کے سامنے رانا کو مہاراجا جگت سنگھ کا پیغام سنایا۔ رانا نے جواب دیا۔

" جے پور اور جودھ پور کی جنگ میں ہم کسی کی طرف داری نہیں کریں لیکن کسی نے اودے پور پر حملہ کیا تو ہم کمپنی سرکار کی مدد سے اس کا مقابلہ ضرور کریں گے"۔ گفتگو خوش گوار ماحول میں ہوئی اور رانا نے بلرام کو ایک دن قیام کے لیے کہا۔ بلرام نے فوراً قبول کر لیا۔

دوسرے دن اُدے ساگر کی جھیل کے کنارے مہمان کے اعزاز میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اُدے پور کے بڑے بڑے ٹھاکر اور راج پوت سردار ضیافت میں شریک ہوئے یہ دعوت چندا بائی کی ترغیب پر دی گئی تھی۔ دعوت کے اصل مقصد سے شاید رانا بھی واقف

Marfat.com

نہیں تھا۔ چندا بائی یہ چاہتی تھی کہ بلرام اُودے پور کے ٹھاکروں کے لیے اجنبی نہ رہے تاکہ جب کرشنو کے لیے اس کے رشتے کا ذکر چھیڑا جائے تو کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ کرشنو کے لیے یہ انتہائی خوشی کا دن تھا۔ وہ محل کی جھل ملیوں سے جھیل کے کنارے اپنے محبوب کی عزت افزائی کا نظارہ کر رہی تھی۔

امیر خاں کا لشکر آندھی اور طوفان کی طرح جے پور پہنچ گیا۔ مہاراجا سندھیا نے بھی دو مرہٹہ سرداروں   کی قیادت میں مدد بھیج دی تھی۔ اب مہاراجا جگت سنگھ کی فوج ایک لاکھ کا ہندسہ چھو رہی تھی۔ اس میں روہیلے افغان، مرہٹے، پنڈارے، بھیل اور راجپوت شامل تھے۔ راجا مان سنگھ نے مقابلے کی تیاریوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ راجستھان کے ٹھاکروں کے علاوہ رن کچھ اور صحرائے تھرپارکر کے کئی قبیلے بھی اس کے ساتھ تھے۔

جے پور اور جودھ پور کی باہمی کشمکش نے پورا راجستھان دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا کوئی راجا، کوئی ٹھاکر اور کوئی سردار ایسا نہیں تھا جو کسی فریق کے ساتھ شریک نہ ہو۔ دونوں نے یہ کشمکش راج پوتوں کی غیرت کا سوال بنالی تھی۔ راجستھان کی سرزمین پر تاریخ کی ایک ہولناک جنگ ہونے والی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا، اس کا انجام کیا ہو گا۔ راج پوتوں نے بیشتر جنگیں انجام سے بے پروا ہو کر لڑی تھیں لیکن اگر جنگ کا کوئی اصول اور طاقت کا کوئی نتیجہ ہو سکتا ہے تو مہاراجا جے پور نصف جنگ میدانِ جنگ میں جائے بغیر جیت چکا تھا۔

امیر خاں کے طاقت ور لشکر کے علاوہ راجپوتانے کے بیشتر راجے اور ٹھاکر اُسی کے ساتھ تھے۔ اُس نے جودھ پور کے اصل وارثِ تخت اُس کی بیوہ ماں اور ٹھاکر سوائی سنگھ کی حمایت حاصل کر کے راجا مان سنگھ کو ظالم اور غاصب حکمران مشہور کر دیا تھا۔ دریائے نربدا کے جنوب اور شمال میں امیر خاں ایک فیصلہ کن طاقت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اُس نے کئی بار

Marfat.com

کمپنی سرکار کی فوجوں کو بھی شکستِ فاش دی تھی۔ جے پور نے اُس کی مدد حاصل کر کے سیاسی دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔

فروری ۱۸۰۷ء میں امیر خاں جے پور پہنچ گیا طبلِ جنگ پر چوٹ پڑی۔ جے پور کا سپہ سالار چاند سنگھ امیر خاں کے بڑے لڑکے امیر الدولہ وزیر محمد خاں اور روہیلہ سالار عمر خاں کی ہمراہی میں جودھ پور سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے بڑھا اس کے بعد ٹھاکر سوائی سنگھ نے راج پوتوں کے پیدل دستوں اور مہاراجا سندھیا کے مرہٹہ سواروں کے ساتھ کوچ کیا۔ پھر مہاراجا جگت سنگھ، بیکانیر اور مارواڑ کے راجاؤں اور ٹھاکروں کی معیت میں خود امیر خاں جے پور سے روانہ ہوا۔

راجپوتانے کی تاریخ ایک نیا ورق اُلٹ رہی تھی۔ راجاؤں کی دھرتی سواروں، پیدل دستوں اور توپ خانے کی گاڑیوں کی دھمک سے لرز رہی تھی۔ راجپوتوں کی غیرت ایک دوسرے کے لہو میں غسل کرنے والی تھی لیکن اُدے پور اس جنگ سے بے تعلق تھا حالانکہ اُسی کی راجکمار بنائے فساد تھی۔

بلرام رانا کا جواب لے کر واپس آگیا۔ جے پور کے لشکر روانہ ہو چکے تھے۔ مہاراجا جگت سنگھ کی سواری بھی جا چکی تھی اور روہیلوں کی توپیں جودھ پور پر گولہ باری کر رہی تھیں پنوار سردار اپنے بیٹے کے لیے یہ پیغام چھوڑ گیا تھا کہ وہ لوٹتے ہی میدانِ جنگ کا رُخ کرے مگر بلرام کے قدم رَن بھومی کی بجائے راج محل کی طرف اُٹھنے لگے۔ وہ مہارانی جے پور سے ملے بغیر کہیں جانا نہیں چاہتا تھا۔ جنگ کا زمانہ تھا اس لیے محل پر کڑا پہرا لگا ہوا تھا مگر بلرام کو مہارانی سے ملاقات کرنے کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مہارانی نے جلد ہی اُسے باریابی کا شرف بخش دیا۔ وہ جانتی تھی، پنوار سردار کا بیٹا بلرام اُدے پور سے کوئی ضروری پیغام لے کے آیا ہوگا۔ بلرام نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر تخلیے کی درخواست کی۔ مہارانی نے داروغہ محلات کو رخصت کر دیا۔ داروغہ کچھ فاصلے پر ایک پردے کے پیچھے موجود تھا۔ "اب کوئی ہماری گفتگو نہیں سُن سکتا۔"

بلرام نے بساط پر پہلا مہرا چلایا۔ "غلام محترم مہارانی کے لیے اُدے پور کی راجکماری

چندا بائی کا ایک پیغام لے کے حاضر ہوا ہے"۔ چندا بائی کا نام سن کے مہارانی چونکی۔ وہ اُس کا پیغام سننے کے لیے بے چین اور مضطرب نظر آنے لگی۔ بلرام نے کہا۔ "اُدے پور کی راج کماری کیلئے ایک جنگ میدانوں میں لڑی جا رہی ہے اور دوسری محلوں میں۔ راج کماری چندا بائی کی خواہش ہے کہ محلوں میں لڑی جانے والی جنگ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو۔" مہارانی ہمہ تن گوش تھی۔
"راج کماری چندا بائی کو آپ سے ہمدردی ہے۔ وہ صرف آپ کی خاطر راج کماری کرشنو کا رشتہ مہاراجہ جے پور کو دینے کے حق میں نہیں ہیں"۔

مہارانی نے ایک سرد آہ بھری۔ بلرام کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ سوتن عورت کی کمزوری ہوتی ہے، مہارانی بھی ایک عورت تھی۔ وہ دھیمی اور غم زدہ آواز میں بولی۔ "مگر چندا بائی کو معلوم ہوگا رجواڑوں کی رانیاں اور راج کماریاں بے بس اور مجبور ہوتی ہیں، ہم اگر کوشش بھی کریں، تو مہاراجا کو مجبور نہیں کر سکتے۔ راج کماری کرشنو اور ہماری قسمت کا فیصلہ تو میدانِ جنگ میں ہوگا"۔
"غلام کو کہنے کی اجازت دیجئے کہ مہاراجا یہ جنگ نواب امیر خاں کی مدد سے لڑ رہے ہیں۔ آپ نواب امیر خاں کی منہ بولی بیٹی ہیں۔ راج کماری چندا بائی کو اُمید ہے کہ اگر آپ نواب امیر خاں کو رضامند کر لیں تو مہاراجا جنگ جیت کر بھی راج کماری کرشنو کو نہیں جیت سکتے"۔

مہارانی کے چہرے پر ایک پرچھائیں سی گزر گئی۔ "چندا بائی کی اُمید غلط نہیں ہے، اب ہم پانسا پلٹ دیں گے لیکن کان کھول کے سن لو، یہ راز باہر نہیں نکلنا چاہیے"۔
"مہارانی غلام پر اعتماد کر سکتی ہیں"۔

پہلے ہی معرکے میں جے پور کے لشکروں نے اپنی برتری ثابت کر دی۔ مہاراجا جگت سنگھ کے راجپوت بہت ہی بے جگری سے لڑے۔ دوسری طرف سے امیر خاں کے افغان روہیلے، مرہٹے پنڈارے اور بھیل آسانی سے قبرن کر ٹوٹے۔ جودھ پور کی فوج حوصلہ ہارنے لگی۔ راجا مان سنگھ نے

Marfat.com

فوج کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن روہیلوں کا توپ خانہ قیامت کی آگ برسا رہا تھا۔ گولے ٹھیک نشانے پر پھٹتے اور جودھ پور کے سپاہی گرد و غبار اور دھوئیں کے بادلوں میں گم ہوجاتے مرہٹوں، پنڈاروں اور بھیلوں نے الگ تباہی مچائی۔ صرف چند روز میں راجا مان سنگھ کے ٹھاکر اور سردار بے ہمت ہو گئے۔

دونوں لشکروں کے درمیان آگ اور خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ جودھ پور کی مدافعت کے خطوط سمٹنے لگے۔ ایک روز ٹھاکر اور سردار راجا مان سنگھ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ارکانِ حکومت بھی بھاگے اور اُن کے پیچھے پیچھے راجا بھی بھاگا۔ جودھ پور ہار گیا لیکن راجا مان سنگھ نے ہمت نہیں ہاری۔ ہزاروں سپاہی کٹوانے کے بعد وہ اپنے مضبوط قلعے میں جا چھپا۔ امیر خاں راجا جگت سنگھ اور ٹھاکر سوائی سنگھ اس کے تعاقب میں تھے۔ قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔

مہاراجا جگت سنگھ نے جنگ جیت لی تھی۔ اُدھر بلرام نے بھی محل کا مورچا سَر کر لیا تھا۔ مہارانی جے پور نے نواب امیر خاں پر واضح کر دیا تھا کہ وہ راج محل میں اُدے پور کی راجکماری کا داخلہ پسند نہیں کرتی۔ امیر خاں نے بلرام کے باپ بنجارہ سردار کو اپنی زبان بنایا اور مہاراجا کو پیغام بھیجا کہ اُس نے راجا مان سنگھ سے اپنی توہین کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اُسے راج کماری کرشنو کا خیال ترک کر دینا چاہیے۔ اُدے پور نے اس جنگ میں حصّہ نہیں لیا۔ اس پر حملہ کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔

مہاراجا جگت سنگھ یہ پیغام سن کے بہت جِز بِز ہوا۔ بنجارہ سردار نے اُسے بتایا کہ اُدے پور کی راج کماری کسی اور کو چاہتی ہے چنانچہ وہ جنگ جیت سکتا ہے مگر راج کماری کا دل نہیں جیت سکتا۔ مہاراجا کے دل پر ایک اور کوڑا پڑا، اُس نے گرج کر کہا۔ "کیا بکتے ہو؟"

"غلام درست عرض کر رہا ہے مہاراج!"

مہاراجا چند لمحوں تک اُسے خون خوار نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔

"وہ کون بد نصیب ہے جسے ہمارا رقیب بننے کا اعزاز حاصل ہوا ہے؟"

بلرام کے باپ نے ہمّت کی۔ "جواب دینے سے پہلے میں اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے جان کی امان چاہتا ہوں"۔

Marfat.com

"امان دی گئی"۔

بلرام کے باپ نے سر جھکا لیا۔ "اُدے پور کی راج کماری آپ کے غلام زادے بلرام سے پیار کرتی ہیں"۔

مہاراجا نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ بلرام کے باپ نے جودھ پور کی فتح پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا تھا جو مہاراجا کا دل کاٹتا ہوا گزر گیا۔ لوہا گرم تھا۔ بلرام کے باپ نے فوراً کہا "مہاراج نے قول دیا تھا کہ بلرام کی ہر آرزو پوری کی جائے گی۔ وہ درخواست گزار ہے کہ اُسے راج پوری کا قلعہ بخش دیا جائے اور سرکار کی سرپرستی میں راج کماری کے لیے اس کا پیام جائے"۔

مہاراجا کے چہرے پر کرب و کشمکش کے آثار تھے۔ اُسے بلرام پر، بلرام کے باپ پر اور امیر خاں پر بہت اعتماد تھا۔ یہ لوگ اُس کے دست و بازو تھے۔ انہی کی مدد سے اس نے جنگ جیتی تھی لیکن یہی لوگ اب اُسے راج کماری کو فراموش کر دینے کا مشورہ دے رہے تھے امیر خاں کا پیغام اور نپوار سردار کی باتیں ناقابلِ فہم نہیں تھیں۔ حالات رُخ بدل رہے تھے اور وقت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بھی بدل جائے۔ اُس نے تذبذب کے ساتھ بلرام اور کرشنو کے رابطہ کی تفصیل پوچھی اور اُسے سُننے کے بعد تردد اور انتشار سے دوچار ہو گیا، اُسے اپنا فیصلہ سنانے میں خاصی دیر لگی۔

"بلرام کی آرزو پوری کی جائے گی۔ راج پوری کا قلعہ بھی اُسے بخش دیا جائے گا"۔ اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

باپ نے لوٹ کے اپنے بیٹے کو مژدہ سنایا کہ مہاراجا راج کماری کرشنو سے دستبردار ہو گئے ہیں اور راج پوری کا قلعہ اُسے مل جائے گا۔ بلرام کو ساری کائنات ہنستی مسکراتی اور رقص کرتی نظر آنے لگی۔

اُسی شام اُس کا گھوڑا اُدے پور کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔

Marfat.com

راجستھان میں جنگ کی جو آگ بھڑکی، وہ ابھی تک ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی، رجواڑوں کی باہمی رقابتیں اور عداوتیں گیلی لکڑیوں کی طرح اندر اندر سُلگ رہی تھیں۔ امیر خاں اپنے لشکر کے ساتھ جودھ پور کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ راجا مان سنگھ ہار کر بھی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ٹھاکر سوائی سنگھ اپنے بہادروں کے ساتھ ناگور چلا گیا اور جودھ پور کے ٹھاکروں کو نومولود کنور کی تخت نشینی کے لیے ہموار کر رہا تھا۔ امیر خاں کے پیغام کے بعد مہاراجا جگت سنگھ بھی دل برداشتہ ہو کر جے پور لوٹ آیا تھا۔ راجا دولت راؤ سندھیا کے مرہٹہ سوار، بھیل اور پنڈارے جودھ پور کو تاخت و تاراج کرتے پھر رہے تھے۔ اُن کی کچھ ٹکڑیاں اُدے پور کی سرحدوں پر بھی منڈلا رہی تھیں۔

راجا مان سنگھ چالاک لومڑی کی طرح اپنے بھٹ میں دبکا ہوا تھا۔ مہاراجا جگت سنگھ نے اس کی طاقت کا مان توڑ دیا اور سوائی سنگھ نے جودھ پور کی تخت نشینی کا جھگڑا کھڑا کر کے اُسے پریشان کر رکھا تھا۔ اس پریشانی نے اُس کا سکون لوٹ لیا۔ ریاست کے کئی ٹھاکر اس جھگڑے کی وجہ سے اُس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اب اُسے پریشانیوں سے صرف ایک طاقت، صرف ایک شخصیت نجات دلا سکتی تھی، امیر خاں۔ راجا مان سنگھ نے امیر خاں کو درخواست بھیجی کہ اگر جودھ پور کا محاصرہ اُٹھا لیا جائے تو وہ پچاس لاکھ روپے نقد جنگ کا تاوان ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔

راجستھان کی جنگ میں ایک کروڑ بیس لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ امیر خاں نے اپنے توشے خانے کے لیے چار لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر کا الگ مطالبہ کیا۔ مان سنگھ اس پر بھی تیار ہو گیا لیکن اُس نے یہ شرط لگائی کہ اُسے سوائی سنگھ کی سازشوں سے نجات دلائی جائے کیونکہ اس کی موجودگی میں جودھ پور کے تخت و تاج کا جھگڑا ختم نہیں ہوگا۔

امیر خاں اور راجا مان سنگھ کے درمیان مفاہمت کی بات چیت چل رہی تھی۔ دوسری طرف اُدے پور کے جل محل میں کرشنو کی تقدیر کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ چندا بائی نے اپنے بھائی رانا کو مشورہ دیا کہ اگر کرشنو کی نسبت کسی ریاست کے والی سے طے کی گئی تو ہو سکتا ہے، جے پور اور جودھ پور کی رقابتیں پھر بھڑک اُٹھیں اور راجستھان میں پھر خون کی ندیاں بہنے

لگیں۔ اس لیے کرشنو کا ہاتھ کسی ایسے نوجوان کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو غیرت مند ہو اور کرشنو کی حفاظت کر سکے۔ اس سلسلے میں چندا بائی نے بلرام کا نام بھی لے دیا۔ رانا کی آنکھوں میں حیرت کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ رانا بلرام کو صرف مہاراجا جے پور کے نمائندے کی حیثیت سے جانتا تھا۔ چندا بائی نے اُسے بتایا کہ مہاراجا جگت سنگھ نے بلرام کو راج پوری کا قلعہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور اُس کی خاطر کرشنو سے بھی دست بردار ہو گیا ہے۔ رانا نے بہن کا مشورہ قبول کر لیا مگر وہ چاہتا تھا کہ شادی کی رسوم انتہائی خاموشی اور رازداری سے ادا کی جائیں۔

صدیوں سے راجستھان کے راجے مہاراجے رانا خاندان کی دامادی اپنے لیے فخر کی بات سمجھتے تھے اور اُدے پور کی راج کماریوں کی رخصتی نہایت شان و شوکت سے عمل میں آتی تھی۔ ملک کے تمام راجاؤں اور بڑے بڑے ٹھاکروں کو شادی کی تقریبات میں شرکت کی دعوت دی جاتی تھی لیکن ۱۸۰۷ء میں کرشنو کے لیے جو جنگ لڑی گئی اُس نے حالات بدل دیئے تھے یہی وجہ تھی کہ رانا اپنی بیٹی کی شادی خاندانی دستور کے خلاف ایک کم حیثیت گھرانے میں کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے کشت و خون روکنے کے لیے ہار مان لی اور اب یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی کی شادی کا چرچا ہو۔

چندا بائی نے یہ خبر کرشنو کو سنائی کہ بلرام سے اُس کا رشتہ منظور کر لیا گیا ہے۔ کرشنو پر شادی مرگ کی حالت طاری ہو گئی، اگر چندا بائی اُسے تھام نہ لیتی تو شاید وہ خوشی سے غش کھا کے گر پڑتی۔ جودھ پور اور جے پور کے راجا ہار گئے تھے مگر کرشنو جیت گئی تھی۔ وہ اپنی پھوپھی کے قدموں میں گر گئی اور چندا بائی نے اپنے قدموں پر نمی محسوس کی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے کرشنو کو فوراً اوپر اُٹھایا اور اپنے پلّو سے اُس کے آنسو پونچھنے لگی۔ یہ مسرت کے آنسو تھے۔

بلرام کو اطلاع دی گئی تھی کہ کامیابی نے اُسے چُن لیا ہے۔ وہ پنوار سرداروں کے ساتھ آئے اور اپنی خوش نصیبی کی ڈولی اُٹھا کے لے جائے۔ شادی کے لیے دو مہینے بعد کی تاریخ رکھی گئی تھی کیونکہ بلرام کے باپ کو شادی کے لیے بہت کچھ بندوبست کرنا تھا ایک روز اُس نے مہاراجا سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ رانا اُدے پور نے اُس

کے بیٹے کا پیام قبول کر لیا ہے۔ لہٰذا گو مہاراجا بلرام کو راج پوری کا قلعہ سونپ دیں تو راجکمار
کرشنو کی ڈولی اُسی قلعے میں اُتاری جائے۔
مہاراجا کو محبت کی بساط پر ایک پیادے نے شہہ مات دے دی تھی۔ اُس نے
زہر خند سے کہا۔ "بلرام کو راج پوری کا اختیار نامہ بہت جلد دے دیا جائے گا۔ پہلے ہم
راج پوری کے موجودہ منصب دار کا کوئی بندوبست کر لیں۔"

اُنہی دِنوں مہاراجا جگت سنگھ نے اپنے محل میں مہاراجا سندھیا کے ایک سردار
سے ملاقات کی۔ اِس ملاقات کے صِرف چند روز بعد مرہٹوں، بھیلوں اور پنڈاروں کی جو
ٹکڑیاں اُدے پور کی سرحدوں پر منڈلا رہی تھیں، وہ ریاست کے اندر گھس کے لُوٹ مار
کرنے لگیں۔ اُدے پور کا رانا راجستھان کی جنگ سے الگ تھلگ رہا تھا۔ اِس نے نیا خطرہ
محسوس کیا اور فوراً کمپنی سرکار سے مدد کی درخواست کی۔ مرہٹوں اور انگریزوں کی کشمکش
میں رانا نے کمپنی کا ساتھ دیا تھا اس لیے اُسے اُمید تھی کہ کمپنی سرکار مہاراجا سندھیا کے
خلاف فوراً حرکت میں آجائے گی مگر کمپنی نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔
کمپنی کے کلکتہ ہیڈکوارٹر میں رانا کی درخواست پر انتہائی سرد مہری کا اظہار کیا گیا
لارڈ کارنوالس کے جانشین گورنر جنرل سر جارج بارلو نے وہ درخواست آلو کے حقیر چھلکے کی
طرح پرے پھینک دی اور راجستھان کے معاملات میں مداخلت کرنے سے صاف انکار
کر دیا۔ امیر خاں کی موجودگی میں کمپنی سرکار راجستھان میں کوئی مداخلت کرنے سے بچنا چاہتی تھی
اُسے خطرہ تھا اگر روہیلہ سردار غضب ناک ہو گیا تو وہ سندھیا کے ساتھ مل کے برطانوی
حکومت کے لیے ایک خطرہ بن جائے گا۔ اسی سیاسی مصلحت سے کمپنی نے اُدے پور کو
مرہٹوں کی تاخت کے لیے کھُلا چھوڑ دیا۔ سندھیا کے مرہٹوں کے علاوہ روہیل کھنڈ کے بعض

افغان بھی لوٹ مار میں شامل ہو گئے۔ ماضی میں بھی اُن کی لوٹ مار کا حلقہ دریائے نربدا سے دریائے ستلج تک وسیع تھا مگر اُس وقت امیر خاں جودھ پور کے راجا مان سنگھ سے اپنے تعلقات درست کر رہا تھا۔ اس لیے مرہٹوں اور پنڈاروں کا اُدے پور میں گھُسنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ رانا نے ایسا محسوس کیا جیسے اس پُراسرار خطرے کے پیچھے مہاراجا جے پور کے ہاتھ حرکت کر رہے ہوں۔

اُدے پور میں مرہٹوں کی تاخت کا دائرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ پُراسرار دشمن غالباً اُدے پور پر حملہ کرنے کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ رانا سخت مضطرب اور پریشان تھا پہلے بیٹی کا غیر معمولی حُسن اُس کے لیے بلائے جاں ثابت ہُوا تھا۔ اب اگر سلطنت ہاتھ سے نکل گئی تو کیا ہو گا ؟ اُس کا خاندان صدیوں سے اُدے پور کا دفاع کر رہا تھا۔ رانا کا فرض تھا وہ راج پوتوں کی اس روایتی سرزمین کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے مگر وہ تنہا تھا اور دشمن ہاتھ کی لکیروں کی طرح جمگھٹا کر رہے تھے۔ اُس نے بیٹی کے لیے حالات کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب اپنی سلطنت کے لیے پانسا پھینکا تو یہاں بھی امیر خاں کا چہرہ نظر آیا۔ اس آڑے وقت میں وہی اُسے پُراسرار دشمنوں سے بچا سکتا تھا۔ رانا نے فوراً امیر خاں کی طرف قاصد دوڑایا۔

امیر خاں، رانا اُدے پور کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس ریاست سے کچھ تاریخی روایتیں وابستہ تھیں۔ ایک بہادر جرنیل کی طرح امیر خاں وہ روایتیں زندہ و تابندہ رکھنا چاہتا تھا۔ قاصد کے پہنچتے ہی بگولے کے مانند اُڑتا ہُوا اُدے پور پہنچا۔ رانا نے اس کا بہترین استقبال کیا اور اُدے پور کے دفاع کی خاطر چوتھائی ریاست امیر خاں کی نذر کر دی۔

امیر خاں اپنا لشکر لے کے اُن مقامات کی طرف لپکا جہاں مہاراجا سندھیا کے مرہٹہ سواروں نے تباہی پھیلا رکھی تھی۔ امیر خاں کا نام سُن کے وہ افغان، روہیلے، پنڈارے اور بھیل چھٹنے لگے جو سندھیا کے مرہٹہ سواروں کے ساتھ لوٹ مار میں شامل ہو گئے تھے۔ جے پور کے راج پوت بھی مہاراجا جگت سنگھ کے اشارے پر سرحدی تاخت میں حصّہ لے رہے تھے۔ وہ بھی فرار ہو گئے۔ امیر خاں نے صرف چند روز میں بگڑی ہوئی حالت

Marfat.com

سنبھال لی۔ اُدے پُور پر چھائے ہوئے خطرے کے بادل روہیل کھنڈ کی تیز ہوائیں اُڑا کے لے گئیں۔

کرشنو بے حد خوش تھی۔ امیر خاں اس کے باپ ہی کا نہیں، اُس کا بھی محسن تھا جانتی تھی کہ اُسی نے مہاراجا جگت سنگھ کو اُس کا خیال ترک کرنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ امیر خاں ہی کے مشورے کا اثر یا خوف تھا کہ جگت سنگھ اس کے اور بلرام کے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ اُدھے پور اور امیر خاں کی دوستی کا سب سے بڑا فائدہ کرشنو کو پہنچنے والا تھا کیونکہ اُس کا محبوب جے پور سے تعلق رکھتا تھا اور اگرچہ جے پور اور اُدے پور کے درمیان محض اُس کی وجہ سے تعلقات استوار نہیں ہو سکے تھے۔ نیز مہاراجا جگت سنگھ نے اپنے دِل پر ناکامی کا ایک زخم بھی کھایا تھا لیکن امیر خاں کی طاقت نے دونوں ریاستوں پر بادل کی طرح سایہ کر رکھا تھا، وہ سمجھتی تھی یہ سایہ اُسے راج پوری میں بھی حاصل رہے گا۔ امیر خاں نے اُدے پور کے رانا کو اپنا پگڑی بدل بھائی بنا لیا تھا۔ اس اعتبار سے کرشنو اب اُس کی بھتیجی ہو گئی تھی۔

بلرام کی طرف سے اُسے متواتر پیغام مل رہے تھے کہ عنقریب مہاراجا جگت سنگھ اُسے راج پوری کا اختیار سونپنے والا ہے۔ بلرام کے باپ نے راج پوتوں کے دستور کے مطابق شادی کی تمام تیاریاں مکمّل کر لی تھیں اور دُوسرے پنوار سرداروں کے ساتھ مقررہ تاریخ پر اُدے پور پہنچ جانا چاہتا تھا۔ راجستھان کی روایات کے پیشِ نظر چاند کی چودھویں رات کو شادی ہوتی تھی اور پنوار سردار اُسی روز اُدے پور پہنچنے والے تھے۔ جے پور سے آخری خبر یہ آئی تھی کہ بلرام کو راج پوری کا اختیار چاند کی دس تاریخ تک مِل جائے گا اور قلعہ کرشنو کے خیر مقدم کے لیے آراستہ کر دیا جائے گا۔

اُدے پور کی روایات کے خلاف راج کماری کو رخصت کرنے کے لیے راجاؤں اور ٹھاکروں کو دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اُس شان و شوکت سے بھی اجتناب برتا جا رہا تھا۔ جو رجواڑوں کی تہذیبی زندگی کا حصّہ تھی۔ پھر بھی وہ ایک راج کماری کی شادی تھی۔ لہٰذا راج محل میں کئی دن پہلے سے چہل پہل شروع ہو گئی۔

جیسے جیسے چاند کی تاریخیں گزر رہی تھیں، کرشنو کے شہابی عارضوں پر شفق کھلتی جا رہی تھی، اس کا حُسن اور نکھرتا اور سنورتا جا رہا تھا۔ اُس کے متناسب مرمریں بدن پر خوشبوؤں میں بسا ہُوا اُبٹن مَلا جا رہا تھا کہ وہ اور بھی ملائم اور شفاف ہو جائے۔ راج کماری اپنے محبوب کے لیے دُلھن بنائی جا رہی تھی۔

چاند کی تیرھویں رات اُدے پور کے قدیم لوک گیتوں اور سنگیت کی مدھر تانوں میں بیت گئی۔ نئے دِن کا سُورج طلوع ہُوا۔ اُدے ساگر جھیل کے کنارے پنوار سرداروں کے قیام کا بندوبست کیا گیا۔ وہاں ایک آرائشی دروازہ کھڑا کر دیا گیا۔ دولھا کو براتیوں کے آگے آگے اسی دروازے سے گزرنا تھا لیکن اُس کے گزرنے کا دروازہ تو دُلھن کے دِل میں تعمیر ہُوا تھا۔ کرشنو نے جل محل کی کھڑکی سے جھیل کے کنارے آراستہ دروازہ دیکھا اور شرما کے اپنا چہرہ گھونگھٹ میں چھپا لیا۔ یقیناً اُس کا ملرام اپنے قبیلے کے سرداروں کے ہمراہ جے پور سے رخصت ہو چکا ہوگا۔ اُس کی آمد کسی بھی وقت متوقع تھی۔

کرشنو تصوّر میں اُس کے گھوڑے کی اُبھرتی اور گونجتی ٹاپیں سُنتی رہی تھی، جنہیں سُنتے ہی اُس کے دِل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں مگر آج وہ ٹاپیں ابھی تک سُنائی نہیں دی تھیں۔ کرشنو کا دِل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ دِل تو خیر کئی دِنوں سے دھک دھک کر رہا تھا اسی لمحے اس کی سہیلی پورنیا نرم قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے جھیل کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں کھڑے ہو کے اپنی پُر درد آواز میں گانا چھیڑ دیا۔ "کاہے کو بیاہی بدیس"۔

جھیل کی لہروں پر کرشنو کا دِل ڈولنے لگا۔ آج بابل کے گھر میں اُس کا آخری دن تھا۔ پورنیا کے گیت کی لے تھمی تو کرشنو کی بھیگی پلکوں سے آنسوؤں کے ستارے ٹوٹ رہے تھے۔ پورنیا نے بڑھ کر اُسے تھام لیا۔

جل محل کے کسی کمرے میں ڈھولک بج رہی تھی۔ ڈھولک کی تھاپ پر کچھ لڑکیاں یہی گیت گا رہی تھیں ۔" کاہے کو بیاہی بدیس "۔ بوڑھیا کرشنو کو بازوؤں سے تھام کے وہاں لے گئی جہاں اُسے عروسی لباس پہنایا جانے والا تھا۔

جھیل کے کنارے شامیانے آراستہ ہو چکے تھے۔ محل میں کرشنو دلھن بنا دی گئی تھی اور پنوار سرداروں کا انتظار ہو رہا تھا۔ کچھ چوب دار جے پور کے راستے پر کھڑے کر دیئے گئے تھے تاکہ وہ جیسے ہی مہمانوں کو دیکھیں، فوراً محل میں اطلاع بھجوا دیں، مگر ابھی تک کوئی سوار نمودار نہیں ہُوا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ انتظار میں شدّت پیدا ہوتی گئی۔ محل میں پریشانی محسوس کی جانے لگی۔ لوگوں کی خاموش نظریں سوال کر رہی تھیں۔" پنوار سردار ابھی تک کیوں نہیں آئے؟"
انتظار ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سُورج کا سنہرا رتھ خوں رنگ شفق میں ڈوبنے لگا۔
اُفق پر آسمان اور زمین گلے مِل رہے تھے یکایک جے پور کا راستہ ٹاپوں سے بج اُٹھا۔ صرف ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہُوا اُدے پور میں داخل ہوا۔ شور بلند ہُوا کہ" راج کماری کا دولھا آ گیا راج کماری کا دُولھا آ گیا"۔

مگر وہ بلرام نہیں تھا بلکہ جے پُور کا ایلچی تھا۔ اُس کے گھوڑے کی خُرجی میں رانا کے لیے ایک پیغام تھا۔ اُسے فوراً محل میں کرشنو کے باپ رانا کے پاس پہنچا دیا گیا۔ وہاں رانا، چندا بائی اور ٹھاکر اجے سنگھ بارات کا انتظار کر رہے تھے۔ راج پوت ایلچی بے خوفی سے اندر داخل ہُوا اُس کے ہاتھ میں گھوڑے کی خُرجی تھی۔ وہ براہِ راست رانا سے مخاطب ہُوا۔
" راج کماری کی رخصتی پر مہاراجا جے پور نے آپ کے لیے ایک تحفہ بھیجا ہے"۔
ایلچی نے خرجی سے ایک کٹا ہُوا انسانی سر نکالا اور اُسے رانا کے قدموں میں دیا۔
وہ بلرام کا سر تھا۔ کرشنو کا بہادر محبوب جے پور میں قتل کر دیا گیا تھا۔
رانا اور ٹھاکر اجے سنگھ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ چندا بائی کے مُنہ سے ایک جگر خراش چیخ نکلی، وہ تیورا کر گر پڑی، راج پوت ایلچی، رانا اور اجے سنگھ کے سنبھلنے سے پہلے واپس جا چکا تھا۔

Marfat.com

اجے سنگھ نے بلرام کا کٹا ہوا سر اٹھایا اور اُسے پھر خرجی میں ڈال دیا۔ چندا بائی بتدریج ہوش میں آ رہی تھی۔ غم کی شدت سے انا کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس نے دکھ سے کہا۔

"آج کرشنو کا ہونے والا دولہا دوسری بار مرا ہے۔ شاید ہماری بیٹی کی قسمت میں کوئی دولہا نہیں۔"

"اگر راج کماری میری بیٹی ہوتیں"۔ ٹھاکر اجے سنگھ نے غصے میں کانپتے ہوئے کہا۔ "تو میں اُن کی شادی موت سے رچا دیتا۔ راجا بھیم سین کے بعد انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، اگر وہ اپنے منگیتر کے ساتھ ہی مرجاتیں تو راجستھان میں خون کی ندیاں نہ بہتیں۔ مرہٹے، روہیلے اور پنڈارے ہمارے دیس میں اس طرح نہ گھستے اور راجپوتوں کی غیرت بندوقوں کا نشانہ نہ بنتی۔"

وہ چندا بائی سے مخاطب ہوا۔ "گستاخی معاف! راج کماری کی دوسری منگنی کر کے اپنے بھائی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا آپ نے لگایا ہے، اُدے پور کی آن آپ نے لوٹی ہے ہماری عزت آپ نے مجروح کی ہے اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ اُدے پور کے راجپوت اپنی گردن کبھی اونچی نہ کر سکیں تو جائیے، کرشنو کے لیے کوئی تیسرا بر تلاش کر لیجیے"۔

رانا زخمی شیر کی مانند گرج کے بولا۔ "ٹھاکر اجے سنگھ! تم نے ہماری غیرت کا مذاق اُڑایا ہے۔ ہم اُدے پور کی راج پوتی آن کے محافظ ہیں اور ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ اب کرشنو کی شادی موت ہی سے ہوگی اور آج ہی ہوگی۔ چندا بائی جاؤ بیٹی کے لیے زہر کا پیالہ تیار کرو۔ ہم اُسے اپنے ہاتھ سے امرت پلائیں گے۔"

چندا بائی کی آنکھوں سے ایک عزم جھانک رہا تھا۔ وہ پُروقار انداز سے چلتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

کرشنو دلھن بنی بیٹھی تھی۔ وہ اس فکر میں ڈوبی ہوئی تھی کہ بلرام ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ اس نے تو قول دیا تھا کہ میں اپنی جان پر کھیل کے بھی تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ پھر وہ کیوں نہیں آیا؟ چندا بائی وہاں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک کٹورا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ کرشنو سمجھی کہ شاید اس کا دولہا آگیا ہے اور چندا بائی اُسے مطلع کرنے

Marfat.com

آئی ہے۔ مگر چندا بائی کے پیچھے پیچھے رانا اور ٹھاکر بھی تھے۔ کرشنو چونک سی گئی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ چندا بائی چاندی کا کٹورا لیے ایک طرف کھڑی تھی۔ رانا بیٹی کے سامنے پہنچ گیا۔ بیٹی نے تمام تر حیا کے باوجود ڈوبے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پتا مہاراج! کیا پنوار سردار ابھی تک نہیں آئے؟"

رانا نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پُرعزم آواز میں بولا "بیٹی! بے شک پنوار سردار نہیں آئے لیکن تمہارا دولھا ضرور آئے گا۔ تمہاری ڈولی ضرور اُٹھے گی۔ اگر ڈولی نہیں اُٹھے گی تو ارتھی اُٹھے گی اور موت تمہیں ہم سے جُدا کر کے لے جائے گی۔ یہ تمہارے غیرت مند باپ کا فیصلہ ہے۔ آج ہم تمہارے خون سے اپنے ماتھے کا داغ دھونا چاہتے ہیں۔ تاکہ ٹھاکر اجے سنگھ کی طرح کوئی راج پوت آئندہ ہمیں بے غیرتی کا طعنہ نہ دے سکے"۔

کرشنو سمجھ گئی کہ کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ اُس نے مضبوط آواز میں کہا "پتا مہاراج! آپ کا سر اونچا رہنا چاہیے مگر ہم یہ پوچھنے کا حق ضرور رکھتے ہیں کہ کیا مرنے سے پہلے ہمیں بلرام کی صورت دیکھنے کی اجازت ہے؟"

"تمہاری یہ خواہش پوری کر دی جائے گی"۔

کرشنو نے خود آگے بڑھ کے چندا بائی کے ہاتھ سے زہر کا پیالہ لے لیا اور ہونٹوں سے لگا کر ایک ہی گھونٹ میں اُسے خالی کر دیا۔ چندا بائی بہت تیز زہر لے کے آئی تھی۔ زہر نے فوراً کرشنو کا جگر کاٹنا شروع کر دیا۔ کرشنو کا سر چکرانے لگا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک ہی لفظ تھا "بلرام"۔ رانا کے اشارے پر ٹھاکر نے بلرام کا کٹا ہوا سر نکالا اور ساگوان کی گول میز پر رکھ دیا۔ کرشنو نے کٹا ہوا سر دیکھا اور ایک دل دوز چیخ مار کے گر گئی۔ محل کے کسی کونے سے ڈھولک کی تھاپ پر آواز آ رہی تھی "کاہے کو بیاہی بدیس"۔

چندا بائی نے سُرخ یاقوتوں کی دونوں انگوٹھیاں کرشنو کی مُردہ اُنگلیوں میں پہنا دیں۔

Marfat.com

اُردو کے صاحب طرز ادیب
قمر اجنالوی کی تاریخی پیش کش

پرتھال

جسے پاکستان اور بھارت میں یکساں مقبولیت حاصل ہوئی قیمت ۲۵ روپے

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، لاہور

Marfat.com

حالی اور اقبال کے بعد
قمر اجنالوی عالمِ اسلام کی روداِدِ غم بیان کرتے ہیں
اِس دور کا سب سے بڑا قصیدۂ نعتیہ

بنامِ خیر الانام
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

○ جس نے سُنا جھوم اُٹھا
○ جس نے پڑھا دل تھام لیا

اُردو شاعری میں اپنی نوعیّت کی منفرد اور عظیم نظم
یہ قصیدہ حضرت رسالت مآبؐ کے حضور شاعر کی دردمندانہ فریاد بھی ہے
اور اسلام کے عروج و زوال کی منظوم تاریخ بھی ۔

●

جناب احمد ندیم قاسمی ۔ جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی، جناب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید
کے فکر انگیز مقالات ۔ جناب غلام جیلانی باصر اور جناب انوار قمر کے معلومات افزا مضامین
کے علاوہ جناب اقبال راہی ۔ ڈاکٹر اقبال سرہندی، شریف شیوہ ۔ جناب جاذب سہیل اور جناب سکندر
سہراب کے وہ منظوم نذرانے جو قمر اجنالوی کے اس قصیدۂ نعتیہ کے حوالہ سے پیش کیے گئے ۔
علاوہ ازیں جناب عثمان عرفانی نے اس مقدس اور تاریخی تقریب کی مکمل روداد
قلم بند کی ہے جو عاشق رسولؐ (فلم سٹار) جناب حبیب کے دولت کدہ پر منعقد ہوئی ۔
مکتبہ القریش اس لافانی قصیدے کو آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ۔

آج ہی طلب فرمائیے
قیمت ۱۵/۰۰ روپے

مکتبہ القُریش، چوک اردو بازار، لاہور

مورخ ۔ ادیب صحافی اور شاعر

قمر اجنالوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اسلامی دُنیا
کا پورا پنوراما پیش کرتے ہیں
اس دَور کا سب سے بڑا قصیدۂ نعتیہ

بنام خیر الانام
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

- اگر آپ نے یہ قصیدہ نہیں پڑھا تو کچھ نہیں پڑھا۔
- اگر آپ نے حضورِ اقدس ﷺ کی یہ نعت نہیں سنی تو کچھ نہیں سنا۔

عقیدت مند اس لافانی قصیدے کو گھروں کی زینت بناتے ہیں۔
ہم سے طلب فرمائیے (قیمت ۱۵/۰۰ روپے)

مکتبہ القریش چوک اُردو بازار، لاہور

Marfat.com

مکتبہ القریش اُردو کے منفرد اور صاحب طرز ادیب قمر اجنالوی کا ایک انتہائی پُراسرار، سنسنی خیز اور تحیر انگیز ناول پیش کرتا ہے

مقدّس مورتی

تتھاگت بُدھ کے فلسفۂ نروان اور بودھ تاریخ و آثار کے پس منظر میں بودھ گیانی تھا مو کیشپ کی لرزہ خیز آپ بیتی جسے پڑھ کر آپ رائیڈر ہیگرڈ کی کہانیوں کو بھول جائیں گے۔

- ہزاروں لوگوں کا متفقہ فیصلہ ——— اس سے بڑی سنسنی خیز کہانی ہم نے آج تک نہیں پڑھی۔

یاد رکھیئے

یہ آپ کے محبوب مؤرخ اور ادیب

قمر اجنالوی

کی تحریر ہے

- وہ جیون بھید کیا تھا جس کی خاطر ساؤ خاندان تین صدیوں تک نسل در نسل بُودھ کی ایک مُورتی کو تلاش کرتا رہا؟

اُردو ادب میں ایسا سنسنی خیز ناول آج تک نہیں لکھا گیا

نروان کے اسرار و تحیّر کی داستان

بہت جلد پیش کی جا رہی ہے

مکتبہ القریش، چوک اُردو بازار، لاہور

Marfat.com

احب طرز ادیب قمر اجنالوی

کا نام تاریخی ادب میں

سند کا درجہ رکھتا ہے

ولی عہد

— اٹھارہویں صدی کے برِ صغیر کی لہو لہو تصویر —

- جب کمپنی سرکار والیانِ ریاست کا شکار کھیل رہی
- جب انگریز حکمرانِ اعلیٰ کی زبان میں گفتگو کر رہا تھ

- ایک خانہ بدوش جو ولی عہد بن گیا
- ایک شہزادی جو خانہ بدوش بن گئی

آزادی کی عجیب و غریب، لرزہ خیز داستان
جسے قمر اجنالوی کے تاریخ ساز قلم نے لکھا

(آج ہی طلب فرمائیں)

مکتبہ القریش، سرکلر روڈ، لاہور